الاصحاب فی الکتاب

مؤلفہ
سید نور الحسن شاہ بخاری

کتب خانہ مجیدیہ ملتان

الاصحاب فی الکتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمدللہ ۔ ! کتب خانہ مجیدیہ ملتان کو اپنے اکابرین کی نایاب کتب شائع کرنے کا شرف حاصل ہے ۔

یہ کتاب **الاصحاب فی الکتاب** سید نور الحسن شاہ صاحب کی اہم تصنیف ہے ـــــ شاہ صاحب مرحوم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے ـــــ عرصہ دراز سے یہ کتاب نایاب تھی اور مانگ بڑھ رہی تھی ، بڑی مشکل سے ایک نسخہ پرانا شاہ صاحب مرحوم کے صاحبزادہ نے ڈیرہ غازیخان سے لاکر دیا ، جس کو ہم شائع کر رہے ہیں ـــــ

کتاب پہلے چھوٹی سائز میں تھی اور پڑھنے میں مشکل تھی ۔ اس دفعہ اس کو بڑی سائز میں شائع کیا ہے اس سے پہلے مرحوم کی کتاب **توحید اور شرک کی حقیقت** ـــــ شائع کر چکے ہیں ۔ ان شاء اللہ شاہ صاحب رح کی اور نایاب کتب بھی شائع ہوں گی ـــــ

دعائی کا طالب

بلال احمد شاہد

کتب خانہ مجیدیہ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

الاصحاب فی الکتاب

کتاب اللہ کی چوتھی شہادت

قانون بقاء انفع

(صفحہ ۳۵۶ سے ۳۷۰ تک)

کتاب اللہ کی پانچویں شہادت

سنت اللہ

(صفحہ ۳۷۱ سے ۳۹۹ تک)

کتاب اللہ کی چھٹی شہادت

اہلِ باطل کی تعذیب ہلاکت

کتاب اللہ کی ساتویں شہادت

اہلِ حق کا تمکن و استخلاف

کتاب اللہ کی آٹھویں شہادت

حضور کی شانِ تنویر

کتاب اللہ کی نویں شہادت

حضورؐ کی شانِ تطہیر

(صفحہ ۵۴۰ سے ۵۷۷ تک)

کتاب اللہ کی دسویں شہادت

حضورؐ کی شانِ عصمت

(صفحہ ۵۷۸ سے ۶۲۲ تک)

الٰہی!
میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم

مطلع انوار

مصدرِ حُسن و جمال

رسولِ پاک

کائناتِ حُسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی رسولِ پاک ہو کر رہ گئی

صدیقؓ عکسِ حُسنِ کمالِ محمدؐ است
فاروقؓ ظلِّ جاہ و جلالِ محمدؐ است

عثمانؓ ضیائے شمعِ جمالِ محمدؐ است
حیدرؓ بہارِ باغِ خصالِ محمدؐ است

اسلام ما، اطاعتِ خلفائے راشدینؓ
ایمانِ ما، محبتِ آلِ محمدؐ است

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ

جلوۂ انوار

تجلیاتِ حُسن و جمال

صحابہؓ پاک

ایمان کی اساس ہیں سارے صحابہؓ پاک
محبوبِ کبریا کے ہیں پیارے صحابہؓ پاک

جس آسمانِ رُشد کے حضرت ہیں مہر و ماہ
ہیں اُس کے تابدار ستارے صحابہؓ پاک

ارض و سما کی آنکھ کے تارے حضور ہیں
اور چشمِ ذاتِ پاک کے تارے صحابہؓ پاک

نورِ ھُدیٰ کے آپ ہیں اک بحرِ بیکراں
اس بحرِ بیکراں کے کنارے صحابہؓ پاک

آلِ رسولؐ ہے جگرِ مصطفیٰ کا لخت
قلبِ رسولِ پاک کے پارے صحابہؓ پاک

وجہِ رسولِ پاک ہے اک مصحفِ کریم — اس مصحفِ کریم کے پارے صحابؓ پاک

پروانہ وار شمعِ رسالت کے ساتھ ہیں — یارِ مزار و صاحبِ غار ہے صحابؓ پاک

رحمت کا گر حضور میں دریا ہے موجزن — ہیں بہرِ خلق فیض کے دھارے صحابؓ پاک

بزمِ جہاں میں آپ سراجِ منیر ہیں — اور اس سے مستنیر ہیں سارے صحابؓ پاک

حضرت صفاتِ ذات کا ہیں مظہرِ اتم — اس مظہرِ اتم کے نظارے صحابؓ پاک

باہمدگر گو شیر و شکر ہیں، مگر ہیں سب — بہرِ متاعِ کفر، شرارے صحابؓ پاک

ان سب کے دم قدم سے اندھیروں میں نور ہے — لاریب کالنجوم[۱] ہیں سارے صحابؓ پاک

گر ان کے اقتدا کی سعادت نصیب ہو

"فرمانِ مصطفٰیؐ ہے ہدایت نصیب[۲] ہو"

بخاری

---

۱ ۲ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم (رواہ مشکوٰۃ المصابیح)

یارِ غارِ نبوت

صدیقؓ یار و یاورِ محبوبِ کردگار — اور صاحبِ رسولؐ ہیں فی الغار و المزار

صدیقؓ صدق و عشق کی دنیا کے تاجدار — صدیقؓ ہی سے رسمِ محبت ہے استوار

صدیقؓ روح و جانِ وفا و خلوص ہیں — صدیقؓ ہی سے مطلعِ ایثار تابدار

صدیقؓ کا وجود نبوت کا ہے ثبوت — اور خود رسولِ پاکؐ ہیں توحید کا مدار

صدیقؓ کو نکال دیں گر درمیان سے — توحید کو ملے نہ رسالت کو پھر قرار

صدیقؓ صدرِ بزمِ رسولِ کریمؐ ہیں — اور ہر گھڑی میں صدرِ نبوت سے ہم کنار

صدیقؓ اس گھڑی بھی نبوت کے ساتھ تھے — اللہ کے سوا نہ تھا جب کوئی غم گسار

صدیقؓ سے رفیقِ نبوت کو حیف ہے — کہتے برا بھلا ہیں سرِ راہ نابکار

صدیقؓ سے تبرا یہ ممکن بھی تھا کہیں؟ — حضرت علیؓ کے ہاتھ میں جب تک تھی ذوالفقار

صدیقؓ ان کی نصرت و تائید سر بسر — سرکار خود ہیں جن کی رسالت کا شاہکار

صدیقؓ کی سرائے پہ پہنچے نبیؐ طلب — دعوت پہ حق کی عرش پہ پہنچے جو ذی وقار

صدیقؓ کیوں نہ بارِ خلافت اٹھا سکے — جب دوش پہ وہ روحِ نبوت ہوئے سوار

صدیقؓ پیشتر ہوئے داخل جو غار میں — یہ ہے دلیلِ قیمت و برہانِ آشکار

صدیقؓ جب تلک نہ کسی دل میں آئیں گے — اس دل میں آئیں گے نہ نبوت کے تاجدار

صدیقؓ تو نے دعوتِ محبوب پر کیا — سب کچھ فدا سوائے قبا، وہ بھی تار تار

صدیقؓ تیرے عشق کی توہین تھی نہ جب — تو نے قبا بھی شاہؐ پہ کی غار میں نثار

صدیقؓ آخرت میں ہو محزون کس طرح — جو یاں نبیؐ سے دیکھا نہ جائے ہے بیقرار

صدیقؓ تیرے سینہ پہ خود ان کا ہاتھ ہے — ہے جن کی ذاتِ پاک ہی منظورِ کردگار

صدیقؓ تیرے دل سا کسی کا ملا ہے دل — تسکین کا نزول ہو جس دل پہ بار بار

صدیقؓ کے خلوص سے جوشِ جہاد سے — ظلمت نے کفر و شرک نے پائی رہِ فرار

اور دینِ حق یہ تا بہ ثریا پہنچ گیا
صدیقؓ تم پہ رحمت و برکات بے شمار

بنجاہی ★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاح

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کتاب اللہ کے انوار میں اصحابِ رسولؐ کے اذکار!

یہ ہے "الاصحاب فی الکتاب" کا موضوع! یعنی اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات اقدس و اطہر، ان کی عظمتِ شان وجلالتِ قدر، ان کے فضائل وکمالات، محاسن و مدائح، اور جانشینانِ رسولؐ کی خلافتِ راشدہ وحکومتِ الٰہیہ سے بحث کی گئی ہے۔ اور صرف قرآن کی حدود کے اندر!

یارانِ نبیؐ کی صداقت و امامت کا دل نواز اور ایمان افروز تذکرہ!

اور پھر کلام اللہ کی نورانی تعلیمات کی روشنی میں سبحان اللہ! نورٌ علیٰ نور!!

بہاریں سمٹ آئیں کھل جائیں کلیاں!
جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرا دیں!

اصحابِ رسولؐ

تری محفل سے اُٹھ کے جو بھی آئے گا سرشار آئے
خمستاں در نظر آئے، گلستاں درکنار آئے

حقیقت میں وہی سرمایۂ عمر گرامی ہے،
جو لمحاتِ حسیں ہم اُن کی محفل میں گزار آئے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ جب کلام مطلق اصحاب میں نہیں، اصحاب رسولؐ میں ہے تو اصحابؓ سے پیشتر رسولؐ پر بحث ہوگی، وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے پہلے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا ذکر آئے گا، اور ذاتِ پاکِ حبیب کبریا پیشِ نظر رہے گی ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم

پھر حضور کی ذات بحیثیت محمد بن عبداللہ مسلمان کے سامنے نہیں ہے۔ مسلمان محمد رسول اللہ کا غلام ہے، ہماری تاریخ گواہ ہے، ہماری جنگ اور صلح" گواہ ہے کہ کفر محمدؐ رسول اللہ کے تصور کو برداشت نہیں کرسکتا اور اسلام محمد کو رسول اللہ سے جدا نہیں کرسکتا۔ سیدنا حضرت علیؓ اپنا قلم توڑ کر تو رکھ سکتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ کو محمد بن عبداللہ میں تبدیل نہیں کرسکتے ایک فرزندِ توحید کے تصور میں بھی رسول اللہ سے الگ ہوکر محمد کریم

نہیں آسکتے ـــــــ صلی اللہ علیہ وسلم!

جب اصحاب پر غور و فکر اور بحث و کلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پیش نظر رہے گی، اور رسول اللہ کی حیثیت سے پیش نظر رہے گی، تو لازمی طور حضور کی ذات پاک سے پیشتر خود ذات پاک باری تعالیٰ زیر بحث آئے گی۔

اللہ رب العزت بالاتفاق سُبحان ہے۔ سبوح ہے۔ قدوس ہے ہر عیب سے منزہ اور ہر نقص سے پاک ہے۔ حُسن ہی حُسن اور جمال ہی جمال ہے۔

اس کے رسول بھی لازمی طور پر اخلاقِ الٰہی و صفاتِ ربانی کے مظہر ہوں گے، چونکہ وُہ اللہ کے فرستادہ اور زمین پر اس کے نمائندہ ہیں۔ وہ ذات پاک رب العزت کی دلیل ہیں۔ انوارِ الٰہی کے آئینہ دار ہیں خلقِ خدا ان ہی کے وجودِ اقدس سے وجودِ باری تعالٰے کی قائل ہوئی ہے۔ لہٰذا ان کا ہر عیب سے بے عیب۔ مقدس، مطہر معصوم؛ منور سراپا نور ہونا لازمی ہے جو ماحول کو جگمگا دیں اور جن کے انوارِ حسن و جمال سے پوری دنیا مستنیر ہو۔

نبی کا وجود، وجود واجب الوجود کی دلیل اور رسول کی ذات، ذات پاک رب العزت کا ثبوت تب ہو سکتی ہے۔ جب یہ وجود نہ صرف خود نور ہو بلکہ منبعِ انوار ہو۔ جب یہ ذات نہ صرف خود حسن و جمال ہو بلکہ

سرچشمۂ حسن و جمال اور مخزن منبع خوبی و کمال ہو، ساری دنیا ان ہی کے نور سے بقعۂ نور اور پُرنوری کائنات ان ہی کے حسن و جمال سے حسین و جمیل!

نہ۔ داستانِ حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی!

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اگر رسول کی یہ شان نہیں ہے، وہ نہ سرچشمۂ انوار و مصدرِ جمالیات ہے۔ نہ سراپا حسن و کمال! تو وہ وجود باری تعالیٰ کی دلیل اور ہستی رب العزت کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے؟ نور کی دلیل تو نور ہی ہو سکتا ہے اور حسن کی دلیل حسن!

ع۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب:

فلسفۂ عصمتِ انبیا

ذات پاک رب العزت حسن ہی حسن ہے سراپا حسن! اور جمال ہی جمال ہے۔ سراپا جمال!

اور حسن و جمال کی فطرت جلوہ نمائی و جہاں آرائی ہے، حسن و جمال نمود و ظہور کو پسند کرتا ہے اور ہر حسین و جمیل اپنی رعنائی و زیبائی کا مظاہرہ چاہتا ہے۔

آئینہ حسن و زیبائی اور آرائش و رعنائی کا مظہر ہوتا ہے، اس لئے ہر پیکرِ حسن و جمال کو آئینہ سے پیار ہوتا ہے۔ ہر حسین اپنے آئینہ کو داغ دھبوں سے پاک صاف اور مصفّا و مجلّا رکھتا ہے، کیونکہ اسی آئینہ میں اس کا حسن و جمال جھلکتا ہے۔ محبوب گلفام کو آئینہ سے پیار کیا! دراصل اپنے آپ سے پیار ہوتا ہے، اپنے

رخسار پُرانوار اور گیسوئے تاب دار سے پیار ہوتا ہے، اپنی "بیمار" آنکھوں، اپنے شیریں لبوں، اور اپنے خدوخال سے پیار ہوتا ہے، کیونکہ آئینہ عکس پذیرِ رُوئے جمیل اور امینِ حُسن و جمال ہوتا ہے اس کے اندر اپنے حُسن کی نمود اور اپنے جمال کی جھلک ہوتی ہے، اس لئے اس سے پیار ہوتا ہے، اتنا پیار! جتنا پیار اپنے آپ سے ہوتا ہے!

نبوت آئینہ توحید ہے اور سیرت و کردارِ رسالت آئینہ دارِ احدیت! مثل و مثال اور شکل و صُورت سے منزہ اور پاک خدا جس کو بھی نظر آیا ہے، رُخسارِ نبوت پر نظر آیا ہے اَن دیکھے خدا کو جس نے بھی دیکھا ہے آئینہ رسالت ہی میں دیکھا ہے۔ نبی خدا کا آئینہ ہوتا ہے۔ جس کی حیاتِ طیبہ کا لمحہ لمحہ خدا کی ہستی اور باری تعالےٰ کی توحید کی شہادت دیتا ہے۔ اس لئے محبوب یکتا حُسنِ ازل کو اپنے انبیاء و رسل سے پیار ہوتا ہے۔ بے حد پیار، اور وہ اپنے "ان آئینوں" کو خوب پاک وصاف۔ ہر میل کچیل اور ہر آلودگی سے وراء الوراء اور ہر قسم داغ دھبوں سے مبرا و معرا رکھتا ہے۔ اور انوار و تجلیات سے منوّر و متجلّی اور ظاہری و معنوی محاسن و جمالات اور فضائل و کمالات سے مزیّن و معمور کر دیتا ہے۔

قُدرت اپنے ہاتھوں سے حُسنِ نبوت کو نکھارتی اور جمالِ رسالت

کو سنوارتی ہے۔ نبی قدرت کی صناعی و تخلیق کا شاہکار ہوتا ہے فطرت اپنا سارا زور اس کی تزئین و آرائش اور اس کی تحسین و زیبائش پر لگا دیتی ہے، اس لئے کارخانۂ قدرت میں نبی اور رسول کا نظیر و مثیل نظر نہیں آتا اسد ملتانی نے حضورؐ کی شان میں کیا خوب کہا ہے ؎

● اے سب جمیلوں سے جمیل ملے سب حسینوں سے حسین ——— اے رحمۃ للعالمین!
● اے وہ کہ تیری شکل فطرت کے تصور میں نہیں ——— اے رحمۃ للعالمین!

فی الحقیقت رسول کریمؐ خالقِ کائنات کی صنعتِ تخلیق کا شاہکار ہیں اور پوری کائنات بلکہ عالمِ تصورات میں بھی حضورؐ کی مثال محال ہے

؎ رُخِ مصطفٰےؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ!
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

تقدس صحابہؓ

جس طرح رسولؐ فطرت کا شاہکار ہوتا ہے اور انوارِ الٰہی کا آئینہ دار! اسی طرح یارانِ رسولؐ رسولؐ کا شاہکار ہوتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کے آئینہ دار!

؎ خالق نے اگر ہستیٔ سرورؐ کو سنوارا
اصحاب کے دل ساقیٔ کوثرؐ نے سنوارے

قدرت خود زلفِ رسولؐ میں شانہ کرتی ہے۔ عارضِ نبی پہ غازہ ملتی ہے حسنِ نبی کو نکھارتی اور جمالِ حبیبؐ کو سنوارتی ہے کیونکہ جمالِ حبیب میں کمالِ محبؐ جھلکتا اور آئینہ رسالت میں حسنِ ازل چمکتا ہے۔ اسیطرح رسالت اپنے صحابہؓ کو بناتی سنوارتی ہے۔ ان کے قلوب و نفوس

کا تزکیہ و تصفیہ کرتی ہے۔ ان کے قالب و وجود کو منور و متجلی کرتی ہے اور ان کی تحسین و تجمل میں اپنا پورا زور اور اپنی انتہائی قوت صرف کر ڈالتی ہے، کیونکہ انہی کی سیرت و کردار سے حسنِ نبوت آشکارہ ہوتا ہے، اور جمالِ رسالت نمودار! انہی کے آئینہ زندگی میں نبیؐ کی شانِ تنویر و تاثیر جھلکتی ہے اور دنیا اصحابِ رسول کے حالات ہی سے رسول کے فیوض و کمالات کا اندازہ کرتی ہے۔

جس طرح نبی اللہ کی دلیل اور رسول وجودِ باری تعالیٰ کا مظہر ہے اور ان کا منور و مقدس اور معصوم و مطہر ہونا لازمی ہے، اسی طرح اصحابؓ رسولؐ رسول کی رسالت و صداقت کی دلیل اور یارانِ نبیؐ نبیؐ کی نبوت کا ثبوت ہیں لہٰذا ان کا حسن و کمال اور نور و جمال بھی مسلّم ہے۔

اللہ کریم بے عیب ہے پاک ہے، لہٰذا اس کے رسول کریمؐ بے عیب پاک معصوم و مقدس ہیں اور رسول کریم معصوم و مقدس ہیں، لہٰذا آپؐ کے جمیع اصحابؓ عدول و مطہر ہیں ان کی عظمت و بزرگی، عدالت و طہارت اور ان کے حسن و جمال میں ذرہ بھر تامل نہیں ہو سکتا، حضور کریم سراجِ منیر ہیں تو جمیع صحابہ کرامؓ منور چاند تارے ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنھم!

سہ شوقی اثرِ ماہِ رسالت ہیں صحابہؓ
ہیں باعثِ تنویر یہ پُرنور ستارے!

کتاب اللہ!

ـــہ صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا،
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

سابقہ کتب و صحفِ الٰہیہ سے چمنستانِ ایمان میں رنگ و بو اور باغِ عالم میں بہار تھی، قرآن کریم آیا اور ساری بہاروں پہ چھا گیا،

توراۃ و انجیل کو اپنی شانِ قیادت و ہدایت پہ بجا طور فخر و ناز تھا مگر کب تک ؟ جب تک دنیا میں قرآن نہیں آیا تھا۔ قرآن آیا اور اس کے جلووں کی جھلک اور تابشِ حسن کی تاب نہ لاکر گزشتہ آسمانی کتابیں روپوش ہو گئیں۔

سراجِ منیر کتاب اللہ کے طلوع ہوتے ہی بزمِ رشد کی قندیلیں بے نور، محفلِ ایمان کی شمعیں غائب اور افقِ صداقت و آسمانِ ہدایت کے انجم تاباں غروب ہو گئے، جانے ہدایت کے کتنے روشن ستارے ڈوبے اور رہنمائی کی کتنی فروزاں شمعیں بجھیں تب جاکر دنیا سراجِ منیر قرآن کریم سے منور و مستنیر ہوئی۔

ـــہ نہ جانے کتنی شمعیں گل ہوئیں کتنے بجھے تارے
تب اک خورشید اتراتا ہوا بالائے بام آیا!

سابقہ کتب ربانی وصحف آسمانی پر ہمارا ایمان ہے لیکن ساتھ ہی ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ آج عالمِ انسانی کی قیادت کا انھیں کوئی حق حاصل نہیں، ہم آج ہدایت کے لیے ان کی طرف گوشۂ چشمِ التفات بھی مبذول نہیں کرتے۔ اور قرآن ہی کو ہدایت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

۵۔ ہم اکثر سامنے غیروں کے آنکھیں بند رکھتے ہیں
سبب یہ ہے کہ پھرتا ہے جمالِ یار آنکھوں میں

حتیٰ کہ فاروقِ اعظمؓ بارگاہِ نبوت میں اوراق تورات سے کچھ پڑھنے لگتے ہیں تو جبینِ رسالت پر بل پڑ جاتے ہیں اور چہرۂ مبارک متغیر ہو جاتا ہے[1]۔ پھر یہ کیا تماشہ ہے کہ آج ہماری اکثر مجالس جھوٹی روایتوں غلط داستانوں، اور فضول قصائد و اشعار سے گونجتی ہیں۔ اور ہماری مذہبی تصنیفات قصص و امثال اور حکایات و روایات سے بھرپور اور معمور ہوتی ہیں جو دینِ حق حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام پر منزل من اللہ کتب وصحف کا متحمل نہیں، وہ جھوٹے راویوں زبان دراز و آوارہ شاعروں اور فاسق و فاجر گویوں کا کیسے تحمل کر سکتا ہے؟

لمحۂ فکریہ جس قرآن کریم نے کتب سماویہ وصحف ربانیہ کو منسوخ کر دیا۔ توراۃ و زبور اور انجیل مقدس

[1] مسند احمدؒ۔ دارمیؒ۔ ابن حبانؒ عن جابرؓ وغیرہ (ترجمان السنۃ ج۱ ص ۳۴۵)

کے خزینوں کو منتقل کر دیا۔ صحفِ ابراہیمؑ و صحفِ موسیٰؑ پر تالے ڈال دئے۔
کیا وہ قرآن کریم بے اصل روایتوں، بے بنیاد قصوں، خانہ ساز افسانوں طبع زاد قصیدوں، من گھڑت مثالوں، فضول کہانیوں، اور حکایتوں کو چلنے دے گا۔؟ قطعاً نہیں۔!
ذرا غور تو کرو! جن مقدس کتابوں پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ منزل من اللہ ہیں۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد دُنیا کی ہدایت و قیادت کے میدان میں ان کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں رہی اور ہم ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

ہمہ شہر پر زخوباں، منم و خیالِ ماہے!
چہ کنم کہ چشمِ خود بیں نہ کند بکس نگاہے

تو جن چیزوں کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ منزل من الشیاطین ہیں، آج انھیں کیسے انسانیت کی رہنمائی کا حق دیا جا سکتا ہے؟ اور دینی تبلیغی مجالس و محافل یا اسلامی کتب و رسائل میں انھیں کیسے جگہ مل سکتی ہے۔؟
حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور قرآن خاتم الکتب!
حضور رحمۃ للعالمین کی بعثت مبارکہ کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا، اور قرآن کریم کی تنزیلِ مقدسہ کے بعد وحی و رسالت کا سلسلہ منقطع!

ہو گیا جب سے بے نقاب کوئی ۔۔۔ شمع روشن نہ پھر کسی نے کی

اب ذرا سوچئے تو جب کتاب اللہ نے وحیٔ ربانی کا دروازہ بھی مسدود کر دیا اور تنزیلِ آسمانی پر پہرے بٹھا دئے تو وحیٔ شیطانی کا دروازہ کیسے کھلا رہے گا۔؟

ایک دلچسپ نکتہ اور عجیب تعبیر

جب ہم اپنے خدا کی بھی نہیں مانتے تو اور کوئی کس شمار قطار میں ہے، ہم تو اپنے خدا کا بھی وہی فرمان مانتے ہیں۔ جو محمد مصطفےٰ فرماتے ہیں۔ حضورؐ کے سوا کئی اور اللہ کے سچے پیغمبر اللہ کا کلام لائے ہیں۔ ہم دل سے ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے بھی انھیں "نہیں" مانتے "تو اور کسی کی کیا مانیں گے؟

ؔ تجھ سے نسبت جو ہے دیوانوں کو!
کتنے مغرور ہوئے جاتے ہیں

خلاصہ :۔ یہ کہ کسی کی نہ مانو، حتیٰ کہ اللہ کریم کی بھی نہ مانو، سوائے اس کے! جو رسول کریم لائے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

لَا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ملتِ اسلامیہ کی بدقسمتی

مگر آہ! آج بدقسمتی سے ہم قرآن سے دُور ہو کر ان خرافات میں مبتلا ہو گئے اور نورِ صدق و یقین سے روگرداں ہو کر ظلمتِ ظن و تخمین میں کھو گئے ہیں۔

ؔ حیاتِ جاوداں اندر یقین است
رہِ تخمین و ظن گیری۔ بمیری!

انتشارِ ملی کا باعث؟

یہ جو ہم قدم قدم پر ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں اور آئے دن باہم آویزش و کشمکش خلاف و عناد اور جدال و فساد کے جو منظر نظر آتے ہیں اور اُمّت میں نت نئے فتنوں کے دروازے کھلے جاتے ہیں، یہ سب ترکِ قرآن ہی کا نتیجہ ہے اور خرافات سے ربط و تعلق کا ثمرہ ! سہ

دو گامے رفتی و از پا فتادی | در صد فتنہ را بر خود کشادی
تو قرآں را سرِ طاقے نہادی | برہمن از بتاں طاقِ خود آراست

(اقبال)

اگر کوئی اور قوم اپنی کتاب کو چھوڑ کر روایات کی دلدل میں پھنس جائے تو اتنا افسوس نہیں، لیکن مسلم قوم جسے قرآن ایسی بے نظیر نعمتِ عظمیٰ اور بے مثال رحمتِ کبریٰ عطا ہوئی ہو یہ اسے گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا کر فضولیات میں کھو جائے، تو تحیّر کی انتہا ہے نہ تاسّف کی کوئی حد! :

سہ - بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن !
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیرِ قفسی!

اگر آج مسلمان متروک و مہجور قرآن کو پھر سینے سے لگا لیں اور اپنے عقائد و تصوّرات اور اعمال و کردار کی اساس و بنیاد قرآنی انوار میں استوار کریں، تو آج یہ سارے فتنے مٹ سکتے ہیں

اور آپس میں کٹ مرتا مسلمان پھر باہم شیر و شکر ہو سکتا ہے ؂

باز اے ناداں بخویش اندر نگر	اندکے گم شو بقرآن و خبر
وحدتے گم کردۂ صد پارۂ	در جہاں آوارۂ بے چارۂ
واغم از داغے کہ در سیمائے تست	بند غیر اللہ اندر پائے تست

(اقبال)

میرا ایمان ہے کہ پہلے بھی کٹی پھٹی دنیا اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو قرآن ہی نے جوڑا تھا اور آج بھی قرآن ہی جوڑے گا۔

قولہٗ تعالیٰ وَاعتصِمُوا بِحَبلِ اللہِ جمیعًا وَلاَ تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانًا۔ (پارہ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۱)

قرآن عناد و عداوت کا استیصال اور افتراق و انتشار کی بیخ کنی کرتا ہے، اور قلوب انسانی میں مہر و محبت، وصل و وصال اور جمعیت و اخوت کا بیج بوتا ہے بخلاف اس کے ظنیات و فضولیات سے فرقہ بندی و غیریت، فصل و انفصال اور تنافر و تباغض کا خمیر اٹھتا ہے۔ لہٰذا جو محبانِ قوم و وطن اور خیر اندیشانِ ملک و ملت مسلمانوں میں باہمی افتراق و منافرت اور انتشار و مناقشت کو مٹا کر انھیں باہمدگر شیر و شکر اور متحد و متفق کرنا چاہتے ہیں وہ وحی ربانی کے حامل و مبلغ اور دعوت قرآنی کے علم بردار و داعی ہیں اور جو لوگ مذہبی اسٹیج پر قرآن کو نظر انداز کر کے

خانہ ساز روایات و خرافات کے کھلونوں سے بھولے بھالے حاضرین کو بہلاتے ہیں وُہ درحقیقت اتحاد بین المسلمین کو تارپیڈو کرکے فتنہ و فساد کی تخم ریزی اور تفرقہ و تشتت کی آبیاری کرتے ہیں ملک و ملت کے بہترین مفاد سے غداری کے مرتکب ہوتے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں ؎

شیرازۂ حیات بکھرتا چلا گیا!
وُہ تھے کہ زلف اپنی سنوارے چلے گئے

اہلِ حق کا مسلک ، تمسک بالقرآن ! ؎

خوش زمزمۂ گوشۂ تنہائی خویشم
از جوش و خروشِ گل و بلبل خبرم نیست

اگرچہ ماحول ناسازگار ہے اور فضا تیرہ و تار ! مگر ؎

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی !
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی !

فاسد ماحول سے ستیزہ کاری و صف آرائی جوہرِ مردانگی اور علامت زندگی ہے ؎

اُٹھ کہ ناسازئ ماحول سے صف آرا رہو
زندگی نام ہے ماحول سے لڑتے رہنا

ہم نے فرسودہ اور موت آفریں نظام درہم برہم کر کے ایک جدید روح آفریں طرح ڈالی ہے۔

؎ لب جاں بخش سے پیتے ہیں ہم خم سے نہیں پیتے
بدل ڈالا ہے فرسودہ نظامِ مے کشی ہم نے

گو آج ہماری بعض محافل بے اصل و بے بنیاد روایات و خرافات سے گونج رہی ہیں اور ان پر سینما کا رنگ غالب ہے، عموماً تبلیغی مجالس کیا ہیں ؛ افسانوی انمانہ اور ڈرامائی شاہکار ہیں! مقرر جھوم جھوم کر شعار و قصائد پڑھتے، فضول قصے کہانیاں سناتے اور گمراہ کن روایات پیش کرتے ہیں اور حاضرین ہیں کہ بیٹھے سر دھنتے ہیں؛ اور انہی خرافات کو دین سمجھ کر وجد کرتے ہیں، اور مجمع پر ایک کیف طاری ہوتا ہے مگر ؎

مجھ کو ہے واسطہ فقط ایک تیری نگاہ سے،
کیف تو میکدے میں ہے، میرے مذاق کا نہیں

اپنا مذاق یہ ہے ؎ نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

گو آج صنم تراشی و بت پرستی کا چرچا عام ہے مگر ہمارا کام توحید کی ضربِ پیہم سے ان بتوں کو توڑ پھوڑ دینا ہے۔

؎۔ اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ،

وقت آئے گا کہ مذہبی دُنیا نغمہ وگلو کی کرشمہ کاریوں اور مُستال کی سحر آفرینیوں سے آزاد و بے نیاز ہو گی جھوٹی روایات و باطل حکایات کا طلسم ٹُوٹے گا، نُورِ حق کی جلوہ گری ہو گی، اور تیرہ و تار دُنیا کتاب وسُنّت کی تنویر و ضیا پاشی سے منوّر و متجلّی ہو جائے گی انشاءاللہ!

وُہ دن انسانیت کے لیے حیاتِ نو کا پیغام لائے گا۔ وُہ دن آدمیت کی فوز و فلاح اور نجات و صلاح کا دن ہو گا، خدا کرے وُہ دن، وُہ مبارک و میمون دن قریب سے قریب تر ہو، آمین!

اسلامی مدارس وجامعات

مگر آہ! صرف تبلیغی سٹیج پر قرآن کے جلوہ گر ہونے سے بگڑی نہیں بنے گی۔ ؎

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں!
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

صرف منبرِ وعظ و تبلیغ پر قرآن کریم کے آجانے سے کایا نہیں پلٹے گی۔ جب تک مسندِ درس و تدریس پر قرآن جلوہ فرما نہ ہو ؎

صرف نغمے ہی نہیں لَے بھی بدلنی ہو گی!
باغبانوں نے، سُنا ہے کہ چمن بیچ دیا!

ہماری بدنصیبی کی کوئی انتہا ہے؟ کہ جن مدارس کا مقصد و منشاء ہی تعلیمِ قرآن ہے۔ وہاں بھی اگر نہیں ہے تو تعلیم قرآن!

؎ مدرسوں میں ہے وہی بحث کلام و منطق!
اور قرآن کے اسرار چھپا رکھے ہیں!

قواعد و فنون، ادب و معانی، منطق و فلسفہ وغیرہ یہ سب مبادیات و ذرائع ہیں علوم قرآنی کی تحصیل کے! مگر آج عموماً انہی ذرائع کو مقصد سمجھ لیا گیا ہے اور اکثر متعلم مبادیات ہی میں عمر عزیز گزار دیتے ہیں۔ اور گوہرِ مقصود کی شکل تک نہیں دیکھ پاتے گویا یہ ایسے مسافر ہیں جو عمر بھر شب و روز سفر ہی کرتے رہتے اور منزل سے ناآشنائے محض رہتے ہیں۔ کون ہے جو ان کی بادیہ گردیوں، صحرا نوردیوں اور ناکامیوں اور نامرادیوں پر چار آنسو نہ بہائے گا؟

؎ اس موج کی قسمت پر روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اُٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

طرفہ تماشہ یہ کہ واعظ ہوں یا مبلّغ، معلّم ہوں یا متعلّم! وہ سب کھاتے قرآن ہی کے نام پر ہیں، دُنیا ان کی خدمت اور عزّت محض یہ سمجھ کر کرتی ہے کہ یہ قرآن کے خادم و ناشر ہیں۔ کس درجہ ظالم ہیں ہم لوگ! کہ قرآن کے نام پر کھا کر بھی اس کا نہیں مدگاتے"، اور کس قدر مظلوم ہے قرآن کریم! کہ جنھیں اس کے نام پر روٹی ملتی ہے وُہ بھی اس کے نہیں بنتے! ؎
دورِ گردوں میں کسی نے اپنی غم خواری نہ کی۔ دُشمنوں نے دُشمنی کی یار نے یاری نہ کی

اغیار نے قرآن کی مخالفت میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔ اور اشاعتِ قرآن کی مزاحمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اس کا کوئی غم نہیں، افسوس ہے تو اس بات کا کہ اس رحمتِ کبریٰ کو اپنوں نے بھی نہیں اپنایا، اس نعمتِ عظمیٰ کو ہم نے بھی سینے سے نہیں لگایا۔

؎ نہیں غم کہ دشمن ہے سارا زمانہ
مگر آہ! تم نے بھی اپنا نہ جانا،

بیگانوں کی بے رُخی و بیگانگی اور اعراض و عداوت کو تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے مگر یگانوں کی بے اعتنائی و کنارہ کشی اور اجنبیت و غیریت کو کیسے معاف کیا جاسکے؟

؎ محبوبوں کی بخشی نہیں جاتی ہیں خطائیں!
جرم اُن کے کبھی عفو کے قابل نہیں ہوتے!

کتنا لرزہ انگیز ہے یہ تصور! کہ مبادا بروز حشر داورِ محشر کے حضور شافع محشر کا دستِ رحمت ہمارا گریباں گیر ہو اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کی بجائے ہمارے خلاف دربارِ خداوندی میں استغاثہ پیش فرما رہے ہوں۔

اس وقت ترک و مفارقتِ قرآن کا ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔؟ ؎

ابھی سے سوچ سمجھ لو وگرنہ حشر کے دن
مرے سوال کا تم سے جواب ہو کہ نہ ہو!

کاش! عربی مدارس اور اسلامی جامعات کے مسند نشینانِ درس اہتمام علوم و مطالبِ قرآنی کی صحیح تعلیم و تدریس کی طرف پوری توجہ مبذول کرکے اپنا فرض پورا کریں اور قوم کے درد کی دوا بہم پہنچائیں، کہ علم و حکمت کا مقصود، مظلوم و درد رسیدہ انسانیت کی چارہ سازی اور اغیار کے جارحانہ حملوں سے مجروح دجان بلب اُمّت کا فکرِ استعلاج ہے ؎

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علم لاہوتی!
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کتاب و سُنّت! بہرحال ہماری فکری و عملی زندگی کی قیادت کا حق بنیادی طور پر کتاب اللہ کو حاصل ہے۔ سُنّتِ رسول[له] کتاب اللہ ہی کی شرح و تفسیر اور اس کے مجملات کی تفصیل و توضیح ہے۔

پھر کتاب و سُنّت کے موافق جو چیز ہو، ارشاداتِ صحابۂ کرامؓ وسلف صالحینؒ اقوال ائمہ مجتہدینؒ و علمائے عظام، اہلِ قلم و خطاب کی تحریر و تقریر، شعراء کے اشعار! ان سب چیزوں سے استدلال و استشہاد جائز ہے۔ بشرطیکہ تعلیماتِ قرآنی کے موافق و تابع ہوں۔

له قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنّت رسولہ رواہ فی المؤطا (مشکوٰۃ المصابیح)

خلاف نہ ہوں۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے جو بھی چیز متصادم ہوگی، وہ درخورِ اعتنا و التفات نہیں، وہ تو پاؤں تلے روندنے کے قابل ہے ؎

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے
ہم نے جانا کہ دوجہاں سے گئے

قرآن کا اعجاز!

قرآن کا تازہ اعجاز ملاحظہ ہو کہ وہ صاحبان جو آج تک اسے "صحیفۂ عثمانی" سے تعبیر کرتے تھے۔ اور آج بھی جن کی مشہور و متداول مذہبی کتب میں انکار و تحریفِ قرآن کی سینکڑوں واضح اور غیر مبہم روایات بدستور موجود ہیں ان روایات کے علی الرغم قرآن کو کامل اکمل اور غیر مبدل و غیر محرّف کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ ؎

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک!
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک!

سیّد اکبرؒ الہ آبادی

میں اس جرأت پسند صاحبان کی خدمت میں ھدیۂ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں اہلِ تشیع کے اس جرأت مندانہ اقدام کے بعد شیعہ سُنّی نزاع ختم ہو جانی چاہیئے ایک قرآنؐ پر متحد ہو جانے کے بعد باہم آویزی اور کشمکش کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی جب ہتھیار ہی ٹوٹ گئے تو لڑائی کاہے کی!

اہلِ سنت نے بارگاہِ رسالت ہی میں فاروقِ اعظمؓ کی زبانِ حق ترجمان سے اعلان کر دیا تھا۔ حسبنا کتاب اللہ!

اہلِ تشیع آج بھی فرما رہے ہیں

ع۔ آملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک!

بہرحال اب جبکہ مکتبِ فکر ایک ہے۔ نصابِ دین ایک ہے ہماری دوئی مٹ جانی چاہیئے ؎

؎ حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک!
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک!

اقبال

سوادِ اعظم کا فرض!

اہلِ تشیع نے قرآن پر اعتمادِ کامل کا اظہار کرکے مسلکِ حقہ اہلِ سنت کی صداقت و حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ اور اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب یہ سوادِ اعظم کا فرض ہے کہ وہ حقائق و معارف قرآنی سے اذہان و قلوبِ انسانی کو جگمگا دے۔

اگر اللہ تعالےٰ نے سوادِ اعظم کو ادائے فرض کی توفیق عطا فرمائی تو ملتِ اسلامیہ کی بدقسمتی سے یارانِ رسولؐ کی ذاتِ پاک اور اصحابِ ثلاثہ رضؓ کی خلافتِ حقہ سے متعلق جو غلط فہمیاں بعض شرفاء کی طرف سے پیدا کر دی گئی ہیں وہ چشم زدن میں کافور ہو جائیں گی، اور بے خبری و بے بصری کے باعث یا معاندینِ دین

ہوئے جال میں پھنس کر رفقائے نبوّت و محسنین ملت سے جو بُعد
پیدا ہو گیا تھا وہ طرفۃ العین میں دُور ہو جائے گا، انشاءاللہ!
مقدّس شخصیتوں اور متبرک خانوادوں کی محبت و عقیدت کا ریاکارانہ
ڈھنڈورہ پیٹ کر جس طرح عالم انسانیت کو نورِ ہدایت سے دُور
کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ اِن کا انکشاف اور اس قبیل
کی تمام فریب کاریوں کا پردہ چاک کر کے دُنیا کو نجومِ ہدایت سے
اکتسابِ ضیا و استحصالِ نور کی طرف متوجہ کرنا ہمارا وظیفۂ حیات ہے
اگر ربّ العزّت نے ہمیں اسرار و علومِ قرآنی کی تبلیغ و
اشاعت کی ہمّت بخشی تو دیکھتے دیکھتے دُنیا صحابۂ کرامؓ کی محبّت
و عقیدت کے انوار سے مُنوّر ہو جائے گی۔ اور آج تک یارانِ نبی
کے مبارک و مقدّس چہروں پر جو ستر و حجاب تھا نکاتِ وحی سبحانی
کی تنویر و تابانی سے وہ اُٹھ جائے گا۔ اسرار و رموز فرقانی کے
منکشف ہوتے ہی اصحابِ رسولؐ کی رعنائی و زیبائی بے حجاب
ہو جائے گی ؎

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا!
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
گزر گیا اب وہ دَورِ ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

"الاصحاب فی الکتاب" اس مسعود و میمون زمانہ کو قریب تر لانے کی ایک مخلصانہ سعی اور عاجزانہ کوشش ہے۔ اگر قادر کریم کا فضل و کرم شامل حال ہو جائے۔ تو یہ ناچیز کوشش بارآور ہو سکتی ہے۔ خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

---

(۳)

درخواستیں

آخر میں چند ضروری گزارشات ہیں:-

۱- مدارس اسلامیہ عربیہ کے ارباب اختیار سے!

؎ دوست در خواب است میخواہم کہ بیدارش کنم
بارہ غوغائے محشر کو؟ کہ در کارش کنم

عربی مدارس و جامعات کے اصحاب درس و اہتمام کی خدمت میں درخواست ہے کہ اگر وہ "الاصحاب" کو اپنے اپنے مدرسے کے نصاب تعلیم میں داخل فرمالیں تو اس سے وقت کے تقاضے پورے ہونے میں مدد ملے گی۔ مدارس عربیہ سے جو بھی فاضل حضرات

باہر آئیں گے، وہ اپنے آپ کو مسلح اغیار و مخالفین کے نرغے میں نہتا نہیں پائیں گے، ان کے ہاتھ میں کتاب وسنت کے وہ جوہر ہتھیار اور جوہری اسلحہ ہوں گے، جن سے یہ نہ صرف اعدائے دین کے جارحانہ ارتکابات کی مؤثر وکامیاب مزاحمت ومدافعت کر کے اپنے اور اپنے ہم مسلک اہلِ حق کے متاعِ ایمان کی پوری پوری حفاظت کر سکیں گے، بلکہ معاندین کے ناپاک حملوں کا ایسا دندان شکن اور منہ توڑ جواب دیں گے کہ وہ عمر بھر یاد رکھیں گے اور مرتے دم تک پھر کبھی اہلِ حق کے منہ آنے کی جرأت وجسارت نہیں کریں گے۔

مجھے توقع ہے کہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے ذمہ دار حضرات میری اس درخواست کی طرف گوشۂ چشم التفات مبذول فرمائیں گے اور "الاصحاب" کو داخلِ درس فرما کر اپنا فرض پورا کریں گے۔ اور وقت کا ساتھ دیں گے۔

؎ سبزہ بھی کلی بھی غنچے بھی موسم بھی گھٹا بھی جام بھی ہے
ایسے میں تم اے کاش آ جاؤ اے ساقی رِیں تمہارا کام بھی ہے

۲۔ مبلّغین حضرات سے!

دوسری درخواست مبلغین اسلام اور واعظین کرام سے ہے، کہ اگر وہ "الاصحاب" کے مضامین کو اپنے مواعظ حسنہ میں بیان فرمایا کریں تو جہاں وہ خود مضمون کی تیاری وتجسس کی زحمت سے بچ جائیں گے وہاں اس عاجز

یہ ان کا احسانِ عظیم ہوگا۔

کیا میرے رفقاء و شرکاءِ کار میری ذات پر اتنا احسان بھی نہیں فرمائیں گے کہ وہ خارزاروں سے چنے ہوئے میرے حسین پھولوں کے ان رنگین گلدستوں سے اپنے نہاں خانۂ دماغ کو سجا لیں، اور ان کی جاں بخش و دل نواز اور کیف انگیز و روح آفریں خوشبو سے ہوا و فضا کو مشکبار و معطر کر دیں،

؎ تیری جھلک پہ لاکھ بہاریں نثار ہوں!
جلووں سے اپنے آگ لگا دے بہاریں!

امید ہے مبلغین حضرات اتنی ذرہ نوازی اور کرم فرمائی سے دریغ نہ فرمائیں گے، اور انھیں اس میں تامل نہیں ہوگا۔

؎ اک نظر اک تبسم ایک نگاہ!
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا؟

میں نے "الاصحاب" کو "الکتاب" کی حدود سے اگر کہیں باہر نکالا ہے تو محض اسی غرض سے! صحیح تاریخی حوالوں، روح پرور ادبی چاشنی اور حیات افروز اشعار کو اسی رعایت سے "الاصحاب" میں جگہ دی ہے تاکہ اس سے ہر صحت مند ذوق کی تسکین ہو سکے، "الاصحاب" کیا ہے؟ قرآن و حکمت، حدیث و تاریخ، اور علم و ادب کے حسین امتزاج اور متناسب آمیزش کا نام "الاصحاب فی الکتاب" ہے۔

؎ تیری بہار، تیری جوانی، تیری نظر ساغر میں آگئے بادۂ گلفام ہوگئی

بادۂ "گلفام" ! جس سے ہر تشنہ کام اپنی پیاس بجھا سکے۔

؎ مزا برسات کا چاہو مری آنکھوں میں آ بیٹھو۔ سیاہی ہے، سفیدی ہے، شفق ہے، ابر باراں ہے

پھر مضامین کے تنوع کے اعتبار سے "الاصحاب" میں کیا نہیں؟

خدا کی توحید و عظمت، رسول کی سنت و سیرت اور ختم نبوت؛ صحابہؓ کا تقدس ان کا جذبۂ عشقِ نبی، بادۂ محبتِ رسولؐ سے ان کی سرمستیاں سرشاریاں ان کی دینی خدمت کے شاہکار، ان کی سرفروشیاں، ان کی جانبازیاں اولیاء اللہ کی بزرگی، ان کے تبلیغی کارنامے، اہلِ حق کی شان "الاصحاب" میں کس چیز کا سامان نہیں۔؟ ان ہی محاسن و جمالات کے مجموعۂ حسنہ و مجسمۂ جمیلہ کو "الاصحاب فی الکتاب" سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

؎ جوشِ شباب نشۂ صہبا ہجوم شوق — تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

۳- آخری درخواست

انسان خطا و نسیان کا پتلہ ہے پھر مجھے اپنی کمزوریوں کا اچھی طرح علم و احساس ہے۔ اپنی علمی تہی دامنی و بے مائیگی کو میں ہی خوب جانتا ہوں، میری ذات میں کوئی حسن و جوہر ہے نہ کوئی ہنر و خوبی!

؎ نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم — ہمہ حیرتم کہ دہقاں بہ چہ کار کشت مارا

درحقیقت مجھ میں نہ کوئی علمی استعداد و قابلیت ہے نہ عملی لیاقت و صلاحیت!

؎ گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگِ حنا تو — اے خوں شدہ دل! تو تو کسی کام نہ آیا

یہ سب اس ذات پاک ربّ العزت کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے ایک عاجز بندے سے اپنے دین کی خدمت لینی منظور فرمائی اور پھر اس کی توفیق بخشی ؎

؎ منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی — منت ازو شناس بہ خدمت بداشتت

عالمِ اسباب میں میری متاعِ گراں بہا صرف احساسِ فرض ہے اور جذبۂ شوق احساسِ فرض ہی سے مجھے یہ دشوار منزلیں طے کرنے کا حوصلہ ہوا اور جذبۂ شوق ہی سے یہ خار دار وادیاں قطع ہوئیں

؎ جلوہ کاروانِ مانیست بہ نالۂ جرس — عشق تو راہ مے برد، شوق تو زادِ مے دہد

مسافت طویل تر تھی اور منزل بعید تر، لیکن بفضلہٖ تعالیٰ مسافت طے ہو گئی اور منزل پر پہونچ ہی گئے ؎

تیزوے عشق بیں کہ دریں دشتِ بیکراں — گامے نہ رفتہ ایم و بہ پایاں رسیدہ ایم

الحمد للہ کہ شوقِ فراواں نے اس طویل مسافت کی گوناگوں صعوبتوں کو میرے لیے آسان کر دیا۔ اور آج بعونہٖ تعالیٰ اس لمبے سفر کی پہلی منزل بخیر و خوبی ختم ہو گئی ؎

؎ رہرواں را خستگی راہ نیست — عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

خستگی و اضمحلال کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اس کا احتمال ضرور ہے کہ سمندِ شوق نے کہیں ٹھوکر کھائی ہو اور میرا قدم جادۂ حق و اعتدال سے بھٹک گیا ہو، اہلِ علم و فہم اور اربابِ فکر و نظر سے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ مجھے میری لغزشوں پر عفو و درگذر سے نوازیں اور اگر تکلیف نہ ہو تو براہِ کرم میری غلطیوں اور خطاؤں سے مجھے آگاہ بھی فرما دیں تاکہ تیسری اشاعت میں اصلاح کر دی جائے

؎ آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

شَہَادَۃُ الکِتَاب

عَلٰی

اِمَامَۃِ الاَصحَابؓ

جمیع یارانِ نبیؐ کی صداقتِ ایمانی

اور

خلفائے راشدینؓ کی خلافتِ حقانی

پر

کتابُ اللہ کی شہادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

(۱)

کتابُ اللہ کی پہلی شہادت

وجودِ کتابُ اللہ!

کتاب اللہ کو کھول کر اس کی آیاتِ مبارکہ سے استدلال اور اس کے اسرار و حقائق سے استشہاد بعد میں کیا جائے گا۔ اصحابِ رسولؐ کی صداقت پہ سب سے پہلی شہادت خود کتاب اللہ کا وجود اقدس ہے۔

حضور نبی کریمؐ کے بعد

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ کتاب اللہ کا وجود (موجودہ کتابی صورت میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی حیاتِ مقدسہ میں عمل میں نہیں آیا۔ لاریب قرآن لوحِ محفوظ سے اس دنیا میں منتقل ہو آیا تھا۔ لیکن حضور کریمؐ کی رحلت سے پہلے یہ یکجا مرتب و مدوّن نہیں ہوا تھا۔ بلاشبہ یہ سینکڑوں مقدس سینوں میں محفوظ ضرور تھا لیکن یہ "سفینوں" میں مجتمعاً مکتوب نہیں تھا۔ اس میں بھی شک

نہیں کہ یہ سارے کا سارا کاغذ کے پُرزوں درخت کے پتوں اور چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہا پہ لکھا ہُوا تھا، اور خود مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے الہامی ترتیب کے ساتھ لکھوا دیا تھا[1] لیکن آج کتابی صُورت میں جو کلام اللہ ہمارے پاس موجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبز گنبد مدینہ کے اندر تشریف لے گئے اور یہ کسی کے پاس بھی موجود نہیں تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مذہب کے کسی فرد کو بھی کلام نہیں!

سیّدنا حضرت علیؓ سے پہلے

اسی طرح اس حقیقت میں بھی کسی کو تردّد و تامّل نہیں اور دُنیا کا ہر پڑھا لکھا آدمی اس امر واقعہ سے اچھی طرح باخبر ہے کہ جب سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو مشرف فرمایا تو قرآن کریم (موجُودہ کتابی صُورت میں) پُورے عالمِ اسلام میں شائع ہو چکا تھا اور ہر اسلامی ملک میں گھر گھر پہنچ گیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ پھر یہ کس نے مرتّب کیا؟ کس نے لکھوایا؟ اور کس نے جگہ جگہ پہنچایا؟

امام المرسلین سیّد الانبیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالقِ اکبر رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گئے اور قرآن کریم ابھی موجُودہ کتابی صورت میں جمع اور مرتّب بھی نہیں

---

[1] مسند امام احمد، ترمذی، ابوداؤد۔ بروایت حضرت ابن عباسؓ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب فضائل القرآن)

ہُوا تھا۔ اور جب امام المتقین سیّد الاولیاء حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تختِ خلافت پر متمکن ہُوئے تو یہ پُوری اسلامی مملکت کے طول و عرض میں اشاعت پذیر ہوچکا تھا اور ہر مسلم گھر کے اندر موجود تھا۔

قرآنِ کریم کی جمیعت و کتابت اور حفاظت و اشاعت کا فخر و شرف اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے

ظاہر ہے کہ اس کی جمیعت و ترتیب، تحریر و کتابت اور ترسیل و اشاعت کا سہرا اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مقدس سر پر ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم [1] اور حضرت عثمان ذی النورین نے اپنے عہدِ خلافت میں کتاب اللہ کی یہ

---

[1] صحیح بخاری میں ہے حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جنگِ یمامہ (کے بعد امیر المومنین) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا، جب میں ان کے پاس پہنچا، تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس موجود تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگِ یمامہ میں قرآن کے حفاظ کا بے حد قتل ہُوا (اس جنگ میں سات سو حافظ قاری شہید ہُوئے تھے) اگر (خدا نخواستہ) مختلف محاذوں پر اسی طرح قرآن کے حفاظ کا شدید قتل ہوتا رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن کا بہت سا حصّہ ضائع نہ ہوجائے، لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے (یک جا) جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں، میں نے جواب دیا جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ یہ کام بہتر ہے (اور ضروری)۔ اور یہ برابر اس عنوان پر مجھ سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا شرح صدر فرما دیا اور میں اس بارے میں ان سے متفق ہوگیا۔

زرّین خدمت انجام دی۔ رضی اللہ عنھم

جب کتاب اللہ کی موجودہ کتابی صورت عالم وجود میں لانے کا شرف اصحابِ ثلاثہ رضؓ کو حاصل ہے تو کیا اب بھی ان کی صداقت و خلافت میں شک و شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

ہاں! اس وقت تو ان کی صداقت و خلافت میں تامّل کی گنجائش ہو سکتی تھی جب خود کتاب اللہ کی صداقت میں شک و شبہ تھا۔ اور قرآن کو ناقص۔ مبدّل اور محرّف مانا جاتا تھا۔ مگر اب جبکہ موجودہ بین الدفتین کتاب اللہ کو کامل و اکمل اور غیر مبدّل و غیر محرّف کلام اللہ تسلیم کر لیا گیا ہے، اس کی ترتیب و کتابت

(اس کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا "تم جوان اور عاقل آدمی ہو اور تمہاری عدالت بھی بے داغ ہے اور تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی تھے پس تم قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو"

(حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں) پس میں نے قرآن کو تلاش کیا اور اُسے کھجور کے پتوں، سفید پتھر کے باریک ٹکڑوں اور حفاظ کے سینوں سے جمع کیا۔۔۔۔۔ یہ یک جا جمع شدہ مصحف حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کے پاس رہا۔ پھر ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس (مشکوٰۃ المصابیح کتاب فضائل القرآن)

۵۲ بخاری شریف ہی میں ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں حضرت حذیفہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے، وہ فتح آرمینیہ و آذربائیجان میں اہل عراق کے ساتھ اہل شام

بقا وحفاظت اور نشر واشاعت کا اہتمام کرنے والوں کی صداقت وخلافت میں ادنیٰ تردد وتامل کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی، اگر موجودہ قرآن پہ ہمارا ایمان ہے تو ہمارے لیے کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم اصحاب ثلاثہؓ کی صداقت وخلافت پہ ایمان نہ لائیں اور اگر تا حال ہمیں مؤلفین وناشرینِ قرآن پہ اعتبار واعتماد نہیں تو پھر ہمیں اس "صحیفہ صدیقی" و "بیاضِ عثمانی" کو بالائے طاق رکھ کر صحیح قرآن کو تلاش کرنا ہوگا، العیاذ باللہ!

کیوں؟

کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک آدمی خود تو فاسق وفاجر ہو لیکن دین

سے جنگ کر چکے تھے (میدانِ جنگ میں مختلف امصار وممالک کے باشندہ شرکائے جنگ کے) اختلاف قرأت سے انہیں خوف پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت عثمان رضؓ سے کہا امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت قرآن کریم میں یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا کرے اس کا بندوبست کریں۔ پس حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ سے وہ مصحف (بغرض نقل مستعار) منگوا بھیجا۔ ۔ ۔ چنانچہ وہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عثمان رضؓ کو بھیج دیا، اور حضرت عثمان رضؓ نے حضرت زید بن ثابت عبد اللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاص، اور عبد اللہ بن حارث رضؓ وغیرہ حفاظ وعلام وکتاب صحابہ کرامؓ کو حکم دیا اور انہوں نے (صرف لغت قریش پر) قرآن کی متعدد جلدیں لکھ دیں (اس کے بعد) حضرت عثمانؓ نے وہ مصحف مبارک حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیا اور ان لکھے ہوئے (قرآن کے) متعدد نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر ایک (اسلامی) ملک میں بھیج دیا۔ (مشکوٰۃ فضائل القرآن)

کی کوئی خدمت کر گزرے؟

ایک فاسق و فاجر دین کی کوئی خدمت کر گزرے تو گزرے لیکن ایک دشمن دین و ایمان قرآن کی کوئی خدمت کبھی نہیں کرسکتا یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے

ہمارے اس دعوے کی صداقت پہ غور و فکر کرنے سے پیشتر آپ کو کفر کی فطرت کو دیکھنا اور سمجھنا ہوگا۔

فطرتِ کُفر

۱۔ قرآن سے نفرت و بیزاری

کفر قرآن سننے کا روادار نہیں ارشاد فرماتے ہیں:—

حَتّٰی اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْئَرُوْنَ ۝ لَا تَجْئَرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝

(پارہ ۱۸ سورۂ مومنون رکوع ۴)

یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے وہ فوراً چلا اٹھیں گے۔ (ارشاد ہوگا) آج مت چلاؤ۔ یقیناً ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں ہوگی۔ (جب) تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ اسے افسانہ سمجھ کر (اس کی شان میں)

بے ہودہ بکتے تھے۔

علّام الغیوب خدا نے کفر کی فطرت کو بے نقاب فرمایا اور دُنیا کو بتلا دیا کہ کفر قرآن نہیں سُن سکتا، سرداران کفر کو تکبّر اجازت نہیں دیتا کہ وُہ قرآن پر کان دھریں وُہ تو قرآن کو قصہ کہانی سمجھ کر اس کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اُلٹے پاؤں بھاگ جاتے ہیں۔

۲۔ قرآن سے فرار

اب ذرا ان کے فرار کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو، ارشاد فرمایا:۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۙ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۭ (پارہ ۲۹۔ سُورۂ مدثر ع ۲)

پس ان کو کیا ہو گیا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے منہ موڑتے ہیں۔ گویا کہ وُہ بدکنے والے (جنگلی) گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں۔

۳۔ مُبلّغین قرآن پر حملے

کفّار قرآن سُن سُن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور حملے پر تُل جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ (پارہ ۱۷۔ سورۂ حج رکوع ۹)

اور جب ان کو ہماری آیات بیّنات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ ان کافروں کے چہروں پر بُرے آثار دیکھتے ہیں وہ (اس بات کے) قریب ہوتے ہیں کہ جو لوگ انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں اُن پر حملہ کر دیں۔

قرآن سُننے سے نہ صرف ان کا ظاہری رنگ متغیر ہو جاتا ہے بلکہ وُہ دماغی توازن بھی کھو بیٹھتے ہیں اور فرطِ غیظ و غضب سے پاگل ہو کر قرآن سنانے والوں پر حملہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

۴- قرآن کا مقاطعہ!

کفر نہ خود قرآن سُن سکتا ہے، نہ دُوسروں کو سُننے دیتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:- وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (پارہ ۲۴ سورۂ حٰم سجدہ ع ۴)

اور ان کفار نے (باہم) کہا کہ (نہ صرف) اس قرآن کو (خود) نہ سنو، بلکہ اس کے پڑھتے وقت غل غپاڑہ مچاؤ، شاید تم غالب آجاؤ۔

اشاعتِ قرآن میں کفر کی موت ہے

کفر اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہے کہ اشاعتِ قرآن میں کفر کی موت ہے، اس لیے وُہ جتن کرتا ہے کہ کسی طرح یہ دعوتِ حق، باطل کی مزاحمت سے دب جائے چنانچہ عمائدِ کفر سازشیں کرتے ہیں کہ جب داعیٔ قرآن قرآن پڑھے تو تم غل مچا دو، ہنگامہ بپا کر دو۔ نہ خود سنو نہ کسی اور کو سُننے دو۔

اگر اس تدبیر میں تم کامیاب ہو گئے، اور قرآن رک گیا تو کفر کے فتح و غلبہ کی کچھ موہوم سی امید ہو سکتی ہے، اور اگر قرآن کی دعوت عام ہو گئی، تو پھر کفر کی موت یقینی ہے۔ پھر ہم کسی طرح بچ نہیں سکتے، چنانچہ اہل مکہ نے اپنی بقا و سلامتی اور اپنے غلبہ و اقتدار کے تحفظ کے لیے قرآن کی اشاعت میں مزاحمت کی۔ طرح طرح سے قرآن کی صدائے حق کو دبانے اور نورِ حق کو باطل کی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

علمائے حق، فرنگی قہر استبداد کے شکنجے میں

نہ صرف اُس وقت بلکہ اس وقت کے اہلِ کفر و باطل کو بھی اس حقیقت کا اچھی طرح علم ہے۔ چنانچہ آج بھی کفر قرآن کو اپنی ہستی کے لیے پیغامِ موت سمجھتا ہے اور اپنی بقا و حفاظت کے لیے قرآن کو مٹانے اور حاملین قرآن کو نیست و نابود کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے

فرنگی نے اپنے دورِ اقتدار میں علمائے اسلام کو جو نشانہ جور و جفا اور ہدفِ ظلم و تشدد بنایا تو محض اسی بنا پہ ادہلی کے چاندنی چوک میں سینکڑوں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ سینکڑوں کو زندہ، خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا بیسیوں کو بعبور دریائے شور

کی سزا دی گئی، بعضوں کو جلا وطن کر کے مالٹا کے دور افتادہ جزیرے میں برسوں نظر بند اور ہزاروں کو مدتوں محبوس زنداں رکھا گیا۔ تو کس جرم کی پاداش میں؟ محض علوم قرآنی کا حامل و مبلغ اور اس امانت ربانی کا امین و محافظ ہونے کے ناقابل عفو و درگزر جرم و گناہ کی پاداش میں!

خونے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ان شہدائے حق کو جو رقصاں رقصاں تختۂ دار پر توچڑھ گئے، شاداں شاداں گولیوں کا نشانہ تو بن گئے، خنداں و فرحاں آتش سوزاں میں تو کود پڑے مگر قرآن کو نہ چھوڑا، ان خوش نصیبوں نے اپنی جان قرآن پہ قربان کر دی اور ہنستے کھیلتے!

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم!
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ان سعید فطرتوں نے انشراح صدر و انبساط خاطر سے جام شہادت نوش کر لیا مگر سرزمین ہند پہ قرآن کا علم اس طرح لہرا گئے کہ قیامت تک سرنگوں نہیں ہوگا بلکہ اس کے سایۂ رحمت تلے پاکستان ایسی دولت خدا داد وجود میں آ گئی۔

رہے نہ ہم سے جہاں میں تو کیا ہوا اے یار — تو رہ جہاں میں کہ تجھ سے جہان باقی ہے

خدا برزخ و آخرت میں ان عاشقانِ کلامِ الٰہی، ان علمائے حق پر اپنی رحمتوں کی گھٹائیں برسائے۔ جنھوں نے دل خراش مصائب جگر گداز مظالم اور جانگسل شدائد کو خندہ جبینی اور صبر و شکر سے برداشت کیا مگر قرآن کو سینے سے جُدا نہ کیا، اس امانت ربانی کی حفاظت میں سرمو غفلت نہ کی۔

؎ گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

بہرحال کفر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ قرآن کی اشاعت میں کفر کی موت ہے چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں اہلِ کفر نے اہلِ ایمان کو محض اسی بنا پر نشانۂ جور و جفا بنایا۔ مگر آہ! اس حقیقت سے اگر آج باخبر نہیں تو مسلمان!

؎ پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

۵۔ قرآن کا مقابلہ!

کفار قرآن کا مقابلہ کرتے ہیں ارشاد فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (پارہ ۲۱ سورۂ لقمان ع ۱)

اور لوگوں میں سے ایک وہ بھی ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی باتوں کا خریدار ہے تاکہ علم کے بغیر اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے۔ اور اس کی ہنسی اڑائے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے۔ گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں گویا وہ کانوں سے بہرا ہے سو اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے۔

نضر بن حارث جو مشرکین مکہ کا سردار اور کفر کا ایک بھاری ستون تھا وہ فارس سے عجمی قصے کہانیاں خرید کر لاتا۔ اور مشرکین مکہ سے کہتا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں آؤ میں تمہیں رستم و اسفندیار کے قصے سناؤں نیز اس نے ایک گانے والی لونڈی خرید رکھی تھی اس کے گانے سنا کر دنیا کو قرآن سے دور رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں اور کفر کی فطرت منکشف ہو کر دنیا کے سامنے آگئی کہ کفر قصے، کہانیوں، لہو و لعب اور رقص و سرود سے قرآن کا مقابلہ کرتا ہے۔

آج بھی جو لوگ مذہبی سٹیج پر قرآن کو چھوڑ کر قصائد و اشعار قصص و حکایات باطل امثال و روایات اور گانے وغیرہ خرافات سے کام لیتے ہیں وہ لھو الحدیث سے کتاب اللہ کا مقابلہ

کرکے درحقیقت کفر کی اسی فطرت کا مظاہرہ کرتے ہیں اللھم اعذنا منہ

۶- تغیر و تبدلِ قرآن کی سعی و کوشش

کفر قرآن کے تغیر و تبدل میں ساعی و کوشاں رہتا ہے، قولہٗ تعالےٰ:—

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ (پارہ ۱۱- سورۂ یونس ع ۲)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیات بینات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہماری ملاقات کی امید نہیں (آپ سے یوں) کہتے ہیں کہ اس کے بغیر کوئی (اور) قرآن لے آیئے یا (کم از کم) اس کو بدل دیجئے۔

اول تو یہ پورے کا پورا قرآن کفر پہ بارِ خاطر ہے، کفّار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اس کی بجائے دوسرے قرآن کا مطالبہ کرتے ہیں ورنہ کم از کم اس میں ترمیم و تبدیلی چاہتے ہیں۔ بہر حال موجودہ قرآن کا تحمل کسی طرح نہیں کر سکتے۔

۷- نبوت پر ڈورے

کفر تغیر قرآن کے جوش و انہماک میں نبوت پر ڈورے ڈالتا ہے —

ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۸)

اور بے شک وہ (کافر لوگ) قریب تھے کہ آپ کو اس چیز سے بہکا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، تاکہ آپ اس وحی کے سوا ہم پر

بہتان باندھنے لگیں اور تب وُہ آپ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے!
کفار نہ صرف آپ قرآن سے روگرداں و منحرف ہیں بلکہ خود
مہبط وحی اور حاملِ قرآن پر ڈورے ڈال رہے ہیں کہ کسی طرح
حضور صلّی اللہ علیہ وسلم وحی ربّانی میں ردّ و بدل اور تحریف و تغیّر
منظور فرما لیں، اور ان کی خاطر سے خدائے ذوالجلال پہ افتراء
کر لیں (معاذ اللہ) اپنی اس نابکار کوشش کو کامیاب کرنے کے لیئے
ہی غلامی، نیازمندی، اور اطاعت و خلّت کی پیش کش کر رہے ہیں
لیکن مرتے دم تک وُہ اپنے ان ملعون مقاصد و عزائم میں کامیاب
نہ ہو سکے۔ ؎

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے ہوتے یہی انتظار ہوتا

وَساوسِ کفر نے ہادیٔ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلم کو صراطِ حق سے
ڈگمگانے اور قرآن میں خیانت کرنے پہ آمادہ کرنے کے لیئے لاکھ
پاپڑ بیلے، کبھی عرب کی حکومت اور مال و دولت کا لالچ دیا۔ تو کبھی
حُسن و جمال کا چکمہ! مگر ؎

بر و ایں دام بر جائے دگر نہ
کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

حضور محبُوبِ خدا کسی طرح نہ ان کے ہو سکتے تھے نہ ہُوئے :—

؎ تم کسی طرح نہ ہوتے اپنے ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا!

جس طرح کفر کی فطرت قرآن سے ابا کرتی اور غیر قرآن کی محبت میں مبتلا و گرفتار رہتی ہے اسی طرح نبوت غیر قرآن کی قبولیت کا تصور نہیں کر سکتی ؎

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں غیر کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کی ہر بڑی سے بڑی منزلت اقدام پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ قرآن کے خلاف کفر کی سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں اور وہ اپنی حسرتیں دل ہی دل میں لئے ہوئے انتہائی ذلت و نامرادی کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔

ع ۔ حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے!

ان حقائقِ قرآنی و معارفِ ربانی کے پیش نظر :۔

اب سوال یہ ہے کہ جب کفر کا خمیر ہی مخالفتِ قرآن سے اٹھایا گیا ہے تو اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم قرآن کی کوئی خدمت کس طرح انجام دے سکتے ہیں۔ ؟ اگر وہ (العیاذ باللہ) دشمن دین و ایمان ہیں۔ جب کفر فطرتاً قرآن سننے کا روادار نہیں اور جب کل دشمنانِ دین :۔

ا۔ قرآن کی آواز سن پاتے ہیں بے چین ہو جاتے ہیں اور وہیں بک جھک کرتے جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔

۲- دنیا کو قرآن سننے سے روکتے ہیں اور دعوتِ حق کی مزاحمت کی سکیمیں سوچتے ہیں۔

۳- لہوالحدیث سے قرآن کا مقابلہ کرتے ہیں۔

۴- قرآن کے تغیر و تبدل کے لئے لاکھوں جتن کرتے ہیں۔

تو آج وہ کس طرح :-

۱- قرآن کی جمع و ترتیب اور تحریر و تسوید کا اہتمام کرتے ہیں ؟

۲- کتاب اللہ کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا انتظام کرتے ہیں!

۳- عالم اسلام کو قرآن پہنچاتے اور

۴- دنیا کو قرآن سناتے ہیں۔ ؟

۵- صرف دنیا کو قرآن سناتے اور پہنچاتے نہیں بلکہ دنیا میں قرآنی نظامِ حکومت قائم کرتے ہیں۔ صرف انہی حضرات کا مقدس دور اور خلافتِ راشدہ کا مبارک زمانہ ہے جس میں قرآنی نظام کو عملی طور پہ نافذ ہونے کا موقع ملا۔

جب کل وہ حاملین و ناشرینِ قرآن پہ حملہ کرنے پہ اتر آتے ہیں تو آج کس طرح خود قرآن کے حامل و ناشر بن جاتے ہیں؟

جب کل وہ قرآن کی اشاعت میں اپنی موت سمجھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کی مزاحمت اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

تو آج خود قرآن کی نشر و اشاعت کر کے کس طرح اپنی موت کا سامان کرتے ہیں۔ ؟

کیا دُنیا یہ باور کر لے گی وُہ دنیا جس کا دماغی توازن برقرار رہے کہ جب تک کفر و باطل بے بسی و بے چارگی کے عالم میں تھا تب تک تو وُہ قرآن کا ہر ممکن مقابلہ کرتا رہا، حاملین و ناشرین قرآن پر حملہ آور ہوتا رہا، اور قرآن کی اشاعت میں روڑے اٹکاتا رہا۔ مگر جب اسے اقتدار حاصل ہو گیا حکومت و خلافت مل گئی تو الٹا خود قرآن کا حامل و ناشر بن گیا اور کتاب اللہ کی حفاظت و اشاعت میں مصروف و مشغول ہو گیا، اور عین اس وقت جب جنگ یمامہ میں اچانک حفاظ و حاملین قرآن کے شدید نقصانِ جان سے اس کی بقا و حفاظت میں بظاہر اختلال کے خطرات پیدا ہو گئے تو وُہ سرکاری طور پر اس کے تحفظ کے لیے میدان میں نکل آیا[۱]

آخر جب تک دُنیا ہوش و حواس سے محروم اور عقل و خرد سے عاری نہیں ہو جاتی تب تک وُہ کیسے یہ تسلیم کر لے گی کہ جب تک کفر کو اختیار حاصل نہیں تھا تب تک تو وُہ قرآن کے تغیر و تبدل اور اس میں ترمیم و تحریف کے لیے بارگاہِ نبوت میں خلوص و نیاز اور ارادت و خلت کی پیش کش کے ساتھ عاجزانہ درخواست و التجا کرتا رہا مگر جب زمامِ کار اس کے اپنے ہاتھ میں آگئی تو الٹا اس کی حفاظت کے اہتمام میں ہمہ تن مصروف و منہمک ہو گیا، اور جب فتح آرمینیہ کے بعد اختلاف قرأت کے باعث اس میں اختلاف و اختلال کے واضح آثار رونما پیدا

---

[۱] خلافتِ صدیقی کا شاہکار (بخاری شریف بروایت زید بن ثابتؓ)

ہو گئے اور انتشار قرآت و اختلاف لغت کے پردے میں پورے قرآن کو ضائع کرنے کا بہترین موقع ہاتھ آگیا تو وہ اسے نیست و نابود کرنے کی بجائے سرکاری طور پہ اس کی حفاظت و ہم آہنگی کے لیے سرگرم عمل ہو گیا [۱]

۶- یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

کیا ایک صحیح الدماغ اور سلیم العقل انسان یہ "اعجوبہ" مان لیگا کہ انتشار و آوارگی اور مجبوری و بیچارگی کے دور میں تو کفر برابر قرآن کی صدائے حق کو دبانے کے لاکھوں جتن کرتا رہے مگر جب وہ منظم ہو جائے اور اس کی قوتیں مجتمع ہو جائیں تو وہ اپنے دور قوت و عہد حکومت میں اپنے حکم سے تراویح کا سلسلہ جاری کر دے [۲] جس کے ذریعہ سال میں کم از کم ایک دفعہ ہر خواندہ، ناخواندہ ہر عالم، غیر عالم، مسلمان کے کانوں میں قرآن کا ایک ایک لفظ پڑھ دیا جائے اور یہی سلسلہ تراویح عالم اسباب میں حفاظت قرآن کے وعدہ ربانی کی تعمیل و تکمیل کا ظاہری ذریعہ بن جائے -!

---

[۱] خلافت عثمانی کا شاہکار (بخاری شریف بروایت انس بن مالک رض)

[۲] خلافت فاروقی کا کارنامہ (صحیح بخاری بروایت عبدالرحمن بن عبد القاری و موطا امام مالک بروایت سائب بن زید (مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان)

حفاظتِ قرآن کا تاج حضرت عمرؓ کے سر پر!

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدۂ حفاظت قرآن کی تعمیل و تکمیل کا ذریعہ حضرت عمرؓ کو بنا دیا۔ اگر حضرت عمرؓ تراویح کو منظم نہ فرماتے اور مسجد میں باجماعت اس کی ادائیگی کا اہتمام نہ کرتے تو آج دوسرے صحف سماویہ کی طرح قرآن بھی محفوظ نہ رہتا، نہ نماز تراویح ہوتی۔ نہ مصلّی پر قرآن سنانا پڑتا۔ نہ کوئی قرآن سُناتا، نہ قرآن حفظ کرتا۔

حفاظتِ قرآن کا راز — تراویح!

تو درحقیقت حفاظت قرآن کا راز صلوٰۃ تراویح میں مضمر ہے

؎ سینہ میں دِل ہے، دل میں داغ، داغ میں سوز و سازِ عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں، پردہ نشین کا رازِ عشق

ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ تراویح کی سنت مؤکدہ جاری نہ فرماتے تو قرآن اذہان میں محفوظ نہ رہتا۔

جن صاحبان کو ہمارے اس دعوے سے اختلاف ہے، ہمارے اس دعوی کی دلیل وہی ہیں۔ ہمیں اپنا اس دعویٰ کی دلیل لانے کیلئے دُور جانے کی ضرورت نہیں، خود ان کا وجود ہمارے دعوے کا اٹل ثبوت ہے

؎ تم اس قدر قریب کہ دِل ہی میں مل گئے
میں جا رہا تھا دُور کا ساماں کئے ہوئے

تم اپنے قرب و جوار کو دیکھ لو، اپنے ماحول پر نظر کرو۔ تم اپنے اِردگرد

دیکھو گے تو ہمارے اس دعوے کی دلیل کو ہر جگہ موجود پاؤ گے!
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آج بھی جو لوگ تراویح پڑھتے ہیں ان کے
ہر شہر، ہر قصبہ، ہر قریہ، ہر بستی اور عموماً ہر گلی میں حافظ ہیں۔
اور بعض خوش نصیب گھر تو ایسے ہیں کہ ایک ایک گھر میں کئی کئی
حافظ ہیں، باپ ہے تو حافظ! ماں ہے تو حافظ، بیٹے ہیں تو حافظ
اور بیٹیاں ہیں تو حافظ! آٹھ آٹھ، دس دس سال کے معصوم
بچے حافظ ہیں۔

فاروقِ اعظمؓ کا احسانِ عظیم

یہ سب قدرت کی دین ہے
اور فاروقِ اعظمؓ کا احسان!

جس کے بارِ گراں سے امتِ مسلمہ قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتی
امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے کیا خوب لکھا
ہے کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین، منتِ
فاروقِ اعظمؓ در گردن اوست" [1]

؎ خارہا از اثرِ گرمیٔ رفتارم سوخت
منتے بر قدمِ راہروان است مرا

یہ جو آج آپ جگہ جگہ خورد و کلاں، مرد و عورت، امیر و فقیر
سے قرآن سن رہے ہیں۔ یہ سب حضرت عمرؓ کی فراستِ ایمانی کا
اوجِ کمال اور ان کی محبتِ قرآنی کا ایمان افروز مظاہرہ ہے:۔

؎ شمۂ از داستانِ عشقِ شور انگیز ماست!
ایں حکایت ہا، کہ از فرہاد و شیریں کردہ اند

[1] الفاروق از شبلی نعمانی حصہ دوم ص ۲۴

حفاظتِ نبوت کا تاج سرِ صدیق رضی اللہ عنہ پر

تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا شرف فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دیا جس طرح حفاظتِ نبوّت کا شرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نصیب میں مقدّر فرما دیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ محافظِ قرآن ہیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محافظِ رسولؐ! ایک صحنِ مسجد میں اصحابِ رسولؐ کو تراویح پر جمع کرکے قرآن کی بقا کا بہانہ بنتا ہے تو دوسرا کذّاب و دجّال مدعیانِ نبوّت کے مقابلے میں سینکڑوں صحابہؓ کو میدانِ جہاد میں کٹوا کر تخت و تاجِ ختمِ نبوّت کے تحفّظ کا ذریعہ بنتا ہے۔

قرآن نورِ ہدایت ہے اور محمد مصطفیٰ بھی نورِ ہدایت! کس قدر خوش نصیب و نیک بخت ہیں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما! کہ ایک نور کی بقا و حفاظت ایک کے حصّے میں آتی تو دوسرے نور کا تحفّظ دوسرے کے حصّے میں آیا اور اُن دونوں کی ہمّت سے ظلمت کدۂ دہر ہمیشہ کے لیے مطلعِ انوار بن گیا اور باغِ عالم پر بہار آگئی۔

بہاریں سمٹ آئیں، کِھل جائیں کلیاں!
جو ہم تم چمن میں کبھی مُسکرا دیں

حضور پر نبوّت ختم ہے اور قرآن پر ہدایت ختم! قیامت تک روئے زمین پر کتاب و سنت جلوہ فگن اور ضوفشاں ہے۔

جب کتاب اللہ اور رسول اللہ کی خدمت و حفاظت کا شرف اقدس صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ اور اس کی اشاعت کا شرف عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین

کے حصے میں آیا تو گویا قیامت تک ان ہی کے دم قدم سے چمنستانِ عالم گل بداماں ہے ؎

نے گویم دریں گلشن کہ ایں باغ و بہار از من
گل از یار و بہار از یار باغ از یار و یار از من

اور جب خار زارِ عالم ان ہی کے دم قدم سے گل و گلزار و سدا بہار ہے ؎

عرب از سرشکِ خونم ہمہ لالہ زار بادا
عجم رمیدہ بو را نفسم بہار بادا

تو خلافتِ ارض و امامتِ عرب و عجم کا تاج بھی ان ہی کے سر پہ سجے گا اور منبر و محراب اور مصلّیٰ و مسند پہ بلکہ حضورؐ کی جانشینی انہی کا حق ہو گی۔

؎ کبھی شاخ و سبزہ و برگ پہ کبھی غنچہ و گل و خار پہ!
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پہ

بہر حال حفاظت و اشاعتِ قرآن کا فضل و شرف اصحابِ ثلاثہ ہی کو حاصل ہے کیا اس شخص کے سوا جسے ہوش و خرد سے بیر ہو اور جو ہر وقت عقل و دانش کے پیچھے لٹھ لیے پھرتا ہو کوئی بھلا مانس یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ عمائدِ کفر عمر بھر تو قرآن کے خلاف سازشوں، کوششوں اور کاوشوں میں مشغول رہیں مگر آخر وقت وہ محافظِ قرآن بن جائیں ؎

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

آخر یہ کیسے ارباب باطل ہیں (العیاذ باللہ) کہ جب انھیں اتفاق سے اپنے عمر بھر کے ارمان نکالنے کا احسن موقع ہاتھ آیا اور کوئی مزاحمت و مدافعت کرنے والا بھی نہ تھا تو وہ قرآن کو مٹانے کی بجائے الٹا اس کی بقاو حفاظت اور تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن سرگرم عمل ہو گئے ؎۵
مومن تھا، بانی و فرامی بھی زرخیز؛ جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان
آخر ایک فاترالعقل اور مخبوط الحواس انسان کے سوا کون یہ خیال بھی دل میں لا سکتا ہے کہ ارباب باطل کی حیات تو قرآن کا مقابلہ اور کتاب اللہ کی مزاحمت میں گزر جائے مگر جب ان کی وفات کا وقت آئے تو قرآن ان کی زبان پر ہو، تلاوت قرآن پر ان کی جان نکل جائے ؎۶ ساری زندگی تو وہ قرآن کی مخالفت میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیں۔ مگر بوقت رحلت ان کا خون فسیکفیکھم اللہ پر گرے ؎۷

؎۵ فیروز نے جس کی کنیت ابو لولو تھی صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا، اور متواتر چھ وار کیے حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی (خلفائے راشدین ص۔ ۲ بحوالہ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۱)

؎۶ شہادتِ عثمانؓ:- جس دن شہادت ہونیوالی تھی، آپ روزہ سے تھے جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں، اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمانؓ جلدی کرو، تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں، بیدار ہوئے تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ "عثمان! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔۔ پھر اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن مجید کھول کر تلاوت میں

قرآن پڑھتے پڑھتے کسی کے خون سے محراب و مصلیٰ گلگوں ہو تو کسی کے خون سے قرآن کا ورق گلعذار کسی کا لہو مسجد کو لالہ زار بنادے تو کسی کا مصحف کو گل و گلزار!

۵۔ قدم قدم روش یہاں لہو وہاں لہو!
تباؤں کیا یہ حادثہ کہاں کہاں گزر گیا!

خلاصہ:۔ آیاتِ قرآنی کی شہادت ہے کہ:۔
ا۔کفر عمر بھر قرآن سے نفور و برگراں اور مفرور و روگرداں رہتا ہے

مصروف ہو گئے باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسنؓ جو دروازہ پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی ہوئے۔ چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ ...... کنانہ بن بشر نے پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے، اس وقت بھی زبان سے "بسم اللہ توکلت علی اللہ" نکلا۔ سودان بن حمران نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا، اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو زخم لگائے۔ کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ رضی نے ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں وار نے ذوالنورینؓ کی شمعِ حیات بجھادی ....
شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس خونِ ناحق نے جس آیت کو خونِ ناب کیا وہ یہ ہے فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم ("خلفائے راشدین" ص ۲۳۲ – ۲۳۶ مطبوعہ اعظم گڑھ)
(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

۲۔ باطل کی زندگی کا سرمایہ و اثاثہ ہی قرآن کا مقابلہ و مقاطعہ
اور کتاب اللہ کی مزاحمت و مخالفت ہے —— اور
ادھر :—
۱۔ خود کتاب اللہ اصحاب ثلاثہ رض کی مساعی حسنہ کا نتیجہ اور
ان کی حیات مطہرہ کا شاہکار ہے۔
۲۔ نہ صرف ان جامعین و ناشرین قرآن کی حیات مقدسہ
خدمت قرآن میں گذری، بلکہ ان کی وفات طیبہ بھی

اللہ اکبر! حضرت عمر اور حضرت عثمان رض کی کیا شان ہے کہ ان کی زندگی بھی قرآن کے لیے وقف تھی اور ان کی وفات بھی قرآن پر ہوئی۔ یہ جیتے رہے تو قرآن کے لیے۔ اور شہید ہوئے تو قرآن پڑھتے۔ ان جامعین اور ناشرین و محافظین قرآن کا حاصل عمر و اثاثہ حیات قرآن ہی قرآن ہے۔ مومن کی شان یہی ہے کہ اس کا جینا مرنا قرآن ہی کے لیے ہو۔

فرزندان علی رض پاسبان عثمان رض! امیرالمومنین کی حفاظت و پاسبانی کے لیے در عثمان رض پر صرف حضرت حسن رض ہی متعین نہیں تھے۔ بلکہ اور شہزادے بھی یہ شرف خدمت حاصل کر رہے تھے۔

حضرت علی رض نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ جنھوں نے نہایت تندہی اور جاں فشانی کے ساتھ مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اسی کش مکش میں زخمی ہوئے۔ لیکن کثیر التعداد مفسدین کو روکنا آسان نہ تھا وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے، خلیفۂ وقت

تلاوتِ قرآن پر ہوئی تو :—

قرآن کریم کی ظاہری و باطنی دوگونہ شہادت سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ صحابہ ثلاثہ رض نہ صرف رُوح و جانِ حق و ایمان ہیں۔ بلکہ ان کے دورِ خلافت میں کفر و باطل کی جان نکل گئی اس کا سرمایۂ حیات لُٹ گیا اور وہ قرآن کے خلاف عمر بھر کے ایمان اپنے دل میں لئے ہوئے ہمیشہ کے لیے زیرِ زمین دفن ہو گیا۔

کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علی رض کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے۔ اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے۔ ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی حضرت امام حسن رض اور حضرت امام حسین رض کو مارا۔ محمد بن طلحہ رض اور عبداللہ بن زبیر رض کو بُرا بھلا کہا، کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا"۔
("خلفائے راشدین" صفحہ ۲۸۸)

"سیر الصحابہ" میں ہے :—

اس مدافعت میں (حضرت حسن رض) بہت زخمی ہوئے سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا، باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمان رض کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رض کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے جوشِ غضب میں حضرت حسن رض کو طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی"۔
(سیر الصحابہ جلد ششم ص۳ بحوالہ تاریخ الخلفا سیوطی ص۱۵۹)

قابلِ غور نکات! سبحان اللہ! حضرت عثمان رض کی عظمتِ شان کے کیا کہنے

ع۔ رہی دل کی دل ہی میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

ان ناقابلِ انکار حقائق اور مسلمۃ الکل واقعات کے پیشِ نظر یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ قرآن کریم کی صحت و صداقت اور اصحابِ ثلاثہ رضہ کی صداقتِ ایمانی و خلافتِ حقانی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔
اگر (العیاذ باللہ) صحابۂ کرام خصوصًا اصحابِ ثلاثہ کی صداقت و امانت اور امامت و خلافت میں ذرا سا بھی شک و شبہ ہے

کہ حسنین رضہ کریمین اپنے والد محترم حضرت علی رضہ کے حکم سے ان کے دروازہ پہ پہرہ دے رہے ہیں، حضرت طلحہ رضہ اور حضرت زبیر رضہ سید المصحابہ رضہ کے صاحبزادگان بھی فریضۂ پاسبانی انجام دے رہے ہیں، اور اس شرف و سعادت کے حصول میں زخم اور مار کھا رہے ہیں۔
۲۔ ان حقائق و درخشندہ واقعات کے باوجود متعصب دنیا یہی بڑ ہانکے جا رہی ہے کہ اصحاب ثلاثہ رضہ اور حضرت علی رضہ میں باہم عداوت و مخاصمت تھی، کیا یہ تاریخی شہادتیں باہمی نزاع و مخالفت پر دلالت کرتی ہیں یا خلوص و محبت اور الفت و اخوت پر؟

مظلومیت و بیکسی اور استقامت و ثابت قدمی کی انتہا

حضرت عثمان رضہ اور حضرت حسین رضہ دونوں کی شہادت تاریخ اسلام کا انتہائی المناک حادثہ مظلومیت و بیکسی کی لرزہ انگیز داستان اور استقامت و ثابت قدمی کا

تو موجودہ قرآن (معاذ اللہ) نہ تو صحیح کلام اللہ رہ سکتا ہے
اور نہ ہی ردّ و بدل اور تحریف و ترمیم سے پاک! کامل و اکمل!!
قرآن کریم کلام اللہ ہے اور تغیّر و تبدّل سے یکسر پاک!
کامل و اکمل! تو اصحاب ثلاثہ رض کی صداقت و خلافت میں
ادنیٰ سے شک و شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔
چونکہ آج شیعہ سنّی سب کا ایمان ہے کہ قرآن کریم کامل و اکمل
کتاب اللہ اور غیر محرف و غیر مبدّل کلام ہے، لہٰذا اس سے

روشن ترین باب ہے، لیکن اسے تاریخ کی ستم ظریفی کہیے یا اپنا جمود و تغافل! کہ آج
دنیا امیر المومنین رض کی دردناک والم انگیز مظلومیت اور استقامت کے اس شاہکار
سے عموماً ناآشنا ہے حالانکہ :-

۱- جس طرح سیدنا حسین رض مظلوم کربلا ہیں، اسی طرح سیدنا عثمان رض مظلوم کرب و بلا ہیں،
۲- جس طرح مظلومیت حسین رض کی حد و انتہا نہیں اسی طرح مظلومیت عثمان رض
کی بھی کوئی حد و انتہا نہیں۔
۳- جس طرح حضرت حسین رض بے آب و گیاہ ویران و سنسان ریگزار میں ڈیرے
ڈال کر شہید ہوئے اسی طرح حضرت عثمان رض بھی گھر کے "ویرانے"
میں شہید ہوئے۔ جہاں ایک اہل بیت حضرت نائلہ رض کے سوا کوئی بھی ساتھی نہیں تھا
۵- ہیں بہت طرز جنوں، مجنوں نے بن کو گھر کیا : ہم نے گھر کو بن کیا، یہ اپنی اپنی رائے ہے
۴- جس طرح حضرت حسین رض وغیرہم شہدائے کربلا کو محصور کر کے شہید کیا گیا۔ اسی طرح
حضرت عثمان رض کو بھی محصور کر کے شہید کیا گیا۔

پہلے ہمیں یہ ایمان لانا پڑے گا کہ :-

جمیع صحابۂ کرام کی ایمانی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے

اور

اصحاب ثلاثہ کی خلافت، خلافتِ حقہ صادقہ راشدہ ہے

ذرا سوچو تو! اگر جامعین و ناشرین قرآن (معاذ اللہ) سچے نہیں تو قرآن کی سچائی (عیاذاً باللہ) کیسے بے داغ رہ سکتی ہے؟ اور اگر قرآن کریم سچا ہے تو جامعین و ناشرین قرآن پہلے سچے ہیں اور

جسطرح مشہور ہے کہ حضرت حسینؓ بعد دوسرے شہداء کربلا پر آب فرات بند کردیا گیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ پر بھی پانی تک بند کردیا گیا، باغیوں نے اتنی سختی سے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی۔۔۔ آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کردیا (تاریخ اسلام حصہ اول ص ۲۸۱ شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

۶۔ جس طرح حضرت حسینؓ کے سینے پر چڑھ کر شقی ازلی نے آپ کا سر مبارک واجود اقدس سے جدا کردیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے بھی سینہ پر چڑھ کر ظالم نے سر اقدس وجود اطہر سے جدا کردیا۔

۷۔ جس طرح حضرت حسینؓ قرآن پڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور ریگزار کربلا کا ذرہ ذرہ ان کے خون سے گل گوں ہوا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور رخسارِ قرآن ان کے لہو سے لالہ زار بن گیا، ان کا خون کلام المصر پر گرا اور طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگیا ۔

چونکہ ہم سب کا ایمان ہے کہ قرآن سچا ہے لہذا حضرات صدّیق و فاروق اور عثمان ذی النّورین بالیقین سچے ہیں رضی اللہ عنہم! ان کی سچائی میں کسی انسان کو تردّد و تامّل نہیں ہوسکتا۔

وُہ انسان! جس کا ایمان ہے کہ قرآن سچّا ہے

بحمداللہ وجودِ کتاب اللہ اور صداقتِ قرآن کی شہادت سے اصحابِ رسولؐ کی صداقت و خلافت ثابت ہوگئی ؛

رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ

۷۔ سر ہو قدموں پہ ترے اور قضا آجائے!
ایسے انجام سے بہتر کوئی انجام نہیں!

۸۔ جس طرح سیدنا حسین رضؓ کو شہادت کے بعد بھی معاف نہ کیا گیا۔ اور آپ کی نعش اقدس بے گور و کفن پڑی رہی ؎

سر نہ تھا، تن بھی جسم کفن پوش نہ تھا ؛ کہ سکو کہہ دو حسینؓ اب بھی سبکدوش نہ تھا

"شہادت کے دُوسرے دن شہداء کی لاشیں دفن کیں، حضرت امام حسینؓ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا" (تاریخ اسلام حصّہ اول ص ۵۸)

اسی طرح حضرت عثمان رضؓ کو بھی شہادت کے بعد معاف نہیں کیا گیا،
"مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی دوسرے دن شام کو چند آدمیوں نے تجہیز و تکفین کی ہمت کی"

(تاریخ اسلام حصّہ اول ص ۲۸۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

(۲)

کتاب اللہ کی دُوسری شہادت

صداقتِ کلام اللہ!

بفضلہٖ تعالیٰ یارانِ نبیؐ کی صداقت اور اصحابِ رسولؐ کی خلافت ارشاداتِ ربانی سے مختلف طور طریقوں اور متعدد اسلوب و انداز سے ثابت کی جائے گی، اس وقت صرف کلام اللہ کی صداقت و حقیقت سے استشہاد کیا جائے گا! (انشاء اللہ)

ا۔ کتاب اللہ، کلام اللہ ہے

یہ سولہ آنے حقیقت اور ناقابلِ انکار صداقت ہے!

مگر اس حقیقت و صداقت کا ثبوت ____ ؟

نہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا کلام ہے۔ میں نے اسے نازل کیا ہے۔ نہ جبرئیل علیہ السلام نے ہمیں بتلایا کہ یہ کلام اللہ ہے اور میں نے قلبِ رسولؐ پر اُتارا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ یہ کلام اللہ ہے صرف حدیثِ رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم!

حضورِ اکرم الصادق الامینؐ نے فرمایا کہ جو کچھ میں سُنا رہا ہوں یہ اللہ کا کلام ہے۔ دنیا نے کہا حضور! یہ کلامِ پاک یہ ارشادِ لاجواب تو آپ ہی کا ہے۔ ہم تو اسے آپ ہی سے سُن رہے ہیں۔

مگر اللہ کے سچے رسول فرماتے ہیں، نہیں بھائی! یہ سُناتو میں رہا ہوں مگر فرما وہ رہے، زبان میری ہے مگر کلام خدا کا ہے۔

اللہ اللہ! صداقتِ رسُول اور حقانیت نبیؐ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا۔؟

نادان دنیا حضورؐ کی سچائی کے ثبوت مانگتی پھرتی ہے، مگر میں کہتا ہوں اگر چشمِ بصیرت وا اور دیدۂ فکر بینا ہو تو حضورؐ کی امانت و سچائی اور للہیت و بے نفسی تو قرآن ایسے بے نظیر و معجز نظام کلام کی تنزیل کے دعویٰ کے ساتھ ہی عالم آشکار ہوگئی اور وحی ربانی۔ ------------------------------------

------------------------------------ کا پہلا جلوۂ نورانی ہی حضورؐ کے دعوے رسالت کی تصدیق کے لیئے کافی ہے،

طے میشود ایں رہ ، درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم

اگر اس کے باوجود دنیا حضورؐ کی نبوت وصداقت کے دلائل مانگتی ہے اور حقیقت رسالت تا حال اس کی نظر سے مخفی و مستور ہے تو یہ اس کے دیدۂ بے نور کا قصور ہے

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہِ دیدۂ صورت پرستِ ماست

بہرحال حضورؐ نے ارشاد فرمایا ، میرا بیان ، اللہ کا قرآن ہے. سعید و سلیم فطرت پکار اٹھی ، آمنّا و صدّقنا!
تو دلائل کی دنیا میں اس حقیقت کا ثبوت اور اس صداقت کی دلیل کہ :-

- ——قرآن کریم ، کلام الٰہی ہے
- ——صرف حدیث شریف ارشاد رسول ہے

فتنۂ انکار حدیث

انسانیت کی سب سے بڑی کمزوری و درماندگی افراط و تفریط ہے اگر ہم ماننے پر آئیں گے تو مجہول الحال اور مخبوط الحواس لوگوں کی بسر و چشم مان لیں گے ، اور انکار و انحراف پر آئیں گے تو ارشاداتِ نبوی کا انکار اور احادیث

رسول ؐ سے انحراف کرلیں گے ؎

دل نہ چاہے تو رسالت کا بھی ارشاد غلط!
من کو بھا جائے تو بھانڈوں کی خرافات بجا

تسلیم و اطاعت کی ہرجائیاں دکوچہ گردیاں اور قبول و اعتراف کی آوارہ خرامیاں وبادہ پیمائیاں ملاحظہ ہوں کہ اس زمانے کے فساق و فجار نے کلب اور ہوٹل میں شراب کے نشہ اور بھنگ کی ترنگ میں آکر جو بک دیا۔ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور جھوم جھوم جاتے ہیں لیکن قرونِ اُولیٰ کے جن قدسی صفت انسانوں نے وضو کرکے اور دو رکعت نماز پڑھ کر روضۂ رسول ؐ کے سایۂ رحمت میں حدیث پاک لکھی، ان کو دین کا دشمن جانتے اور ان کی اس مبارک جدوجہد کو قرآن کے خلاف ایک سازش مانتے ہیں ع

شعور و فکر کی یہ کافری معاذ اللہ!

میں پوچھتا ہوں اگر حدیثِ صحیح، قرآن کریم کے خلاف سازش ہے تو پھر رسالت توحید کے خلاف اور محمد رسول اللہ، لا الٰہ الا اللہ، کے خلاف کیوں سازش نہیں ہے روضۂ رسول کی چھاؤں میں مصلّی پر بیٹھ کر خیر القرون کا ایک بے نفس و پاک باز انسان اگر دین و قرآن کے

خلاف سازش کر سکتا ہے تو اس بدترین زمانے میں ایک بندۂ نفس و ہوا دہلی کے سیکریٹریٹ میں میز کرسی لگا کر اس سازش کا ارتکاب کیوں نہیں کر سکتا! عدل و قیاس کی نگاہ میں یہ زیادہ صحیح اور اقرب الی الصواب ہے کہ دوسری صدی کا محدث نہیں بلکہ چودھویں صدی کا "مسٹر" دین و قرآن کے خلاف سازش کر رہا ہے اور حمایت دین و قرآن کی آڑ لے کر! ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را می شناسم

کس درجہ ستم ظریفی ہے اور کتنا مسخرا پن! کہ قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر قرآن قرآن ہے تو حدیث بھی قرآن ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی اور اگر حدیث حدیث ہے تو قرآن بھی حدیث ہے ـــــ فبای حدیث بعدہٗ یومنون ۰

ارشاد و بیان اور نقل و روایت کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں دونوں کا مصدر و سرچشمہ نطقِ نبوت اور لسان رسالت ہے دونوں کے مخاطب سامع اور راوی ایک ہیں، صحابہ کرامؓ اور پھر تابعین عظامؒ

پھر قرآن کو مان لینا اور حدیث کا انکار کرنا کم از کم ہمارے فہم و فکر سے بالا تر ہے۔ انّ ھذا الشئی عجاب۔

قرآن اور حدیث میں فرق و امتیاز فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے! یہ تو حضورؐ کی صداقت کی دلیل اور نبوت کا ثبوت ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں، "یہ قرآن ہے اور یہ حدیث" ورنہ دنیا نے تو دونوں چیزیں حضورؐ ہی سے سُنی ہیں، سننے والوں نے حدیث سنی تو تعلق نبوت سے اور قرآن سُنا تو زبان رسالت سے!

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

نہ ہم سے خدا نے فرمایا، نہ جبرئیلؑ نے کہا کہ "یہ قرآن" ہے یہ فرمایا تو حضورؐ پاک ہی نے فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم! تو ارشاد نبی ہی سے معلوم ہوا کہ یہ ارشاد خدا ہے، یعنی حدیث شریف ہی سے دنیا کو یہ علم ہوا کہ یہ قرآن ہے۔

کس قدر احسان ناشناس اور محسن کش ہے دنیا! جو آج قرآن کی آڑ لے کر اس حدیث کے کفر و انکار پر تل گئی ہے جس حدیث نے اسے قرآن سے روشناس کیا، میں پوچھتا ہوں اگر حدیث سے انکار ہے تو

قرآن کا ثبوت ! اگر حدیث کا اعتبار نہیں تو قرآن کا کیا اعتبار؟ (العیاذ باللہ) منکرین حدیث کس منہ سے قرآن کو کتاب اللہ کہہ سکتے ہیں قرآن تو صرف انہی کے لئے کتاب اللہ ہے، جن کا ارشادات محمد رسول اللہ، پر ایمان ہے۔ اور جن کے لئے حدیث حجت ہے

مختصر یہ کہ حدیث نہ صرف خود قابل حجت ولائق اعتبار ہے بلکہ قرآن کا اعتبار بھی حدیث ہی سے ہے جو لوگ حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں وہ اگر فریب کار ہیں تو دانستہ طور پہ قرآن کو پایۂ اعتبار سے گرانا چاہتے ہیں اور انتہائی پرکاری وعیاری سے غیر محسوس طور پر رائے عامہ کو قرآن کے خلاف آمادہ ومنظم کر رہے ہیں اور اگر وہ فریب خوردہ ہیں تو نادانی سے غیر شعوری طور پر قرآن کو درجۂ اعتماد سے ساقط کر رہے ہیں، اللہ تعالےٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

تدوین وکتابت کے اعتبار سے بھی قرآن وحدیث دونوں میں مشابہت ہے اگر حدیث کی تدوین وتسوید عہد نبوی کے بعد عمل میں آئی تو قرآن بھی تو زمانہ رسالت میں یک جا تحریر اور مجتمعاً مکتوب نہیں تھا

کتابی صورت میں اس کی ترتیب وکتابت بھی تو خلافت راشدہ کا شاہکار ہے۔ اگر متفرقاً اور جزاً جزاً قرآن کی کتابت عہد نبوت میں ہوتی تھی تو اہل علم سے مخفی نہیں کہ زمانۂ رسالت میں بعض احادیث کی بھی کتابت ہوتی تھی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن وارشاد سے ہوتی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت عبداللہ بن مسعود رض، حضرت عبداللہ بن عباس رض، حضرت ابوہریرہ رض، حضرت انس رض اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایسے اجلّہ صحابہ رض سے عہد رسول میں احادیث کی کتابت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

تدوینِ حدیث دین کی بنیادیں دو ہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول! کس قدر خوش نصیب ہیں، حضرت عمر رض! کہ اگر کتاب اللہ کی جمعیت وکتابت کا خیال اللہ تعالےٰ نے ان کے قلب مبارک میں ڈالا تو سنت رسول کو جمع کرنے اور لکھنے کی تحریک قادر مطلق نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے قلب اقدس میں پیدا کی۔ چنانچہ انہوں نے اس کی کتابت کا حکم صادر فرمایا۔

عن سعد بن ابراهيم قال امرنا عمر بن عبدالعزيز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفترا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفترا۔ سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز

نے ہم کو احادیث جمع کرنے کا حکم دیا ہم نے دفتر کے دفتر لکھے عمر نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی ایک دفتر بھیج دیا[1]
آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنے قاضی ابوبکرؒ بن محمد کو جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث تھے لکھا:—

"انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے قلم بند کر لو۔ کیوں کہ مجھے آئندہ علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے[2]

سبحان اللہ! وحدتِ عمل کے ساتھ ساتھ وحدتِ فکر ملاحظہ ہو، حضرت ابوبکرؓ کو جمع قرآن کی تحریک کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے الفاظ:—

وانی اخشیٰ ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن۔

اگر مختلف محاذوں پر اسی طرح حفاظ کا شاید قتل ہوتا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبیؒ جلد ۱ ص ۱۰۶، جامع بیان العلم علامہ ابن عبدالبرؒ ص ۷۶ سیرۃ النبی از علامہ شبلیؒ حصہ اول ص ۱۷۔ [2] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم و مؤطا امام مالکؒ کتاب العلم۔

رہا تو مجھے قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اور گورنر مدینہ ابوبکر رح کو کتابت حدیث کا حکم دیتے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے الفاظ نانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء) مجھے آئندہ علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے کو ساتھ ساتھ رکھ کر دیکھو گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ ان دونوں کا منشاء و مصدر ایک ہی دل و دماغ ہے۔ فکر و نظر ایک ہے صرف تعبیر جدا جدا ہے ؂

نہیں ہے قلب و نظر میں ذرا تغیر بھی!
بدل گئی ہے فقط قیل و قال کی دنیا!

پھر تعبیر میں بھی تشابہ و یک رنگی موجود ہے کیوں نہ ہو، گو عمر رض دو ہیں مگر ان کے قلوب میں تحریک پیدا کرنے والا خدا تو ایک ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون، کے وعدہ ربانی نے اگر ما نزل علی محمد کی ایک جز وحی جلی کو محفوظ کرنے کے لئے عمر اول کا انتخاب کیا رضی اللہ عنہ! تو ما نزل علی محمد کی دوسری جز وحی خفی کو محفوظ کرنے کے لئے عمر ثانی کو منتخب فرمایا رحمہ اللہ!

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم،

قرآن کی معنوی حفاظت

اس طرح قرآن کی ظاہری حفاظت کے ساتھ قرآن کی
معنوی حفاظت کا بھی سامان ہوگیا اور وعدۂ حفاظت کی
تکمیل ہوگئی، کیونکہ وعدۂ حفاظتِ قرآن سے مقصود وعدۂ
حفاظتِ دین ہے اور یہ ظاہر ہے کہ محض الفاظ قرآنی کی
حفاظت سے حفاظتِ دین کا مقصد و منشاء پورا نہ ہوتا،
بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ کتب الٰہیہ کی ظاہری حفاظت
کے ساتھ اگر معنوی تحریف کا دروازہ کھلا رہے تو دین کا
نام ونشان مٹ جاتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب
محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دین متین کو قیامت تک
محفوظ رکھنا ہے۔ لہٰذا قرآن کے الفاظ کی ظاہری حفاظت کے
ساتھ احادیثِ رسولؐ کی حفاظت کے سامان بھی پیدا
فرمادئے اور اس طرح قرآن کریم کی معنوی تحریف کا دروازہ
ہمیشہ کے لئے بند کردیا حدیثِ رسولؐ کی موجودگی میں
کوئی ملحد و زندیق قرآن کی معنوی تحریف کے ارتکاب کی
جرأت و جسارت نہیں کرسکتا، اور اپنی ہوا و ہوس ۔۔۔۔۔۔
کے مطابق الفاظ قرآنی کو جامۂ معانی نہیں پہنا سکتا، امیرالمومنین
حضرت عمرؓ نے کیا خوب فرمایا ہے سیاتی ناس یجادلونکم

بشبہات القرآن فخذوھم بالسنن فان اصحٰب السنن اعلم بکتاب اللہ (رواہ الدارمی)

عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کی غلط تاویل کرکے تم سے جھگڑا کریں گے تم سنت (حدیث) کی روشنی میں ان کا تعاقب کرنا۔ کیونکہ اصحاب حدیث، کتاب اللہ کو بہتر سمجھتے ہیں۔

حدیث قرآن کا معنیٰ و مطلب متعین کرتی ہے۔ امیرالمومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ ہے کہ کلام اللہ کی صحیح مراد حدیثِ رسول متعین کرتی ہے، یہی معنیٰ ہے اسلاف کے اس کلام کا کہ حدیث، قرآن پر قاضی ہے چنانچہ حضرت یحیٰ بن کثیرؒ کا قول ہے۔ السنۃ قاضیۃ علی القرآن (سنن دارمی ص ۷۷) اگر حامل وحی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک قرآن پاک کا مطلب و مفہوم بہتر سمجھتے ہیں تو حدیثِ رسول اللہ سے بہتر مطالب قرآن کا ترجمان اور کوئی نہیں۔ اور اس حقیقت پر اجماع امت ہے۔ چنانچہ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں اجتمعت الامۃ علی ان السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ۔ امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ حدیث کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ یعنی قرآن کے معنیٰ و مطلب کا صحیح تعین اگر کرتی ہے تو حدیث

اورکتاب اللہ کا صحیح مفہوم بیان کرتی ہے تو سنتِ رسول!
بہر حال الذکر کے دونوں شعبوں کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ
کو جمع کرنے اور ان کی کتابت و حفاظت کا شرف ایک
ہی خاندان[1] کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، رب العزت نے
کتاب اللہ کی حفاظت کی تحریک اگر قلبِ عمر اول میں فرمائی
تو سنت رسول اللہ کی حفاظت کی تحریک قلبِ عمر ثانی میں!
رضی اللہ عنہما، اور پھر عجیب اتفاق ہے کہ عمرین نے کتابتِ
قرآن و کتابتِ حدیث کے لئے کہا تو ابوبکرین سے! کتابت
و حفاظت قرآن کا شرف اگر حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ کو
حاصل ہوا تو کتابت و حفاظتِ حدیث کا شرف ابوبکر
بن محمد کو! رضی اللہ عنہم!

حدیث دین کے خلاف سازش ہے یا انکارِ حدیث -؟!

بادۂ عصیاں سے دامن تر بتر ہے شیخ کا!
پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاحِ دو عالم ہم سے ہے

قرآن علم ہے اور سنت عمل! قرآن قول ہے اور سنت فعل!
کتاب اللہ ارشاد ہے اور سنت رسولؐ اس کی تعمیل!

---

[1] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عاصمؓ کے نواسے تھے، ("الفاروق" از شبلی نعمانی حصہ دوم ص ۶۶۹)

آیاتِ قرآنی الفاظ ربانی ہیں اور احادیث کریمہ اعمال نبویہ بالفاظ واقوال میں تحریف وتاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن اعمال وافعال میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں نکالی جا سکتی۔ مثلاً

صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا تبریک تمجید اور تزکیہ وغیرہ[1] ہیں کوئی ضال اور مضل کہہ سکتا ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ کے معنی ہیں دعا مانگا کرو نماز کی ضرورت نہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بتلا دیا کہ اقیموا الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مراد نماز کی عبادت مخصوصہ ہے، لہٰذا اب کوئی بھلا آدمی دعا مانگ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے صلوٰۃ ادا کی ہے۔

تو سنتِ رسولؐ نے ارشاد خداوندی اور الفاظ قرآنی کی مراد متعین کردی۔

ختم نبوت کے معنی اجرائے نبوت

اسی طرح کوئی مرتد وکذاب ارشاد قرآنی خاتم النبیین کی تاویل کرکے ختم نبوت کے معنی حقیقت کے سولہ[2] آنے خلاف اجرائے نبوت کر سکتا تھا اور عہد حاضر کے بعض "شرفاء" نے یہی معنی کئے اور حضورؐ کی مہر اپنے اوپر لگوا کر[2] خود نبی ہونے کا

---

[1] والصلوٰۃ قال کثیر من اہل اللغۃ الدعاء والتبریک والتمجید (المفردات راغب اصفہانی)، [2] اللہ جل شانہ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم

دعویٰ کیا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصرِ نبوّت کی مثال بیان فرما کر اپنے آپ کو اس قصر کی آخری اینٹ قرار دیا اور فرما دیا و انا خاتم النبیین[1]، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انا خاتم النبیین کے ساتھ لانبی بعدی بھی[2] فرما دیا تو اب جو بھی خاتم النبیین سے "اپنی مہر سے نبوّت جاری کرنیوالے"

بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے، اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے (حقیقۃ الوحی ص۹۶ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی) اب چھوٹے میاں کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ بڑے میاں بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ "مجھے افسوس آتا ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بھی کہتے ہیں۔ وہ خاتم یعنی مہر ہی کیا ہوئی جو کسی کاغذ پر نہ لگی اور نہ اس نے کسی کاغذ کی تصدیق کی اسی طرح نبی کریم خاتم النبیین کیا ہوئے جب کسی انسان پر آپ کی نبوت کی مہر نہ لگی۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوا اگر آپ کی امت میں کوئی نبی نہیں ہے تو آپ خاتم النبیین بھی نہیں ہیں (خطبہ میاں محمود احمد مندرجہ "الفضل" ۱۰ جون ۱۹۱۵ء)

[1] رواہ الشیخان و احمد والنسائی والترمذی، رواہ ابن عساکر کما فی کنز العمال (ترجمان السنۃ ج ۳ ص۱۷) [2] رواہ مسلم (ایضاً ص۱۴)

مراد لے کر اپنی نبوّت کا ادعائے باطل کرے گا، سمجھ لو اس کا دماغ خراب ہے اور وہ کذّاب و دجّال ہے۔

غرض قول و کلام میں تاویل و تحریف کی گنجائش ہے اور الفاظ میں حقیقت و مجاز عموم و خصوص کے سو احتمالات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن عمل میں نہ تو تاویل و تحریف کی گنجائش ہے اور نہ احتمالات کا کوئی امکان و احتمال! لہٰذا شریعتِ مطہرہ کی صحیح شکل و صورت سامنے آئے گی تو سنّتِ رسول کے آئینہ مصفّیٰ و متجلّی میں! اور دینِ فطرت کے صحیح خدوخال اگر نظر آئیں گے تو احادیث نبویّہ کی روشنی میں!

چونکہ اسلام کے خطوط و نقوش اور اطراف و حدود حضور کے اسوۂ حسنہ کی تنویر و تابانی سے قائم و متعین ہوتے ہیں اور اعدائے دین کے لئے دین کا حلیہ بگاڑنے اور شریعت مقدسہ کا مُثلہ کرنے کی کوئی شکل باقی نہیں رہتی اس لئے وہ حدیث کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اور جو لوگ دین کے خلاف سازشیں کرتے ہیں پہلے وہ حدیث شریف کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اپنے ایمان سوز منصوبوں کی کامیابی کے خواب دیکھتے ہیں، لیکن اُن کے یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے، انشاء اللہ!

ؔ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

تو انکارِ حدیث دین کو "عجمی سازشوں" کی آماجگاہ بننے سے بچانے کی کوئی مستحسن خدمت نہیں بلکہ یہ خود دین کے خلاف مکروہ و ملعون "عجمی سازش" ہے، جو انشاءاللہ کبھی کامیاب نہیں ہوگی، اور دوسرے بڑے بڑے فتنوں کی طرح ایک دن ختم ہو کر رہ جائے گی۔

دشمنانِ حق اپنے ناپاک عزائم و مقاصد اور ایمان سوز منصوبوں اور سازشوں میں نہ پہلے کامیاب ہوئے ہیں، اور نہ انشاءاللہ اب ہوں گے ؎

مری شاخِ گلشنِ آرزو، ہوئی کچھ نہ واقفِ رنگ و بو
نہ پھل اس میں کوئی کبھی لگا، نہ کلی کھلی، نہ ہری رہی

ایک لطیفہ۔ پھر یہ لطیفہ شنیدنی اور یہ تماشہ بھی دیدنی ہے کہ امام المرسلینؐ کی تو نہ سنو! اور ان شریفوں کی سنو!

• —— حدیث شریف کو حجت نہ مانو!
• —— کیوں؟ خدا نے فرمایا ہے؟
• —— نہیں! میں کہتا ہوں!

یعنی رسولِ خدا کے ارشاد گرامی کو تو حجت نہ مانو، اور ان کے

"ارشاد" کو حجت مانو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو نہ سنو! اور ان کی سنو!

ستم ظریفی کی حد اور مسخراپن کی انتہا ہو گئی،

احادیث ناقابلِ اعتبار ہیں، انہیں معاذ اللہ ردّی میں پھینک دو[1]

ان میں ہزلیات ہیں[2]۔ یہ لہو الحدیث ہیں[3]، یہ مداری کی پٹاری

ہیں[4]۔ اس لغویت سے اپنے گھروں کو پاک کرو[5]

---

[1] دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں (اعجاز احمدی ص۳۰ از مرزا قادیانی)

[2] فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات ہزلیات اور دور از کار اور بے سروپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت بدنما بناتی ہیں (برہان ص۱۹ از عبد اللہ چکڑالوی)

[3] سب کی سب احادیث دین اسلام کے بارہ میں جو مروی ہیں وہ ہر ایک لہو الحدیث میں ہی داخل ہیں (مناظرہ ص۱۹ از مولوی عبد اللہ چکڑالوی)

[4] "دو اسلام" ص۳۰ از پروفیسر غلام جیلانی صاحب برق

[5] آپ صرف ایک بخاری شریف ہی کو لیں۔ ... آپ اپنے گھر کو اس لغویت سے پاک کیجئے (طلوع اسلام کراچی جون ۱۹۵۰ء از مسٹر غلام احمد پرویز)۔ یہ تمام حوالے "ضرورت حدیث" از حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے نقل کئے گئے ہیں۔ بخاری

اور ان شریفوں کی خرافات واباطیل سر آنکھوں پر رکھو،
اِنّا لِلّٰہ! ؎

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خرمے بینم

طرفہ تماشہ! یہ طرفہ تماشہ ملاحظہ ہو کہ ازیں قسم مجموعۂ
خرافات تو "طلوعِ اسلام" کہلائے اور حدیث رسول ﷺ
سے دینِ رسول ﷺ کا سورج غروب ہو۔ اِنّا لِلّٰہ! ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے!

بہرحال یہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ
کلام اللہ ہے۔

اجماعِ امت!

مگر اب سوال یہ ہے کہ اس بات کا
کیا ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب اللہ
یہ قرآن کریم، واقعی کلام اللہ ہے، وہی کلام اللہ جو حضور صلعم
پر نازل ہوا اور جو حضور نے دنیا کو سُنایا؟ صلے اللہ
علیہ وسلم!

اس بات کا ثبوت ہے ہم سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ پاک تک، ہر زمانے میں ہزاروں نہیں لاکھوں
مسلمانوں کی متواتر و مسلسل شہادت! تاریخ کے ہر دور میں
لاکھوں مسلمانوں نے اپنے آبا و اساتذہ سے بالمشافہ اس

کلام مقدس کا لفظ لفظ پڑھ سن کر محفوظ رکھا اور آنے
والی نسل تک اس امانت کو پہنچایا، قرآن کریم کا ہر حرف
تواتر و تسلسل سے ہم تک پہنچا۔ اور دورِ صحابہ رض سے لے کر
اس زمانہ تک پوری امت اس بات پر متفق و متحد رہی
کہ اس کتاب مقدس کا لفظ لفظ منزل من اللہ ہے،

اجماعِ امت حجت ہے

اصطلاحِ شریعت میں اسے
اجماعِ امت کہا جاتا ہے

تو اجماعِ امت ہی سے ثابت ہوا کہ یہ جو امانت ہمارے
سینوں اور ”سفینوں“ میں موجود و محفوظ ہے یہ کلام اللہ ہے
بعض شرفار تو ارشادِ رسولؐ کا اعتبار نہیں کرتے
اور حدیث کو حجت نہیں مانتے مگر حقیقت یہ ہے کہ
حدیث تو حدیث ! اجماعِ امت کی حجیت کے آگے سرِ تسلیم
خم کرنے سے مفر نہیں اگر اجماعِ امت کا اعتبار نہ کیا جائے
تو قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا ثبوت ——؟
گویہ اجماع، امت کے ہر دور کا ملحوظ و مرعی ہوگا۔ کیونکہ
اگر درمیان میں سے کسی زمانہ میں بھی یہ تواتر و تسلسل ٹوٹ
جائے تو پھر نہ تو یہ تواتر تواتر رہے گا اور نہ یہ اجماع، اجماع!
تو گو ضابطہ کے طور پہ ہر دور کے اجماعِ امت کی ضرورت
مساوی ہے اور ہر عہد کا اجماعِ امت بلحاظ حکم برابر ہے،

لیکن دورِ صحابہ رض کی حیثیت اس اجماعِ امت میں بنیادی درجہ رکھتی ہے، اس کی اہمیت و اوّلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور اسی دور کی صحتِ شہادت پہ آنے والے ہر دور کی صحتِ شہادت کا انحصار ہے۔ کیوں کہ یہی وہ خوش نصیب و خوش بخت لوگ ہیں جنہوں نے براہِ راست مہبطِ وحی سے وحیِ ربانی کو سنا۔ اور مدت العمر چشمِ ساقی سے بادۂ جمال پیتے رہے۔

یوں تو میخانے میں جو ہے مست بے مدہوش ہے
آنکھ ساقی کی ملے جس سے وہی مے نوش ہے

اب اگر (العیاذ باللہ) صحابہ کرام رض کی صداقتِ ایمانی اور اصحابِ ثلاثہ رض کی خلافتِ حقانی ہی مجروح و معلول ہے تو دورِ صحابہ رض کا کیا اعتبار؟ اور جب دورِ صحابہؓ کی امانت و صداقت ہی سے امن و اعتماد اُٹھ گیا تو دورِ تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے اجماعِ امت کا کیا اعتماد؟ اور جب دورِ اوّل ہی کے اجماعِ امت کا یہ حال ہے تو بعد کے ادوار کا کیا اعتبار؟ جب سلسلہ کی پہلی کڑی ہی موجود نہیں تو سلسلہ کہاں باقی رہا؟ اور جب تواتر و تسلسل نہ رہا تو اجماعِ امت کہاں رہا؟ اور جب اجماعِ امت ہی ثابت نہیں تو قرآن کیسے قرآن رہ سکتا ہے؟ العیاذ باللہ!

ؔ عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجاب محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلیٰ بھی گئی

تو قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انحصار عہد اول (دور صحابہؓ) کی اجماعی عدالت و ایمانی صداقت پر ہے۔ چونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم، کلام اللہ ہے۔ لہٰذا اصحابؓ رسولؐ کی صداقت و خلافت میں کسی مسلمان کو بھی شک و شبہ باقی نہ رہا وہ مسلمان! جس کا قرآن پر ایمان ہے۔ بحمداللہ قرآن کی صداقت و حقانیت سے صحابہ کرام کی صداقت وحقانیت ثابت ہو گئی، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

اجماعِ امّت سے خلافت راشدہ کا ثبوت!

جب بفضلہ تعالےٰ قرآن کریم کی شہادت سے صحابہؓ کی صداقت ثابت ہو گئی، تو اب اصحاب ثلاثہؓ کی خلافت راشدہ میں بھی کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔ کیونکہ یہی صحابہ کرامؓ ہی تو ہیں جو قصر خلافت کے عمائد و ارکان بلکہ بانی و معمار ہیں ان ہی نے متفقہ طور پر حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذی النورین کے مبارک و مقدس ہاتھ پر بیعت کی اور ان ہی کے اجماع سے یکے بعد دیگرے اصحاب ثلاثہ کی خلافت منعقد ہوئی۔ رضی اللہ عنہم!

جب ان اصحابؓ رسولؐ کے اجماع سے قرآن کریم کی صداقت ثابت ہو گئی تو خلافت راشدہ کی صداقت کیسے ثابت نہ ہوگی۔ جب ان کے اتفاق رائے سے قرآن کا کلام اللہ ہونا ثابت ہو گیا تو اصحاب ثلاثہ رضؓ کا خلیفہؓ برحق اور جانشین رسولؐ ہونا کیسے ثابت نہ ہوگا۔؟

اور اگر ان کے اجماع و اتفاق کے باوجود اصحاب ثلاثہ رضؓ کی خلافت وحقانیت سے انکار و انحراف ہے تو قرآن پر ایمان لانے کے کیا معنیٰ؟ پھر قرآن کے کلام اللہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ جبکہ دونوں کے مصدق ایک ہیں۔

اگر ان کے اجماع سے قرآن کی صداقت ثابت ہو سکتی ہے، تو اصحاب ثلاثہ رضؓ کی خلافت بھی ثابت ہے اور اگر ان کے اتفاق رائے کے باوجود خلافت اصحاب ثلاثہ رضؓ ثابت نہیں تو پھر قرآن کی صداقت کا بھی کوئی اور ثبوت تلاش کرنا ہوگا۔ (معاذ اللہ)

چند قابلِ توجہ نکات

نکتہ ۱ تماشہ ملاحظہ ہو کہ اگر ایک کتاب پر اجماع صحابہ رضؓ منعقد ہو جائے تو وہ کتاب اللہ مانی جائے۔ لیکن اگر انہی صحابہ کرام رضؓ کا اجماع حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ کی خلافت وامامت پر ہو جائے تو وہ نہ مانی جائے اجماعِ صحابہ رضؓ قرآن کو

تو قرآن ٹھہرا سکتا ہے۔ لیکن خلفائے راشدین کو خلیفہ وامام نہیں بنا سکتا۔ اگر جمیع صحابہ رضؓ زبان سے قرآن کو قرآن کہہ دیں تو قرآن قرآن ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہی جمیع صحابہ رضؓ بشمول حضرت علی رضؓ۔ حضرت صدیق رضؓ وفاروق رضؓ و ذوالنورین رضؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ان کی بیعت کرلیں تو وہ خلیفۂ راشد وعادل نہیں بن سکتے۔

نکتہ ۲ ایک اور طرفہ تماشہ بھی دیکھ لیجئے کہ جو صداقت صحابہ رضؓ، صداقت کتاب اللہ کا ثبوت واحد ہو وہی صداقت صحابہ رضؓ انسانی کتابوں دو ورقہ رسالوں اور بازاری چیتھڑوں سے مجروح بلکہ معدوم ہو جائے، خیر القرون ——— دور صحابہ رضؓ ——— کی جس صداقت وامانت پر کلام اللہ کی صداقت کا مدار ہو، شر القرون عہد حاضر کے جہاّل و فساق کی بے سروپا خرافات اور خانہ ساز روایات وحکایات اور بے اصل و بے بنیاد تحریریں اس صداقت وامانت صحابہ کرام رضؓ کا معیار بن جائیں اور جن قدسیوں کے دم سے دنیا کو قرآن ملا۔ ان کے ایمان پہ جرح کریں۔ انا للہ!

سُن لو اور خوب یاد رکھو! کہ معیار صحابہ کرام رضؓ کی

ذات اقدس ہے کسی چیز کا صدق وکذب اس کسوٹی پر جانچا جائے گا۔ ہر شے کو ان کے ترازو میں تولا جائے گا نہ کہ کوئی کتاب صحابہ کرام رض کے صدق وکذب کی معیار ہے اور انسانی کلام وکتاب کی کسوٹی پران حضرات کو کسا اور پرکھا جائے گا۔ کبھی نہ بھولئے گا کہ جو کتاب اصحاب رض رسول ص کی عظمت وشان بیان کرے گی وہ سر آنکھوں پر رکھی جائے گی، اور جس سے ان قدوسیوں کی توہین وتنقیص ہوگی وہ دیوار پر مار یا گندی نالی میں ڈال دی جائے گی۔ ؎

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

وہی کتاب کتاب ہے اور لائق عزّ واحترام! جس میں اصحاب رض رسول ص کی عظمتِ شان کا بیان ہو جس میں ان پر طعن وتشنیع ہو وہ کتاب کہاں؟ وہ تو ایندھن ہے۔ ؎

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
منّتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

جس کتاب میں یاران رض رسول ص کے لئے عزّت وعظمت کا کوئی مقام نہیں، مسلمان کو اس سے کیا کام؟ ؎

دل اس لئے ہے دوست کہ دل میں ہے جائے دوست
جب یہ نہ ہو، بغل میں ہے دشمن بجائے دوست

نکتہ ۳۱ کلام ربانی اور آسمانی کتاب کی تصدیق تو اجماع صحابہ رض سے بجا! لیکن ایک جمہوری منصب، عوامی خدمت، اور ارضی خلافت کا فیصلہ اجماع صحابہ رض سے، غلط!

اگر زعم باطل کے موافق خلیفہ، مامور من اللہ اور خلافت، آسمانی منصب ہو بھی! تو کیا قرآن، کلام اللہ اور منزل من السماء نہیں — ؟

قرآن کلام ربانی اور وحی آسمانی ہے۔ لیکن زمین پر اس کے کلام اللہ ہونے کی دلیل واحد اجماع امت ہے گو قرآن کی شان یہ ہے کہ خواہ اسے کوئی مانے یا نہ مانے، یہ بہر حال کلام اللہ ہے۔ اگر ایک فرد انسانی بھی اس کی تصدیق نہ کرے تو بھی یہ کتاب اللہ ہے۔ لیکن دلیل کی دنیا میں ہر دور کے ہزاروں سچے مسلمانوں کی شہادت ہی اسے کلام اللہ ٹھہرائے گی۔ ایک سیکنڈ کے لئے اگر خلافت کو بھی منصوص من اللہ تسلیم کر لیا جائے تو بھی زمین پر اس کا فیصلہ اجماع امت ہی سے ہوگا۔ خلیفہ اگر آسمان پر مامور من اللہ ہوگا تو بھی زمین پر صحابہ کرام رض ہی اس کی بیعت د

"دستگیری" کرکے اسے خلیفہ بنائیں گے۔ جب تک اہل زمین اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسے خلیفہ نہیں بنائیں گے، خواہ آسمانوں پر اسے لاکھ خلیفہ بنادیا جائے وہ زمین پر کبھی خلیفہ نہیں ہوسکے گا۔ جس طرح (معاذاللہ) آسمانوں[1] پر محمدی بیگم کا نکاح مرزا غلام احمد سے پڑھا گیا[2] لیکن زمین پر وہ عمر بھر مرزا سلطان محمد کے گھر انڈے بچے دیتی رہی۔

نکتہ ۲۲ پھر یہ تماشہ بھی دیدنی ہے کہ اس دور چودھویں صدی کے بدترین دور کے اجماع امت سے تو قرآن کا کلام اللہ ہونا ثابت ہوجائے مگر صحابہ رضؓ کے عہد و قرن، خیرالقرون کا اجماع امت اصحابِ ثلاثہ رضؓ کی خلافت بھی ثابت نہ کرسکے۔ ہم گئے گذرے لوگ اگر مجتمع ہوجائیں[3] تو قرآن کی صداقت د

---

[1] الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت (محمدی بیگم) کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے (حقیقۃ الوحی تتمہ ص ۱۳۲ مرزا غلام احمد قادیانی)

[2] زوجنا کہا۔ ترجمہ:- ہم نے تیرے ساتھ (محمدی بیگم کا) نکاح کردیا۔ (انجام آتھم ص ۶۰ - ۶۱)

[3] یہ حقیقت مستحضر رہے کہ تواتر کے لئے اجماع امت شرط ہے عصر حاضر کا اجماع ثابت نہ ہو تو تواتر متحقق نہیں ہوگا۔

حقانیت کا ثبوت بن جائیں لیکن وہ خوش قسمت و
نیک نصیب لوگ جو عمر بھر خم خانۂ رسالت میں چشم ہائے
نبوت کے رحمت آگیں پیمانوں سے ایمان افروز و
رُوح آفریں بادۂ وصال پیتے رہے ؎

کسی کی چشم میگوں سے ہے میری بادہ آشامی
کسی کے روئے روشن سے مری روشن خیالی ہے

ان بادہ نوشانِ جمالِ رسالت و میگساران تجلیات
نبوت کا اجماع، اصحابِ ثلاثہ رضہ کی صداقت و خلافت
کا ثبوت بھی نہ بن سکے، ان ھٰذا الا شیٔ عجیب۔ ؎

کسی کی شام بھی رشکِ سحر ہے سُنتے ہیں
ہماری صبح بھی صورت طرازِ شام ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

(۳)
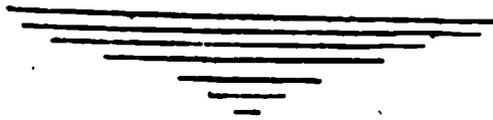
کتاب اللہ کی تیسری شہادت

صحابۂ کرام کا مقام

؎ نمیگویم دریں گلشن کہ ایں باغ بہار از من　　گل از یار و بہار از یار و باغ از یار و یار از من

(۱)

مقام صحابہ کرام عقل و منطق کی روشنی میں

مثبت طور پر کتاب اللہ قرآن کریم کے نور میں صحابہ کرام رض کا مقام متعین کرنے سے پہلے غیر موزوں نہ ہوگا اگر عقلی نقطۂ نظر اور منطقی زاویۂ نگاہ سے اس عنوان کے منفی پہلو پر مختصر سی عادلانہ بحث کرلی جائے۔

معیار رسالت | سوال عام اصحاب و افراد کا نہیں،

اصحابِؓ رسولؐ کا ہے جو اثمار و نتائج نبوت ہیں اور دلائل و شواہد رسالت! اگر ان کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر نہیں تو رسولِ پاک کی نبوت و رسالت سے امن و اعتماد اٹھ جائے گا، یارانِ نبیؐ کی امانت و دیانت مجروح و مفلوج ہو جانے کی صورت میں خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صداقت مشکوک و مشتبہ ہو جائے گی، معاذ اللہ!

ع ہم جو بہکیں تو چھلک جائیں ترے جام و سبو
تو نے سمجھا نہیں رندوں کا مقام اے ساقی

اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو دنیا نبیؐ اور رسولؐ کی صداقت کا فیصلہ اس کے اصحابؓ و احباب سے کرے گی، کیونکہ شجر رسالت کے گلہائے رنگین و ثمرات شیریں اصحاب و احبابِ رسولؐ ہی ہیں۔ اگر ان میں نور نہیں، اگر یہ حسن ہی حسن اور جمال ہی جمال نہیں تو مدعی نبوت و رسالت، نبی اور رسول نہیں، اور اگر وہ نبی اور رسول ہے تو اس کے یاروں، دوستوں، رفیقوں، اور ساتھیوں کی عظمت و تقدیس اور نورانیت و تطہیر میں کلام نہیں!

آفتابِ ہدایت کی عالم افروزیاں

اگر یہ ممکن نہیں کہ طلوع شمس کے

بعد دھرتی پر ظلمت کا وجود باقی رہے۔ اگر آفتاب
عالمتاب کی پہلی شعاع نور کے ساتھ دنیا کا ہر گوشہ منور
ہو جاتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سراج منیر نبوت بھی
دنیا پر چمکے اور دھرتی پر نور بھی نہ ہو۔ آفتاب رسالت
بھی ضیا پاشی کرے، اور ظلمت بھی باقی رہے، ننھے ننھے
تارے تو کالی کالی رات کو روشن کر دیں، چاند کے نور سے
تو ظلمت کافور ہو جائے لیکن قمر نبوت سے دنیا منور نہ ہو
یہ کیسے ممکن ہے۔؟ اگر ایسا حادثہ رونما ہو جائے کہ چاند
تاروں کی چاندنی چھٹکی ہوئی ہو، لیکن دھرتی پر تاریکی
ہی تاریکی چھائی ہو، یا قمر و انجم کا وجود ہی بے نور ہو تو
بتلائیے! دنیا ان چاند تاروں میں کیا دلچسپی لے سکتی
ہے؟

دکھا سکیں جو نہ راہ منزل میں ان اشاروں کو کیا کروں گا؟
جو خود ہوں محروم روشنی سے میں چاند تاروں کو کیا کروں گا؟

چراغ خود روشن ہوتا ہے تو کوٹھڑی کمرے کو بھی روشن
کر دیتا ہے، بجلی کا قمقمہ نور سے منور ہوتا ہے تو کوٹھی بنگلے
کو بھی جگمگا دیتا ہے۔ چاند تارے خود نور ہوتے ہیں تو کالی
رات کو بھی بقعۂ نور بنا دیتے ہیں سورج کرۂ نور ہے تو
دھرتی پر ظلمت کا نام و نشان بھی نہیں چھوڑتا، پھر یہ کیسے

مان لیا جائے کہ نبی خود تو نور ہے سراپا نور، لیکن اس کا ماحول منور نہیں، رسول خود تو مصدرِ انوار ہے لیکن اس کا اپنا گھر اپنا بستر اپنی مسجد، اپنی مسند اپنی غار اور اپنی مزار معاذ اللہ محروم نور ہی نہیں ظلمت سے بھرپور بھی ہے۔ دنیا تو دنیا! اس کے اپنے داماد، اپنے سسرال، اپنی آل اور اپنے اصحاب رض بھی نور ایمان سے منور نہیں!

العیاذ باللہ،

اگر حقیقت یہی ہے (عیاذاً باللہ) تو دنیا اس نبوت پر کبھی ایمان نہیں لا سکتی، دنیا اس رسالت کو قطعاً نہیں مان سکتی، جو اپنوں کو بھی متاعِ ایمان سے بہرہ ور اور اپنے اصحابؓ واحباب خویش واقربا کو بھی نورِ ایمان سے منور نہ کر سکے، دنیا تو اس نورِ نبوت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے گی جس کی چمک دمک سے ظلمتِ کفر ہٹ جائے اور ظلم کی تاریکی مٹ جائے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ حضور کی تشریف ارزانی سے تیرہ و تار دنیا رشکِ طور ہو گئی ؎

ترے نقشِ قدم کے نور سے دنیا ہوئی روشن
ترے مہرِ کرم نے بخشی ہر ذرّے کو تابانی

کمال یا تنقیص؟

ے سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے ؟! اقبالؔ

اگر حضورؐ اپنی ساری نبوی زندگی میں دو چار اشخاص کو مسلمان بناتے ہیں اور دنیا کی ہدایت و قیادت اور انسانیت کی امامت و امارت کے لئے ایک ہی ذات کو تیار فرماتے ہیں اور وُہ بھی اپنے عم زاد بھائی کو! تو ذرا سوچو تو! اس میں نبوّت کا کمال ہے یا (معاذاللہ) تنقیص -؟ اپنوں کو تو سب اپناتے ہیں، کمال تو تب ہے کہ بیگانوں کو اپنایا جائے۔

ے بہاریں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے!
مزا تو تب ہے خزاں میں بہار پیدا کر!

نبوّت اغیار کو سینے سے لگاتی ہے اور اپنا بنا لیتی ہے ے

ایسی آنکھوں کے تصدق میری آنکھیں بیدم
کہ جنہیں آتا ہے اغیار کو اپنا کرنا

اپنے عزیز و قریب کو آغوشِ تربیت میں کون نہیں پالتا! لیکن ابرِ رحمت تو اپنے پرائے آشنا ناآشنا سب پر یکساں برستا ہے ے

جب ان کا بحرِ رحمت موجزن ہو
تو پھر ناآشنا کیا، آشنا کیا

عرب و عجم، حبش و روم ہر جگہ سے بادہ نوش خم خانۂ رسالت سے

اپنی پیاس بجھانے آئے مگر کسی کا لب بھی تو تر نہ ہوا ؎

دور سے آئے تھے ساقی اس کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے ہیں ایک پیمانے کو ہم

حالانکہ حضور کی شان یہ ہے کہ جو بھی تشنہ لب آیا، سیراب ہو گیا اور ساقئ کوثر کا چشمۂ خیر کثیر لبالب ہے ؎

نشاطِ بادہ پرستاں بہ منتہیٰ برسید
ہنوز ساقئ ما بادہ در سبو دارد

تعجب کی کوئی حد ہے نہ تحیّر کی انتہا! کہ آنے کو تو اطراف و اکناف عالم سے ہزاروں لاکھوں پروانے آئے اور آج تک برابر آ رہے ہیں ؎

ابھی تک دیدۂ نرگس کی حیرانی نہیں جاتی — زمانہ ہو گیا گزرے ہوئے ان کو گلستاں سے
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی — چلے آتے ہیں بڑھ بڑھ کر گرے جاتے ہیں مر مر کر

مگر معاذ اللہ! امن و سکونِ خاطر کسی کو بھی نصیب نہ ہو سکا ؎

یہ کیا کہ اک جہاں کو کرو وقفِ اضطراب
یہ کیا کہ ایک دل کو شکیبا نہ کر سکو

صحابۂ کرام کا قصور؟

اگر (معاذ اللہ) یہ تصور وہم نہیں حقیقت ہے تو پھر اس میں صحابہ کرام کا کیا قصور؟ ان کا "قصور" اگر ہے تو یہی کہ انہوں نے ہر

عزیز سے عزیز رشتہ توڑا اور اپنے آپ کو ذاتِ اقدس سے جوڑا، صلی اللہ علیہ وسلم! وطن چھوڑا، اہل و عیال، اعزہ و اقارب سب کو خیرباد کہا۔ ہر متاعِ عزیز کو حضورؐ کے مبارک قدموں پر قربان کر دیا۔ حتیٰ کہ حضرات صدیق رضؓ و فاروق رضؓ نے تو اپنی اپنی لختِ جگر اور نورِ نظر حضورؐ کی نذر کر دی۔ اس کے بعد بھی اگر (العیاذ باللہ) انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا اور محبوبِ خدا نہیں ملتا۔

تو اس میں ان کی کیا تقصیر ——— ؟ ؎

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر　　　میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

اگر یہ شمعِ نبوت کے پروانے نہ ہوتے، تمام عمر حضورؐ کی محبت میں نہ رہتے کفار و منافقین کی طرح دور دور اور بیزار و نفور رہتے تو ان کا قصور تھا، لیکن اب جب کہ انہوں نے اپنی ساری کائنات حضورؐ کے قدموں پر نچھاور کر دی اور اپنی عمر معیتِ رسولؐ میں بسر کر ڈالی تو اب کیسے ان کو موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ ؟ ؎

آئینۂ ما، روئے شما، عکس پذیر است
گر تو نہ نمائی، گنہ از جانبِ ما نیست

بفرضِ محال اگر ان میں کچھ فتور و قصور تھا بھی! تو حضورؐ کا فیضانِ صحبت اور نورِ نبوت ان کا قصور و فتور دور اور

ان کی ظلمت کا نور کر کے ان کو پُر نور کیوں نہ کر سکا؟ ؎

میں، اور ان کی بزم سے، یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا؟

اگر صحابہؓ مومن نہیں تو پھر کوئی بھی مومن نہیں

پھر یہ بھی یقین کر لو، کہ اگر ان پروانگانِ شمع رسالت کو نور نبوت سے کچھ نہیں ملتا، ان تشنگانِ بادہ توحید کو میخانۂ رسالت سے کوئی جرعہ نصیب نہیں ہوتا، ایک قطرہ تک نہیں ملتا، تو پھر قیامت تک کسی کو کچھ مل ہی نہیں سکتا! ؎

منکر نتواں گشت اگر دام زنم از عشق
ایں نشہ بہ من گر نہ بود، بادگرے ہست!

جن عشاق نے محبوبِ ہر دوسرا کے لئے دنیا ومافیہا تج دی جب حضورؐ معاذ اللہ ان کے نہیں بنے تو دنیا میں کسی اور کے کیا بنیں گے، کیا یہ ماننے کی بات ہے کہ ؎

ساری دنیا کے ہوں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

العیاذ باللہ اگر حضور محمد مصطفےٰؐ حضرات صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمانؓ ذوالنورین کو مسلمان نہیں بناتے اور نور ایمان سے

ان کے قلوب کو نہیں جگمگاتے تو پھر معاذ اللہ کسی کو بھی مسلمان نہیں بنا سکتے ؎

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا؟ — غالب

تقیہ پھر جن کو خمخانۂ نبوت سے بادۂ ایمان ملتا بھی ہے، ان کا یہ حال ہے کہ وہ مست و مخمور ہیں اور سرشار و مدہوش! وہ بڑی سے بڑی مشکل، کڑی سے کڑی مصیبت اور کٹھن سے کٹھن منزل میں بھی کسی کا ساتھ نہیں دیتے! ؎

چمک سکیں نہ شبِ غم میں جو وہ تارے کیا — جو ساتھ چھوڑ دیں طوفاں میں وہ سہارے کیا
سفینہ کیا جو نہ طوفاں سے لے سکے ٹکر — بھرم جو کھول نہ دیں موج کا، کنارے کیا

مگر جو خود اپنا ساتھ نہیں دے سکے۔ وہ کسی اور کا کیا ساتھ دیتے، وہ کسی غیر کی خبر کیا لیتے انہیں تو خود اپنی خبر نہیں ؎

بل نکالیں گے وہ کیا خاک! مری قسمت کے
اپنی زلفوں کے تو بل ان سے نکالے نہ گئے

وہ نشۂ تقیہ میں کچھ ایسے کھوئے گئے کہ انہیں اپنی سدھ بدھ نہ رہی وہ کسی اور کی کیا خبر لیں گے؟ جو خود علیل و سقیم ہوں وہ کسی اور کا کیا علاج کر پائیں گے ؎

کرنے آئے تھے وہ مری آشفتہ حالی کا علاج — اپنے جو بکھرے ہوئے گیسو بنا سکتے نہیں

آخر یہ کیسے معالج ہیں جو اپنی دوا دارو بھی نہیں کر سکتے ؎

آپ سے اپنا مداوی بھی نہیں ہو سکتا!
کیسے عیسیٰ ہو کہ جب دیکھو ہیں بیمار آنکھیں

تو اصحاب رض تشنہ کام و تشنہ لب! اور آل رض یلے خود و مست الست (العیاذ باللہ) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساقیٔ کوثر ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ؟

؎ جاں بلب پیاس سے کوئی، کوئی بدمستی سے
کیا یہی مے ہے تری آب بقا اے ساقی

بہرحال میخانۂ رسالت سے جو بھی نکلا معاذاللہ "پریشان" ؎

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

اگر آل رض و اصحاب رض کا یہی حال اور تعلیم و تربیتِ رسول ص کا یہی مآل ہے تو معاذاللہ حضور ص کا کمال؟ ؎

بلبل ہمہ تن خوں شد و گل ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این ست بہارے!

اسلام کا ماضی اگر تامل و تردد اور بحث و کلام ہے تو اصحابِ رسول ص کے ایمان اور یارانِ نبی ص کے اسلام میں ہے۔ ہمارے ایمان و اسلام میں تو کوئی کلام نہیں ہم تو سولہ آنے مومن اور کھرے مسلمان ہیں۔

ایمان اور اسلام ماں کے پیٹ سے ساتھ آتا ہے نہ آسمان سے برستا ہے، یہ سیکھنے کی چیز ہے اور کسی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کرنے سے ملتا ہے۔ ہمارا سلسلۂ ایمان ہماری ذات، ہمارے آبا و اجداد رح، ہمارے اساتذہ کرام رح اور مرشدین حق رح سے شروع ہو کر حضرات تابعین کرام رض پر منتہی ہوتا ہے، ہم نے دین اپنے والدین، اپنے استادوں اور اپنے مرشدوں سے سیکھا انہوں نے اپنے والدین اپنے استادوں، اور اپنے مرشدوں سے! ؎

اسی طرح سے رہا ہے یہ سلسلہ جاری
کہ ہم نشیں کو یہ تعلیم ہم نشیں سے ملی

حتیٰ کہ ہم نے نسلاً بعد نسل ایمان سیکھا حضرات تبع تابعین رح سے! انہوں نے سیکھا حضرات تابعین رض سے۔! اب تابعین کہاں جائیں؟

حضور م گنبد خضریٰ میں آرام فرما ہیں، اصحاب رض رسول م (العیاذ باللہ)

ع "او خویشتن گم است" کا مصداق ہیں، رہے حضرت علی رض! انہیں تقیہ اعلائے کلمۃ الحق کی اجازت نہیں دیتا، اب ہمیں بتلایا جائے کہ دنیا کو دین و ایمان ملے تو کہاں سے؟ اور متلاشیانِ حق جائیں تو کدھر؟

؎ خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری!
اقبالؔ

جو حضرات مسند و منبرِ رسولؐ پر جلوہ فگن اور کرسئ اقتدار و حکومت پر متمکن نظر آتے ہیں وہ (معاذ اللہ) غارت گرانِ متاعِ ایمان ہیں، اور جو محافظ دین و ایمان ہیں وہ نظر نہیں آتے ؎

جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے جو ہے اپنا نظر نہیں آتا

اب سوال یہ ہے کہ اہل ایمان جائیں تو کہاں اور دنیا متاعِ ایمان لے تو کس سے؟

خلاصہ! اگر یارانِ رضؓ نبیؐ معاذ اللہ سچے اور مخلص مومن نہیں العیاذ باللہ دشمن دین و ایمان ہیں اور حضرت علیؓ تقیہ فرما ہیں تو دنیا میں کسی کو کہیں سے ایمان مل سکتا ہے نہ ملا ہے۔ نہ آج تک کوئی مسلمان ہو سکتا ہے نہ ہوا ہے۔ عیاذاً باللہ!

اور اگر آج ماشاء اللہ ساری دنیا میں اسلام ہی اسلام ہے اور حضورؐ کے بعد سے آج تک دنیا کے گوشہ گوشہ میں قرناً بعد قرنٍ کروڑوں مسلمان آباد رہے ہیں، اور عرب و عجم کا چپہ چپہ نورِ اسلام سے روشن و درخشاں رہا ہے، تو یہ ساری درخشندگی و تابندگی اصحابِ رسولؐ ہی کے دم قدم سے ہے

اور باغِ عالم کی بہار ان ہی کے وجود باوجود سے !

جب یہ حقیقت ہے تو یارانِ نبیؐ کی صداقت و امانت اور خلافت و امامت میں تردد و تامل کے کیا معنی؟

گلشن میں ہے بہار مدامن کلی کلی — اب بھی تجھے "نسیم سحر" سے ملال کیوں؟
ہر شے سے پھوٹ نکلے طرب رنگئ بہار — صحن چمن میں سبزہ ہے پائمال کیوں؟

حال اور مستقبل

پھر اسلام کے درخشاں ماضی ہی کا نہیں فروزاں حال اور روشن مستقبل کا مدار بھی صحابہ کرام رضؓ کی ذاتِ پاک پر ہے، اگر معلم کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست آیاتِ ربانی سن کر اور برسوں قرآن و حکمت کی تعلیم پا کر اور مدت العمر حضورؐ کے فیضانِ صحبت سے مشرف اور نورِ معیت سے منور ہونے کے باوصف لاکھوں انسانوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ پاسکا، قرآن کی بلاواسطہ تعلیم اور نبی کی ذاتی تربیت اگر کسی انسان میں کوئی صالح انقلاب برپا نہ کرسکی تو آج دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ مقدسہ اور کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ قرآنی کی تلاوت سے ایمان و ہدایت کیسے حاصل کرسکتی ہے۔ ؟

سالہا سال تک سفر و حضر میں شب و روز اپنی آنکھوں کے پیمانوں سے بادۂ حسن و جمال مصطفےٰ کے خم کے خم

لنڈھانے والوں اور مدتوں ساقی کوثر کی ایک ایک محبوب
ادا کو قلوب میں جذب کرنے والوں پر بھی دین کی سرمستی
کا کوئی کیف و اثر نظر نہیں آتا ہے

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنج خمارِ ما!
چہ قیامتے کہ نمے رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما۔ مرزا بیدل

تو آج کون بن دیکھے حضور کی غلامی کا طوق زیبِ گلو کر سکتا ہے
اور کس توقع پر کسی مبلغ کی دعوتِ حق قبول کر سکتا ہے۔

تو جس طرح آغازِ اسلام اور دعوتِ حق کے ابتدائی
دور میں اشاعتِ اسلام کا دار و مدار اصحابِ رسول کی ذات
پر تھا آج بھی دعوتِ اسلام و تبلیغ دین کی کامیابی کا انحصار
ان نفوسِ قدسیہ کی ذاتِ پاک پر ہے، رضی اللہ عنہم اجمعین،
اسلام کا ماضی حال اور مستقبل ہر زمانہ صحابہ کرام رض کے
دامن سے وابستہ ہے۔ اور تاریخ کے ہر دور میں اہل اسلام
پر یاران رض نبی کا احسان عظیم رہا ہے جس کے بارِ گراں سے
ملتِ اسلامیہ قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

قانونِ قدرت

قدرت کا قانون اور فطرت کا اصول
ہے کہ ہر چیز کی بنیاد مضبوط و مستحکم
ہوتی ہے اور اس کی مضبوطی و استحکام پر ساری چیز کا دار و
مدار ہوتا ہے۔ مثلاً درخت کی جڑ مضبوط و مستحکم ہوتی ہے،

تنا موٹا ہوتا ہے۔ تب کمزور ٹہنیاں اور شاخیں ہری بھری رہتی ہیں۔ اور نرم و نازک برگ وبار سرسبز وشاداب رہتے ہیں۔ لیکن ——— بزعم باطل ——— اسلام کا درخت ایک ایسا درخت ہے کہ اصولِ فطرت کے سولہ آنے برعکس اور قانونِ قدرت کے بخطِ مستقیم خلاف اس کے پھول پتے تو موٹے تازے ہیں لیکن تنا نرم و نازک اور جڑیں بالکل بودی۔

تقریباً چودہ سو سال کے بعد ہم تو مومن ہیں کھرے مومن! لیکن یارانِ رسولؐ ...... جب قرنِ اول میں ایمانی زندگی میں کوئی رمق باقی نہیں رہی تو آج کیا باقی رہ سکتی ہے؟ اور قیامت تک اسلام کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ دریا موجزن ہوتا ہے اس سے بڑی بڑی نہریں نکلتی ہیں، نہروں سے ندی، نالے بھرا جاتا ہے، تب جاکر کھیت پانی پہنچتا ہے۔ اور فصلیں لہلہاتی ہیں دریا میں تو خاک اڑ رہی ہو، لیکن کھیت سرسبز و شاداب ہوں اور گل و گلزار! یہ منظر چشم فلک نے عالم تصور میں دیکھا ہو تو دیکھا ہو عالم وجود میں ناممکن ہے۔

معاذ اللہ، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے رحمت اور چشمۂ فیض میں ریت ہی ریت ہے اور کسی پیاسے کا

لب تک تر نہیں ہو سکتا ؎

بیخودؔ کے لب بھی تر نہ ہوئے وقتِ میکشی
آلودۂ شراب گریبان ہی رہا

تو قیامت تک دُنیا کیونکر سیراب وشاداب ہوگی؟
جب چشمے خشک ہیں۔ جب نہروں میں پانی کا قطرہ تک نہیں تو کھیتوں میں تری اور فصلیں ہری بھری کہاں سے ہوں گی۔؟

آج چودہ سو سال بعد لق ودق صحراؤں، بے آب و گیاہ ریگزاروں، اور سنسان میدانوں میں لہلہاتی فصلیں دیکھنے کے تمنائیو! اور مخملی کھیتوں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے خواہش مندو! پہلے تمہیں نہروں کو پانی سے لبریز کرنا ہوگا، ندی نالوں کو بہانا ہوگا، پھر تمہارے عزائم کی تعمیل ممکن ہوگی، اور جب تک سرچشمے خشک ہیں، نہریں پانی سے خالی ہیں، تمہاری امیدیں کبھی پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔

ختم نبوّت

؎ اگرچہ میکدہ سے اُٹھ کے چل دیا ساقی
وُہ مے وہ خم وہ صراحی وہ جام باقی ہے

ختم نبوت اسلام کا بنیادی مسئلہ اور ملت کا مرکزی نقطہ ہے

اس کے معنی یہ ہیں کہ ملت اسلامیہ کو اب قیامت تک کسی اور چشمۂ فیض و مصدرِ خیر کی ضرورت نہیں، رہتی دنیا تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبع رحمت کافی ہے، ساقیٔ کوثر کا حوضِ کوثر دنیا تو دنیا محشر میں بھی خشک اور ختم نہیں ہوگا۔ اور حضورؐ بروزِ حشر بھی اپنے غلاموں کو جامِ کوثر پلائیں گے۔

امت محمدیہ کا ایمان ہے کہ حضور صرف نبی نہیں، بلکہ خاتم الانبیاء، متمم انعام ربانی اور مکمل قصر رسالت ہیں۔

دعویٰ تو یہ! لیکن حال یہ ہے کہ قیامت کے دن، قیامت سے پیشتر، اس وقت تو بجائے خود! خود عہد رسالت میں اس دریائے رحمت و چشمۂ خیر و برکت سے کسی کو کوئی قطرہ ملا، نہ کسی کا حلق تر ہوا۔ العیاذ باللہ! ؎

ہوں جس کی بہاریں بھی ہم آغوشِ خزاں سے!
تم اس چمنستان میں بقا ڈھونڈ رہے ہو

ختم نبوت کا دعوےٰ! اور یارانِ نبی پر عدم اعتماد! یہ دو متضاد امر ہیں۔ اگر ختم نبوت کا دعویٰ صحیح ہے تو پھر صحابہؓ کرام تو کجا قیامت تک دنیا کے ہر دور میں اہل حق کی معتد بہ جماعت کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو اسلام کی امین و محافظ اور معلم و مبلغ ہو، ورنہ ہدایت کی متلاشی دنیا دربدر کی ٹھوکریں

کھائے گی، جگہ جگہ پر جبینِ نیاز جھکائے گی، اور اس کی یہی جبیں سائی
کسی بت کو "خدا" بنا دے گی ؎

اللہ کے کچھ بندے معبود ہی بن بیٹھے!
لوگوں میں نظر آئی جب خوئے جبیں سائی

اور اگر صحابۂ کرام رض حضور ص کے سچے جانشیں اور سچے وارث
نہیں تو پھر ختم نبوت کا عقیدہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ
حضرات اسلام کے عامل و مبلغ نہیں تو اسلام کی تعلیم و
تربیت کے لئے کسی اور نبی کو آنا ہوگا۔

اگر خدا فہم و بصیرت عطا فرمائے تو ختم نبوت کے معنی
ہی ہیں:-

صحابۂ کرام رض کی ذات پر اعتماد کامل! ختم نبوت اور صداقت
و امامتِ اصحاب رض، یہ دو مترادف الفاظ ہیں، یہ دونو
ایسی لازم ملزوم حقیقتیں ہیں جنہیں ایک دوسرے سے
جُدا نہیں کیا جا سکتا!

لاریب اہل دنیا کو رہتی دنیا تک ہدایت کی ضرورت
ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے رحمت معاذاللہ
خشک ہے تو دنیا کی سیرابی کا کوئی اور انتظام کرو۔
یا دنیا ہی کو ختم کر دو۔ اگر اسے ختم کرنا تمہارے بس کی
بات نہیں تو اس کی ہدایت کے لئے دو ہی صورتیں ممکن ہیں،

یا تو نئی "نبوتوں" کو جنم دینا ہو گا۔
یا حضور خاتم النبیین ؐ کی ہدایتِ ابدیہ پر اعتماد کرنا ہو گا۔
اگر تم فرنگی کی ساختہ پرداختہ اور اعدائے دین کی کاشتہ داشتہ قسم کی "نبوتوں" کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ حضورؐ کی نبوت و رسالت میں اشرتعہ نے یہ وسعت اور طاقت ودیعت فرمادی ہے کہ یہ قیامت تک قائم رہے گی۔ بحرِ رحمت رحمتِ عالم ؐ حشر و نشر تک متواج و متلاطم رہے گا اور جب اختتام عالم اور انتہائے دنیا پر بحر رحمت میں طوفان و تلاطم کا یہ عالم ہے تو آغازِ نبوت اور ابتدائے رسالت میں اس کا کیا حال ہو گا؟ جب ندی نالوں اور راجباہوں میں فلک پیما لہریں اٹھ رہی ہوں تو دریائے رحمت کی متواجی کا کیا عالم ہو گا؟ جب پھول پتوں کی سرسبزی و تری کا یہ حال ہے تو تنے کی مضبوطی اور جڑوں کے استحکام کا خود اندازہ کر لو! ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

اعتبارِ قرآن

اصحابِ رسول ؐ صرف اثمار و نتائجِ نبوت ہی نہیں، وحیِ ربانی کے مخاطبین اول بھی ہیں۔ جب کلامِ الٰہی کے مخاطبین اول کا صدق و یقین

غیر متزلزل اور ایمان اٹل نہیں تو بعد میں آنے والوں کا کیا حال ہوگا۔؟

جب مہبطِ وحی کی زبان مبارک سے بلا واسطہ قرآن پاک سننے والوں کا دامن سیرت و کردار داغدار ہے تو آج کسی کی زبان سے قرآن سن کر کوئی کیا پا سکتا ہے؟ اور قرآن کریم کی اعجازی شان و انقلابی قوت کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے۔؟ العیاذ باللہ!

ان حقائق کے پیشِ نظر صحابۂ کرام رض کے مسئلہ کو عام افراد و اشخاص کا مسئلہ ٹھہرا کر اس کا استخفاف نہیں کیا جا سکتا، اور اس کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جا سکتا۔

اصحابِ رسول قطعاً عام افراد و اشخاص نہیں اصحابِ رسول معیارِ رسالت، مدارِ ختم نبوت، اعتبارِ قرآن، اساسِ ایمان، دعوت و تبلیغ دین کی روح و جان اور اسلام کے ماضی و حال اور مستقبل کی شان ہیں۔ رضی اللہ عنہم!

~~ نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
میں اس میخانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں

صحابۂ کرام رض آخر کیا تھے ؟ (۲)

رب العزت ضد و تعصب اور عناد و عداوت کے

صدمہ سے چشم بصیرت کو بے نور نہ کرے، متعصب انسان واضح سے واضح حقائق اور ٹھوس منطقی نتائج کا احساس و ادراک نہیں کر سکتا،

یاران رسول کی ذات پاک سے خدا واسطے کے بغض وعناد اور فی سبیل اللہ فساد کے جذبہ وجوش سے مجبور و مغلوب ہو کر اگر کوئی اصحابؓ رسول کی اس شان کو تسلیم نہ کرے جو قابلِ انکار دلائل سے بیان کی گئی ہے، تو

سوال یہ ہے کہ آخر صحابہ رضؓ کرام کیا تھے۔؟

اگر وہ روح اسلام اور جانِ ایمان نہیں تو ——
خواہ حزبِ اختلاف ہی میں سہی —— اُن کے لئے
کوئی جگہ تو متعین کرو۔

مخالفین اصحابِ رسول اور بد اندیشانِ یارانِ نبیؐ کی ذہنی پریشانیوں، اور فکری انتشار کا تماشہ بھی دیدنی ہے کہ وہ مل کر آج تک صحابہ کرام رضؓ کے لئے کوئی واحد مقام متعین نہ کر سکے ؛

عناد و اعراض عن الحق اور فساد و قساوت قلبی کے تین مظہر ہیں:-
کفرؔ —— نفاقؔ —— ارتدادؔ !

کافر نہیں تھے

صحابہ کرام کو کافر تو کوئی کافر بھی نہیں کہے گا، جب انہوں نے کلمۂ طیبہ

پڑھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی قبول کر لی تو اب وہ کافر تو کسی طرح بھی نہ رہے۔ تسلیم وانقیاد کے بعد اب کفر و انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ بہرحال مسلمان تو ہو گئے، اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تسلیم وسرفگندگی مبنی علی الاخلاص نہیں تھی اور وہ حالات سے مجبور ہو کر ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کا دل مطمئن اور قلب مومن نہیں تھا ؎

دلوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا پیدا
بدل گئی ہے مگر قیل وقال کی دنیا

تو:

۱۔ اوّل تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کی مکی زندگی میں جو — سراپا درماندگی وبے بسی، عجز وبے کسی بلکہ مظلومیت ومصیبت کی زندگی ہے — وہ کون سے حالات تھے جن کے پیش نظر یہ حضرات ظاہری تسلیم وغلامی پر مجبور ہو گئے تھے۔؟

۲۔ دوسرے ہمیں بتلایا جائے کہ کیا یہ حالات صرف ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعبدالرحمٰنؓ بن عوف اور طلحہؓ وزبیرؓ وغیرہم اصحابِ رسولؐ ہی کے لئے تھے یا ابوجہل وابولہب عتبہ اور امیہ بن خلف ونضر بن حارث اعدائے رسولؐ کے لئے بھی۔؟

اگر سرداران قریش و مشرکین مکہ حضورؐ کی عداوت و مخالفت پر ڈٹ کر جی سکتے ہیں، صرف جی نہیں سکتے، بلکہ برابر مسند غلبہ و اقتدار پر برقرار رہ سکتے ہیں تو اصحابِ رسول حضرت مہاجرین کیوں حضورؐ کی غلامی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔؟

۳۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ جن حالات سے مجبور ہو کر انہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا کیا وہ "حالات" قبول اسلام کے بعد پہلے سے بہتر ہو گئے یا بدتر۔؟

یقیناً بدتر ہو گئے، پہلے یہ بات نہیں تھی ؎

فصل خزاں تلک تو میں ایسا نہ تھا خراب گرد
مجھ کو جنون ہو گیا موسم گل میں کیا ہوا؟

کیا پہلے بھی انہیں انواع و اقسام کے مظالم و شدائد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔؟ کیا ان حضرات کو گھر بار، مال و متاع، اہل و عیال خویش و اقربا اور وطن عزیز کو قبول اسلام سے پہلے چھوڑنا پڑا تھا۔ یا بعد میں۔؟

بالیقین اظہار اسلام سے بیشتر یہ حالات نہ تھے:۔

حضورؐ کی غلامی سے پہلے گزارا تو ہو رہا تھا حضورؐ کی غلامی کے بعد تو مکے میں گزارے کی کوئی صورت باقی نہ رہی ؎

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن   رات کٹتی نظر نہیں آتی
خواجہ اثرؔ

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ؎

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی　　ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی

تو پھر اس "ظاہری" اسلام سے حاصل ؟

۴۔ پھر اگر اس "افسانہ" کو حقیقت مان بھی لیا جائے اور ایک سیکنڈ کے لئے باور کر بھی لیا جائے کہ ان حضرات نے کسی مجبوری یا مصلحت سے سرِ تسلیم خم کیا تھا۔ دلی طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا تو بھی یہ حضرات کافر نہ رہے، اس صورت میں انہیں منافق کہا جائے گا۔ معاذ اللہ!

منافق بھی نہ تھے

۱۔ منافقت کے محرکات وعوامل دو ہی نوعیت کے ہو سکتے ہیں:—

• — جلبِ منفعت[۱] یا • — دفعِ مضرت[۲] • — لالچ[۱] • — یا خوف[۲]

کمزور انسان یا تو کسی سے ڈر کر اس کے شر و ضرر سے بچنے کے لئے اس سے منافقانہ روابط رکھتا ہے یا کسی سے کچھ نفع اندوزی کھانے کمانے اور پیٹ پوجا کے لئے! حضورؐ کی مکی زندگی میں — جبکہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک پر عرصۂ حیات تنگ ہے — ان دونوں محرکات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ تو حضورؐ سے اس دورِ مظلومی میں کسی کو کسی دنیوی مفاد کی توقع ہو سکتی ہے

اور نہ ہی ان حالات میں حضورؐ سے کسی کو کسی قسم کا خوف ہو سکتا ہے۔
اگر ہو سکتا ہے تو اس دور ابتلا و آزمائش میں حضور کے دامنِ اقدس و قدمِ اشرف سے وابستگی سے بہ یقین و وثوق ہو سکتا ہے کہ انسان خون آشام و ستم ایجاد جلادوں کا ہدف مظالم و شدائد بنے ؎

اے ہم نفساں آتشم از من بگریزید!
ہر کس کہ شود ہمرہ ما دشمنِ خویش است۔

اگر انسان عقل و بصیرت سے کلیتہً محروم و بے بہرہ نہ ہو تو سوچنے کی بات ہے کہ منافقت کسی مفاد کے لئے کی جاتی ہے یا جانگداز و روح فرسا ظلم و ستم کا تختۂ مشق بننے اور دل خراش دلرزہ انگیز سختیاں جھیلنے کے لئے۔؟

عشق و فسق

دل خراشی و جگر گدازی تو مظہر عشق ہے نہ کہ مخبر فسق! ذوقؔ کہتا ہے۔ ؎

غمِ جدائی میں تیرے ظالم، نگہوں میں کیا مجھ پہ کیا بنی ہے!
جگر گدازی ہے سینہ کاوی ہے دل خراشی ہے جاں کنی ہے!

عشقِ صادق بے غرضی و بے غرضی کے اس نقطۂ عروج و زاویۂ کمال کا نام ہے جہاں ہر وقت ترکِ خویش و طلبِ دوست کے روح پرور نقارے بجتے رہتے ہیں ؎

حسن مکمل جذب و گریز — عشق مسلسل ترک و طلب

عاشقِ صادق کو طلبِ حبیب و شوقِ وصال میں اپنی سُدھ بدھ رہتی ہے نہ اپنے نفع و نقصان کا فکر و خیال رہتا ہے، محبوب کی دھن میں وہ بہر حال مست اور مگن رہتا ہے۔ ؎

تیرا تصور شب ہمہ شب — خلوتِ غم بھی بزم طرب

اس لئے جو لوگ وادیٔ عشق میں قدم رکھتے ہیں وہ نہ کانٹوں سے گھبراتے ہیں۔ نہ تلوے کھجلاتے ہیں ؎

در بیاباں گر بہ شوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنش ہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

کٹھن سے کٹھن منزل میں بھی اہل شوق و محبت کے لب شکایت آشنا نہیں ہوتے ؎

دعویٔ شوق اور شکوہ بلب — شرم دلِ آرام طلب!

بخلاف اس کے جن ہوسکاروں کو ہمہ وقت اپنے سود و بہبود کا خیال رہتا ہے وہ محب صادق نہیں، انہیں فاسق کہا جاتا ہے فسق و بدکاری نام ہے غرض پرستی و ہوسکاری کا! جب بندۂ حرص و ہوا اور صاحبِ غرض و ہوس کو ہر وقت اپنے مفاد کا فکر دامن گیر رہتا ہو اسے محبت کا دعویٰ زیب نہیں دیتا یہ محبت نہیں توہین محبت ہے۔ جناب ماہر القادری کا شعر ہے۔

ے یہ سہ روزیاں کے پیمانے یہ جھوٹے سچے افسانے
ان اہلِ ہوس کی باتوں سے بدنام محبت ہوتی ہے
جس چیز کا نام محبت ہے وہ ہوس و غرض سے پاک ہوتی ہے ے
ہوس کی جس میں رنگینی نہ جھلکے محبت کی وہی سچی نظر ہے!

حقیقت اسلام و نفاق

تو اسلام درحقیقت عشق و الفت اور ایثار و فدائیت کے اس برتر و بلند ترین مقام کا نام ہے جہاں انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور طلبِ محبوب و جستجوئے یار میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ے

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے!
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اسلام نام ہے خدا اور محبوبِ خدا سے عشق اور سچی محبت کا! جس کی راہ میں ذاتی مفاد اور نفسی اغراض اور شخصی مصالح حائل نہیں ہو سکتے۔ جبل سپاری، جاں بازی، اور جاں نثاری کا نام اسلام ہے۔ جگر گدازی و دِل خراشی عشق د اسلام ہے۔

اور نفاق؟ جلبِ منفعت، غرض پرستی اور ہوس کاری کو نفاق کہتے ہیں!

۲- تاریخ عالم شاہد ہے کہ دنیا میں وہی تحریک ——— خواہ وہ

مذہبی ہو۔ یا سیاسی ــــــــــ چلی اور پھولی پھلی ہے، جس کو عہدِ آغاز میں مخلص کارکن نصیب ہوئے، جس بانیٔ تحریک نے کے دست و بازو عمل و ایثار اور خلوص و وفا کے پتلے تھے اس کی تحریک پروان چڑھی اور جس تحریک کے محرک کو تحریک کے ابتدائی دور میں مخلص کارکن نہیں مل سکے اس تحریک کا جنازہ محرک کے کندھوں پر اُٹھتا نظر آیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں دنیا میں آج تک کوئی ایسی تحریک چلی جس کے آغاز میں کارکن تو مخلص و بے غرض نہ ہوں اور وہ کامیاب ہوئی ہو؟ یقیناً کسی ایسی تحریک کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی! جس تحریک کے محرک اور بانی کے معین و معاون اور یار و مددگار بے عمل، خود غرض، منافق، اور بے وفا ہوں۔ سمجھو وہ تحریک روزِ اول گہری قبر میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گئی! پھر پوری تاریخ انسانیت میں اسلام ہی ایک ایسی تحریک ہے کہ اس کے محرک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یار و اصحابؓ جو بھی ملے سب کے سب معاذاللہ خلوص و وفا کے تصور سے ناآشنائے محض علم و عمل کی صلاحیتوں سے یکسر بے بہرہ، سراپا منافق! اور تحریک اسلام بھی کامیاب! اور دنیا بھر کی ہر قسم کی متحدہ

کوششوں اور چیرہ دستیوں کے علی الرغم کامیاب! اور ایسی کامیاب! کہ قیامت تک توسیع و اتمام کی منزلیں طے کرتی چلی جائے گی ولو کرہ الکافرون۔

اس مقدس تحریک کا طوفان و تلاطم عرب و عجم کی مخالفت کے پہاڑوں کو تنکوں کی طرح بہالے گیا، اور روم و فارس کی قدیم و مستحکم اور منظم و مسلح ریاستیں بھی اسلام کی راہ میں حائل ہوئیں تو گردِ راہ بن کر اڑ گئیں، اور دینِ حق و ہدیٰ کل ادیانِ عالم پر غالب آیا۔ ولو کرہ المشرکون۔

کیا تحریکِ اسلام کی یہ ساری کامیابیاں اور فائز المرامیاں اس کے بانی و محرک حضور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے منافق اعیان و انصار کی رہینِ منت اور ممنونِ احسان ہیں؟

اسلام کی ترقی و وسعت اور دین کا بقا و استحکام! سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یارانِ رسولؐ اور سابقین اولین کے صدق و صفا، خلوص و وفا اور عمل و ایثار کا! اگر حضور کے دست و بازو مہاجرین و انصار بے وفا و دغاباز، خود غرض اور ہوس پرست ہوتے تو دینِ اسلام العیاذ باللہ مکہ معظمہ کی گلی کوچوں میں دفن ہوتا اور آج دنیا اس کے

نام سے بھی آشنا نہ ہوتی۔

یہ جو آج شرق وغرب عرب و عجم میں اسلام کا علم لہراتا نظر آتا ہے اور ہم تم کلمۂ توحید پڑھ رہے ہیں یہ سب ثمرہ اور نتیجہ ہے اصحاب رسولؐ کے جوش وفا، وخلوص اور سابقین اولین کی شبانہ روز سرگرم مساعی اور مہاجرین وانصار کی سرفروشانہ وجانبازانہ دینی وتبلیغی کوششوں اور کاوشوں کا! رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ!

مرتد بھی نہیں تھے

اب صرف ایک مقام باقی رہ جاتا ہے، کہ یارانِ رسول اور دست و بازوئے رسالت منافق تو نہیں تھے، ہاں مرتد تھے۔ حضورؐ کے وقت میں تو مخلص ووفادار اور جاں باز وجانثار تھے لیکن حضورؐ کی پیاری آنکھیں بند ہوتے ہی یہ دین حق سے منحرف ہو گئے۔ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے، اور اسلام سے مرتد ہو گئے! معاذ اللہ!

تو:—

۱۔ سوال یہ ہے کہ آخر اس "حادثہ" کی وجہ؟ کیا مطلق رحلت رسالت ہی ان کے ارتداد کا باعث ہوئی یا کوئی اور محرکات تھے؟

اگر مطلق حضورؐ کا وصال وانتقال اس "حادثہ" کا

باعث ہے تو یہ باعث تو سب کے لئے یکساں ہے۔ پھر تو کسی کو بھی مسلمان نہیں رہنا چاہیئے سب کو مرتد ہو جانا چاہیے معاذ اللہ!

اور اگر پس پردہ کچھ اور اغراض اس کے محرک ہیں اور ہوس اقتدار و حکومت ان کے ارتداد کا موجب ہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر ان حضرات کو حکومت کی ہوس اور خلافت کی طلب تھی تو مسلمانوں کی حکومت اور حضور کی خلافت کی یا کسی اور حکومت و خلافت کی؟ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ہی حکومت اور حضور ہی کی خلافت کی ہوس و طلب تھی، تو اس کے لئے تو ـــــ اگر یہ مسلمان اور مومن نہ بھی ہوتے تو بھی ـــــ انہیں پختہ مسلمان اور سچا مومن بن جانے کی ضرورت تھی نہ کہ الٹا مسلمان ہوتے ہوئے مرتد بن جانے کی؟

کیا یہ تصور ذہن و فکر انسانی کی توہین و تضحیک نہیں کہ ہوس تو اسلامی حکومت کی ہو اور اس کا طلب گار و ہوس کار مخلص مسلمان سے مرتد بن جائے۔ دل میں غرض تو پوشیدہ ہے خلافت رسول پر متمکن ہونے کی اور خود رسول کا دامن چھوڑ دے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نقل کفر کفر نباشد، مرتد ہو گئے تھے یا بعض۔؟

اگر سب کے سب (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے تو اسلام دنیا میں کیسے باقی رہا۔؟

اور اگر بعض مرتد ہو گئے تھے اور بعض اسلام پر ثابت قدم اور برقرار رہے تھے تو جو اسلام پر برقرار رہے انہوں نے اُن مرتدین کی سرکوبی و استیصال کیا، ان سے جہاد و قتال کیا یا نہیں۔؟

اگر خدا و رسولؐ کے حکم و ارشاد ربانی کے مطابق ان سے جہاد کر کے انہیں ختم کر دیا تو پھر ان کی خلافت و حکومت کہاں سے آئی اور ان کا اقتدار و تسلط کیسے قائم رہا۔؟

"مرتدین" کی بیعت،

اور اگر آیاتِ قرآنی و ارشاد ربّانی کے خلاف ان سے جہاد و قتال نہیں کیا بلکہ اُلٹا (العیاذ باللہ) ان مرتدین کی بیعت کر کے (معاذ اللہ) ان غاصبین و ظالمین کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ان کے غلبہ و اقتدار اور تمکن و استخلاف اور ثبات و استقرار کا موجب بنے تو کیا وہ پھر بھی سچے مسلم و مومن رہے۔؟

کیا معاذ اللہ اس سے بڑا ظلم و ارتداد کوئی اور ہوگا؟

اگر اسے اسلام و ایمان کہتے ہو تو کفر و ارتداد کسے کہو گے ؟ ؎

کشمکش زندگی ہے مردوں کی!
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست؟ اقبالؒ

فلسفۂ شہادت جب روحانی و اخلاقی اقدار کو ایک ایک کر کے مٹایا جا رہا ہو اور دین و ملت کا شیرازۂ حیات تار تار کر دیا جائے اس وقت جسد عنصری تک کو قربان کر دینا اور انسان کو تارِ حیات تک منقطع کر دینا فرض ہو جاتا ہے ؎

وجود افراد کا مجازی ہے ہستیٔ قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسم مجاز ہو جا اقبالؒ

یہی تو وہ مقام ہے جہاں انسان جان ہار کر حیات جاوداں پاتا ہے ؎

حیاتِ جاوداں آئی ہے جانبازوں کے حصے میں
جینے والے ہیں یہ جتنے مرنے والے ہیں

یہیں تو انسان اپنے وجودِ خاکی کی قدر و قیمت پاتا ہے ، اگر انسان اپنے وجود کی پرستش شروع کر دے حق و صداقت کو مٹتا دیکھے اور ٹس سے مس نہ ہو تو پھوٹی کوڑی کا بھی نہیں اور اگر حفاظت حق میں کام آجائے فی سبیل اللہ

کٹ جائے تو کروڑوں کا ہے کروڑوں کا کیا! انمول ہے ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
اقبالؒ

کفر و باطل کے زیر سایہ ذلت و رسوائی کی زندگی، زندگی نہیں موت ہے۔ بلکہ موت سے بدتر! اور اگر انسان حق کی پاسبانی اور دین و ملت کے تحفظ و بقا کی جدوجہد میں کٹ جائے تو یہ موت موت نہیں حیات ہے حیاتِ جاوداں! ؎

کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف، مرگ حیاتِ بے شرف
اقبالؒ

۳۔ کس قدر مضحکہ انگیز ہے یہ تصوّر! کہ جب تک مظلومیت و مصیبت کا دور تھا، اور یہ حضرات تعذیب و عقوبت کے شکنجے میں نہایت بُری طرح کسے جاتے تھے، تب تک تو یہ سچے مسلمان اور مخلص مومن تھے۔ لیکن جب اقتدار و حکومت کا وقت آیا۔ عرب و عجم پر ان کا جھنڈا لہرانے اور ربع مسکون پر ان ہی کا ڈنکا بجنے کی بھلی ساعت آ پہنچی تو یہ اسلام سے مرتد ہو گئے

ع۔ یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا!

سوچنے کی بات ہے کہ جو سراپا خلوص دردناک ابتلا آت اور

لرزہ انگیز آزمائشوں میں ثابت قدم رہے مظالم و شدائد کی تیز و تند آندھیاں اور مصائب و آفات کے سخت سے سخت طوفان جن جبالِ استقامت کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے، بلکہ الٹا ان کے استحکام کا موجب بنے ؎

تیزیٔ بادِ مخالف سے نہ ہو حیراں عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

کیا ان کوہ وقار حضرات کا پائے استقلال دورِ غلبہ و تسلط اور عہدِ سکون و اطمینان میں متزلزل ہو جائیگا۔؟

۴۔ آخری سوال یہ ہے کہ آخر یہ کیسے مرتد ہیں، کہ خود تو اسلام سے مرتد ہو جاتے ہیں لیکن اسی اسلام کا عَلم اپنے عہدِ اقتدار میں عرب و عجم میں لہرا دیتے ہیں؟

کیا ارتداد اسی کا نام ہے کہ اسلام کو صدرِ اسلام مدینہ طیبہ کی مبارک دیواروں سے اٹھا کر ساری دھرتی کے طول و عرض میں پہنچا دیا جائے۔؟

کیا اسلام سے مرتد ہو جانے کے معنی یہی ہیں کہ مصر و شام، عراق و ایران، افغانستان سے لے کر قسطنطنیہ اور جزیرۂ قبرص، طرابلس، الجزائر اور مراکش تک مملکت اسلام کی حدیں وسیع کر کے کروڑوں افراد کو کلمہ طیبہ

لے فتوحات اسلامی کا آغاز عہدِ صدیقؓ ہی میں ہو گیا تھا (باقی برص ۱۴۳)

پڑھا دیا جائے اور مسلمان بنا دیا جائے ؛ اگر اسی کا نام ارتداد ہے تو خدا کرے کہ ہر مسلمان "مرتد" ہو اور اللہ تعالٰے ہر فرزند توحید کو یہ "ارتداد" نصیب کرے۔ آمین!

(بقیہ ص ۱۴۲) عہد فاروق کا حال ملاحظہ ہو:۔ فتوحات فاروقی کی وسعت حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ لاکھ مربع میل تھا۔ .. ... اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ .. ... یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں"۔ (الفاروق از علامہ شبلی حصہ دوم ص ۲۹۰)

بے نظیر فاتح اور بے مثال کشورستان، جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروقِ اعظمؓ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گذرا" (الفاروق حصہ دوم ص ۳۰۲)

مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے۔ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں (الفاروق حصہ اول ص ۲۶۷)

عہد عثمانی میں عبداللہ بن عامرؓ نے ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ ... مرو رود طالقان فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا (خلفائے راشدین" حلیم عسکر اعظم گڑھ ۲۰۰ تا ص ۲۰۴ ملخصاً)

"امیرالمومنین عثمان شہید مظلوم بلحاظ خلافت بڑے کامیاب خلیفہ تھے بلحاظ فتوحات و ترقی دائرہ اسلام ان کے عہد میں بہت اضافہ ہوا۔ ... .

معاذ اللہ اگر یہ حضرات مرتد ہو جاتے تو دنیا سے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ ہمہ تن خدمتِ دین واشاعتِ اسلام میں مصروف و منہمک ہو جاتے[۱]

مشرق میں علاقہ جات خراسان، ماوراء النہر، ترکستان، سندھ، اور کابل، مغرب میں سوڈان، سکندریہ، مراکو، ٹیونس، طرابلس، الغرب فتح ہوئے سب سے پہلے انہوں نے بحری بیڑہ بنایا جس سے ہرقل کے بیڑہ کو تباہ کیا۔ اور پھر بڑے آباد جزائر فتح کئے قبرص کریٹ، مالٹا وغیرہ انہی کے فتح کردہ جزیرے ہیں"
(رحمۃ للعالمین جلد دوم ذکر سیدہ رقیہؓ)

[۱] "صرف ایک حضرت عمرؓ نے ایک ہزار چھتیس ۱۰۳۶ شہر مع ان کے مضافات کے فتح کئے اور جو مقام قبضہ میں آتا فوراً حکم دیتے کہ وہاں مسجد بنائی جائے۔ حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ چار ہزار مسجدیں پنج وقتی نماز کے لئے اور نو سو جامع مسجدیں آپ کے زمانہ میں بنیں"
("خلفائے راشدین"، از امام اہل سنت لکھنوی ص ۱۳۰)

"تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔
(موطا ص ۲۲۹)

شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے ...
محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں" ("الفاروق" ص ۵۰۴)

"اسلام بزورِ شمشیر پھیلا"، یہ تو وہی اعدائے دین کا سا اسلوب و اندازِ فکر و کلام ہُوا! اسلام کے خلاف معاندین اسلام خصوصاً اہلِ مغرب کا یہ مشہور حربہ ہے کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا"، لیکن تحیّر و استعجاب کی انتہا ہے کہ یہ تلوار چلائی کس نے؟ انہی نے جو خود تلوار کے زور سے مسلمان ہوئے تھے!

اگر واقعی دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور مجبور و مظلوم لوگ بزور شمشیر مسلمان کئے گئے تو جب خود ان کے ہاتھ میں شمشیر بُرّاں آئی تھی تو یہ انہی لوگوں کو تہِ تیغ کرتے جنہوں نے انہیں بزورِ تیغ مسلمان بنایا تھا، یہ عجیب تماشہ ہے کہ ان کو تہِ تیغ کرنے کی بجائے یہ دوسروں کو اسی شمشیر سے مسلمان بنانے لگ گئے۔

جتنا بودا اور فضول، لچر اور پوچ ہے یورپ کا یہ پروپاگنڈہ کہ:-

اسلام بزورِ شمشیر پھیلا

اس سے بدرجہا زیادہ بودا اور فضول، لچر اور پوچ ہے ہمارے اپنے بعض "شرفا" کا یہ نقطۂ نظر کہ:-

اصحابؓ رسولؐ رسولؐ کے بعد اسلام سے مرتد ہو گئے!

اور اسلام سے مرتد ہو کر انہوں نے دنیا میں اسلام کی اشاعت کی!

بہر حال یہ حضرات مرتد بھی نہیں تھے۔

پھر کیا تھے ـــــــ؟

اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ تھے کیا؟

اعراض و بغاوت اور انکار و شقاوت کا آخر وہ کونسا مقام ہے جس پر معاذ اللہ انہیں کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کوئی نہیں!

مندرجہ بالا حقائق کے بعد ہمیں بتلایا جائے کہ یہ حضرات جب نہ کافر ہیں نہ منافق اور نہ مرتد تو پھر آخر کیا ہیں؟ اگر حقائق و واقعات اور عقل و منطق کی روشنی میں انہیں کوئی باعقل و ہوش انسان عیاذاً باللہ کافر و منافق اور مرتد نہیں کہہ سکتا تو پھر ان حضرات کا کوئی مقام؟ آخر اس مشکل کا کوئی حل؟

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے!
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے؟

مجبوراً کہنا پڑے گا کہ یہ حضرات اسلام و ایمان اور اخلاص و احسان کے اس مقام رفیع پر قائم و فائز ہیں، جہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی اور کی رسائی ممکن نہیں!

یہی ایک ایسی صورت ہے کہ اس صورت میں عقلی اور منطقی طور پر کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اس کے علاوہ ہر صورت میں اعتراض وارد ہوتا ہے اور الجھن پیدا ہوتی ہے۔ جس کا سلجھانا ممکن نہیں ہے

تری ہر ادا میں بل ہے تری ہر نگہ میں الجھن
مری آرزو میں لیکن کوئی پیچ ہے نہ خم ہے! — الطاف پرویز

---

(۳)

مقامِ صحابہ کرامؓ
کتاب و سنت کی روشنی میں

منفی پہلو سے عقلی و منطقی بحث کے بعد اب ہم مثبت طور پر کتاب و سنت کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کا مقام واضح کریں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

دنیا میں ذات پاک رب العزت کا کفر و انکار شاید ہی کبھی کیا گیا ہو۔ عموماً کفار و منکرین نے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کا انکار کیا ہے۔

انسانیت خالق اکبر کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کرنے اور جبین نیاز جھکانے پر فطرتاً مجبور ہے۔ لیکن آدمی کا جوش غرور و پندار اور جذبۂ انانیت و استکبار اسے اسکی اجازت نہیں دیتا۔ کہ وہ اپنے ہم جنس انبیاء و رسلؑ کا طوقِ غلامی زیبِ گلو کرے۔

انسانیت کی یہ گراوٹ اور ضلالت ابتدائے آفرینش سے لے کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک بدستور برقرار رہی ارشاد فرمایا:-

(۱) اکان للناس عجبًا ان اوحینا الی رجل منہم۔ (پارہ ۱۱ آغاز سورہ یونس) کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان (ہی) میں سے ایک شخص پر وحی بھیج دی:

(۲) وعجبوا ان جاءھم منذر منھم وقال الکافرون ھذا ساحر کذاب (پارہ ۲۳ آغاز سورہ ص) اور ان کفار (قریش) نے تعجب کیا اس بات پر کہ ان کے پاس ان ہی میں سے (پیغمبر) ڈرانے والا آگیا۔ اور

کہنے لگے کہ یہ شخص جادوگر ہے جھوٹا!

(۳) تین آیات کے بعد پھر اسی حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

أَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا

کیا ہم ہی میں سے اس شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا۔

ان تمام ارشاداتِ ربانی سے یہ حقائق واضح ہوتے ہیں کہ کفار:—

۱۔ نہ تو ذات پاک رب العزت کے منکر تھے؛

۲۔ نہ نزول کلام و منصب رسالت کا کفر و انکار کرتے تھے؛

بخلاف اس کے:—

۱۔ وہ خدا کی ذات کے قائل تھے؛

۲۔ وہ نزول وحی اور نبوت کی حقیقتوں کو بھی تسلیم کرتے تھے؛

ان کے کفر و انکار اور تکذیب و انحراف کی ساری اساس و بنیاد اس زعم باطل پر قائم تھی کہ ہماری جنس بشریت میں سے ہم ہی جیسے کسی آدمی کو کیوں اس منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ ان کے تصور میں بھی احساس کہتری کے مارے یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ انسان بھی خدا کا پیغمبر ہو سکتا ہے تو کفار خدا کو بھی مانتے ہیں۔ وحی و رسالت کی حقیقت کے

بھی معترف ہیں۔ اگر وہ نہیں مانتے تو صرف حضرات انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانتے۔ اور بارگاہِ خداوندی سے کفر کا خطاب پاتے ہیں۔

خدا اور محبوبِ خدا میں قرب و وصل

کفار و منکرین نے اللہ اور اللہ کے رسول میں تفریق اور جدائی کی کوشش کی اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولوں کو اپنے ساتھ وابستہ فرمالیا۔

رب العزت نے ایمان و اطاعت کے معاملے میں اپنے ہر پیغمبر کو اپنے ساتھ وابستہ رکھا ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قرب و وصل عطا فرمایا ہے۔ اپنی نظیر آپ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبؐ خاص کو اپنے ساتھ قرب و معیت کا جو شرف بخشا ہے۔ وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

قرب و معیّت کے جلوہ ہائے جانفزا

اگر آپ غور فرمائیں گے تو آپ کو جگہ جگہ خدا اور محبوبِ خدا میں قرب و معیت کے روح آفریں جلوے نظر آئیں گے :—

(۱) **کلمہ طیبہ** ! کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ صرف دین اسلام کی اصل و اساس ہے۔ بلکہ یہ تعلیمات دین کی تفصیلات کا اجمال ہے اور اسلامی عقاید و تصورات کا مظہر! اس میں دیکھ لو اللہ رب العزت نے اپنے اسم اعظم کے ساتھ اپنے محبوب کریم کے اسم گرامی کو جگہ دی ہے اور اپنی توحید کے ساتھ اپنے رسول مقبول کی رسالت کو اس درجہ وابستہ فرما دیا ہے کہ ایک کو دوسری سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں اگر لا الٰہ الا اللہ کی ضربوں پہ ضربیں ماری جائیں اور محمد رسول اللہ کا انکار کیا جائے تو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ اور اگر محمد رسول اللہ کا طوق غلامی تو زیب گلو کر لیا جائے لیکن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے تقاضے پورے نہ ہوں تو بھی انسان ایمان سے بیگانہ و نا آشنا ہی رہے گا۔

اللہ کریم نے اپنے رسول کریم کے اسم گرامی کو اپنے اسم اعظم کے ساتھ اس طرح وابستہ و مربوط فرما دیا ہے کہ اب ان میں جدائی کا تصور بھی کفر ہے۔

(۲) **کلمۂ شہادت** ! کلمۂ توحید کے بعد کلمۂ شہادت

ملاحظہ ہو۔ اس میں بھی اللہ جل جلالہٗ کی توحید و یکتائی کے ساتھ ساتھ حضور کریمؐ کی عبدیت و رسالت کی شہادت موجود ہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انسان مسلمان نہیں ہو جاتا۔ جب تک اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ کا اقرار و اظہار نہ کرے ؛

(۳) اذان و تکبیر سے نام میں اللہ اکبر کیا ترے تاثیر ہے
داخل ہر بانگ ہے شامل بہر تکبیر ہے

کلمہ طیبہ کے بعد اذان و تکبیر اسلامی شعائر ہیں۔ ان میں جہاں اللہ کی توحید و کبریائی کے ڈنکے بجتے ہیں وہاں محمدؐ کی نبوت و رسالت کے پرچم لہراتے نظر آتے ہیں۔

جب تک مؤذن و مکبّر اللہ کی تکبیر و تہلیل کے ساتھ حضور کریم کی رسالت کی شہادت نہ دے۔ نہ اذان ہوتی ہے نہ تکبیر!

اللہ اللہ! سچے خدا نے اپنے محبوب و مقبول رسولؐ سے فرمایا تھا۔ اگر یہ کفار مشرکین مکہ تیرے ذکر و نام سے جلتے ہیں۔ اور تیرا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے تو کیا فکر ہے۔ میں جو تیرا ذکر ساری دنیا میں

بلند کرتا ہوں، ورفعنا لك ذکرك رب العزت نے اپنے اس ارشاد کو یوں پورا فرمایا کہ اس دن سے آج تک ساری دنیا میں جہاں بھی اللہ کا نام لیا جاتا ہے اللہ کے محبوب کا نام بھی ساتھ لیا جاتا ہے۔ عرب و عجم شرق و غرب ہر جگہ جہاں بھی اذان کی صدا بلند ہوتی ہے۔ مؤذن اللہ کا ذکر بلند کرتا ہے۔ وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی بلند کرتا ہے۔ شاعر رسولؐ حضرت حسّان کیا خوب فرماتے ہیں ؎

وضم الالٰہ اسم النبی الی اسمہ ۔۔۔ اذ قال فی الخمس المؤذن اشہد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ ۔۔۔ فذو العرش محمود وھذا محمد[1]

(۴) نماز: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کے اسم اور ذکر و فکر کو اپنے ذکر و فکر کے ساتھ یہاں تک وابستہ فرما دیا ہے کہ ہماری نماز نہیں ہوتی جب تک قعدہ اُخریٰ میں تشہد کے آخر کلمہ شہادت

---

[1] اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریمؐ کا نام نامی اپنے اسم گرامی کیساتھ ملا لیا۔ چنانچہ مؤذن پانچ وقت اذان میں ذات اللہ کی توحید کے ساتھ حضور کی رسالت کی شہادت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اعزاز و اکرام کیلئے اپنے اسم گرامی کو شق کر کے آپکا نام نکال لیا ہے چنانچہ رب العزت کا اسم گرامی محمود ہے اور حضور محمدؐ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

پڑھ کر اللہ کی توحید کی شہادت کے ساتھ حضورؐ کی
رسالت کی شہادت نہ دیں۔
اسی طرح ہماری نماز پوری نہیں ہوتی۔ جب تک ذکر الٰہی
کے آخر میں ذکر رسولؐ نہ کریں اور ذاتِ پاک نبی کریم
پر درود نہ پڑھیں،

(۵) حمد وصلوٰۃ خطبات وخطابات میں جہاں سب سے
پہلے رب العزت کی حمد و ثنا بیان ہوتی ہے۔ وہاں
حمد و ثنا کے بعد متصلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر
درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی
عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں
لکھتے ہیں:—

اما التثنیۃ فلانّ ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم
مقرون بذکرہٖ تعالیٰ ولقد قالوا فی قولہٖ تعالیٰ
(ورفعنا لک ذکرک) معناہ ذُکِرتَ حیثما ذکرت
وفی رسالۃ الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ عن مجاھدؒ
فی تفسیر ھذہ الآیتہ قال لا اذکرُ الّا ذکرتَ
اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد انّ محمداً
عبدہ ورسولہ وروی ذلک مرفوعاً عن رسول
اللہ علیہ وسلم الی جبرئیل علیہ السلام الی

رب العالمین قالہ النووی فی شرح مسلم

(جزاوّل ص ۱۱)

اور حمد کے بعد صلوٰۃ یہ اس لئے ہے کہ حضورؐ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور علماء نے ارشاد باری تعالیٰ (ورفعنالک ذکرک) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں (اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسولؐ سے فرماتے ہیں) جہاں بھی میرا ذکر ہوگا۔ وہاں تیرا ذکر ہوگا۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے رسالہ میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے میرے رسولؐ!) میرا ذکر نہیں ہوگا۔ جب تک تیرا ذکر نہ ہو۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ اور یہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مرفوعًا بھی بروایت کیا گیا ہے۔ حضور سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اور ان سے اللہ رب العالمین نے فرمایا۔ یہ علامہ نووی رحؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے

(عینی شرح بخاری جزاول ص ۱۱)

(۶) عالمِ برزخ میں! یہاں تو یہاں قبر کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بارے میں اپنے اور اپنے رسولؐ

کے درمیان تفریق نہیں فرماتے وہاں بھی جہاں اللہ تعالےٰ
کے متعلق سوال ہوگا۔ وہاں حضورؐ کے متعلق بھی سوال
ہوگا۔

(۱) حضرت براء بن عازبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں:۔

قال المسلم اذا سُئِل فی القبر یشہد ان لا الٰہ
الا اللہ وان محمدًا رسُول اللہ۔ فرمایا جب
مسلمان سے قبر میں سوال ہوگا تو وہ دیہ کہہ کر) شہادت
دے گا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان
محمدًا رسول اللہ

اور ایک روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا۔ مسلمان
سے پوچھا جائیگا من ربك فیقول ربی اللہ ونبی
محمدؐ۔ تیرا رب کون ہے۔ تو وہ جواب دے گا
میرا رب اللہ ہے۔ اور میرا نبی محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)
صحیح بخاری وصحیح مسلم؛

(۲) حضرت انسؓ کی روایت میں ہے دو فرشتے قبر میں
دفن ہونے کے بعد بندے سے کہیں گے ما کنت
تقول فی ھذا الرجل لمحمد تو حضورؐ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے حق میں کیا کہتا تھا۔ تو جو مومن ہوگا وہ

کہے گا اشھد انہ عبد اللہ و رسولہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے۔ قبر میں منکر نکیر حضور کے متعلق سوال کریں گے فیقول ھو عبد اللہ و رسولہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ (رواہ الترمذی)

تو جواب دے گا آپ اللہ کے بندے ہیں اور رسول اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

یہ تینوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح کے باب اثبات عذاب القبر میں منقول ہیں۔

(۷) قرآن کریم دین کی اساسی عبادات اور شعائر اسلام میں ذکر خدا کے ساتھ ذکر رسول کے جلوے آپ دیکھ چکے۔ اب قرآن کریم میں ان جلووں کی فراوانیاں ملاحظہ ہوں۔ کتاب اللہ میں ہر جگہ خدا و رسول کے قرب و وصل کے جلوے نظر آتے ہیں ؎

مری نگاہ میں جلوے ہیں، جلوے ہی جلوے
یہاں حجاب نہیں ہے یہاں نقاب نہیں۔

رب العزت نے اپنے کلام پاک میں تقریباً سو

مقامات[۱] پر اپنے اسم اعظم کے ساتھ اپنے رسول کا

حاشیہ [۱]

موضوع	نمبر شمار	ارشاد قرآنی	حوالہ
ایمان	۱-۲	فآمنوا باللہ ورسلہ	پارہ ۴ آل عمران ۱۸ع پارہ ۶ سورہ نساء ۲۳ع
	۳-۴-۵	آمنوا باللہ ورسولہ	پارہ ۵ نساء ۲۰ع پارہ ۲۶ حجرات ۲ع پارہ ۲۷ سورہ حدید ۱ع
	۶	یومنون باللہ والنبی	پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۱۱
	۷-۸	فآمنوا باللہ ورسولہ	پارہ ۹ اعراف ع ۲۰ پارہ ۲۸ تغابن ع ۱
	۹-۱۰	آمنوا باللہ ورسولہ	پارہ ۲۶ حجرات ع ۲ پارہ ۲۷ حدید ع ۲
	۱۱	تومنون باللہ ورسولہ	پارہ ۲۸ سورہ صف ع ۲
	۱۲-۱۳	لتومنوا باللہ ورسولہ	پارہ ۲۶ فتح ع ۱ پارہ ۲۸ مجادلہ ع ۱
	۱۴	لا تومنون باللہ والرسول	پارہ ۲۷ سورہ حدید ع ۱
	۱۵	ومن لم یومن باللہ ورسولہ	پارہ ۲۷ سورہ حدید ع ۲
اطاعت	۱۶-۱۷	اطیعوا اللہ والرسول	پارہ ۳ آل عمران ع ۴ ایضاً ع ۱۴
	۱۸-۱۹	من یطع اللہ ورسولہ	پارہ ۴ نساء ع ۲ پارہ ۲۶ فتح ع ۲
	۲۰-۲۱ / ۲۲-۲۳	اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	پارہ ۵ نساء ع ۸ پارہ ۲۸ تغابن ع ۲ پارہ ۲۶
	۲۴	من یطع اللہ والرسول	پارہ ۵ نساء ع ۹
	۲۵	من یطع الرسول فقد اطاع اللہ	پارہ ۵ نساء ع ۱۱
	۲۶	اطیعوا اللہ ورسولہ	پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ ع ۲

بقایا حاشیہ ص ۱۵۹ پر

اسم گرامی وابستہ فرما کر اپنی ذات کے ساتھ اپنے رسولؐ کی ذات کو لازم فرمالیا ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف سے شاید آپ کو تعجب ہو کہ بعض سورتوں میں تو نہایت تکرار کے ساتھ رب العزت نے اپنے محبوب کریم کو اپنے اسم کریم کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ توبہ میں ۲۲ دفعہ سورہ احزاب میں بارہ دفعہ اور سورہ انفال و

کفر و معصیت، محاربہ و مخالفت	۲۷	یکفرذن بالله ورسله	پارہ ۶ سورہ نساء ع ۲۱
	۲۸-۲۹	من یعص الله ورسوله	پارہ ۴ نساء ع ۲ پارہ ۲۹ جن ع ۲
	۳۰	بحرب من الله ورسوله	پارہ ۳ سورہ بقرہ ع ۳۸
	۳۱	یحاربون الله ورسوله	پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۵
	۳۲-۳۳	یحادّون الله ورسوله	پارہ ۲۸ مجادلہ ع ۱ ایضاً ع ۳
	۳۴	من حادّ الله ورسوله	ایضاً ع ۳
	۳۵	شاقوا الله ورسوله	پارہ ۲۸ سورہ حشر ع ۱
نصرت و موضوع	۳۶	ینصرون الله ورسوله	پارہ ۲۸ سورہ حشر ع ۱
	۳۷	بین یدی الله ورسوله	پارہ ۲۶ سورہ حجرات
	۳۸	لاغلبنّ انا ورسلی	پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ ع ۳
	۳۹	عن امر ربها ورسله	پارہ ۲۸ سورہ طلاق ع ۲
	۴۰	استجابوا الله والرسول	پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۸

بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰ پر

(سورہ نور میں ۸۔۸ مقامات پر اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ساتھ حضورؐ کا ذکر پاک آیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خدا اور رسول میں تفریق نہیں کی جاسکتی!

ان ارشاداتِ ربانی سے یہ حقیقت بھی منکشف و مبرہن ہوگئی کہ اللہ پر ایمان اور رسول پر ایمان، اللہ کا انکار اور رسول کا انکار شئی واحد ہیں۔ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت اور رسول کی معصیت خدا کی معصیت ہے۔ رسول کی مدد و نصرت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹	۴۱	فردوہ الی اللہ ورسولہ	پارہ ۵ سورہ نساء ع ۸
	۴۲	مھاجرا الی اللہ ورسولہ	ایضاً ع ۱۴

میزان ۴۲

علاوہ ازیں سورہ توبہ میں ۲۲

سورہ احزاب میں ۱۲

سورہ انفال میں ۸

اور سورہ نور میں ۸

میزان کل . . . . ۹۲ بار اسم باری تعالیٰ کے ساتھ رسولؐ اور سیدالمرسلؐ کا ذکر آیا ہے ؛۔

خدا کی مدد و نصرت ہے اور رسول سے محاربہ و مخالفت خدا سے محاربہ و مخالفت ہے۔

اللہ کی محبت رسول کی محبت[1] ہے۔ اور رسول سے عداوت خدا سے عداوت ہے، رسول کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے اور خدا کی رضا رسول کی رضا میں مضمر[2] ہے۔

حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کیا خوب فرماتے ہیں:-

"امت کے لئے حضورؐ کے سوا اور کوئی راستہ اور ذریعہ ایسا نہیں ہے جس کی بدولت خدا تک پہنچ سکے۔ صرف آنحضرتؐ کی ذات اقدس ہی خدا تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوامر و نواہی اور اخبار و بیان میں اپنا قائم مقام فرمایا ہے۔ اس لئے ان امور متعلقہ میں اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تفریق نہیں کی جا[3] سکتی۔"

---

[1] قولہ تعالیٰ احب الیکم من اللہ ورسولہ (پارہ ۱۰ سورۃ توبہ ع ۳)

[2] قولہ تعالیٰ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ (ایضاً ع ۸)

[3] "ضرورت حدیث" از قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد ص ۲۸ بحوالہ الصارم المسلول ص ۱۶۱۔

خدا اور رسول میں تفریق کرنا کفر ہے

ارشاد ہوتا ہے:- ان الذین یکفرون باللہ ورسلہٖ و
یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہٖ و یقولون نؤمن
ببعض و نکفر ببعض لا و یریدون ان یتخذوا بین ذالك
سبیلاً ہ اولٰئك ھم الکافرون حقاً ہ واعتدنا للکٰفرین
عذابا مھیناً ہ والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا
بین احد منھم اولئك سوف یؤتیھم اجورھم ط
وکان اللہ غفوراً رحیماً ہ (پارہ ۶ سورۃ نساء ع ۲۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے
ہیں - اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان
(ایمان لانے میں) فرق رکھیں - اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو
ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ
بین بین ایک راہ تجویز کریں، ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں۔ اور
کافروں کے لئے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے
اور ان میں سے کسی کے درمیان (باعتبار ایمان لانے کے)
فرق نہیں رکھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ثواب دیں گے
اور اللہ تعالےٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔

بعض لوگ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق و جدائی کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اللہ پر تو ایمان لاتے ہیں۔ لیکن اس کے رسولوں کے منکر ہیں۔ یا بعض رسولوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور کفر و اسلام کے درمیان ایک تیسری راہ پر گامزن ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن

اللہ تعالےٰ اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان اس تفریق و جدائی کو برداشت نہیں فرماتے۔ ارشاد فرمایا۔ یہ تفریق کفر ہے اور تفریق کرنے والے بالیقین کافر ہیں صرف رسولوں کے نہیں بلکہ اللہ کے بھی! جب اللہ کے حکم کے مطابق اس کے سب رسولوں کو نہ مانا تو اللہ کے بھی کافر ہو گئے۔ رسولوں کے منکر تو تھے ہی!

تو اللہ میاں اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان اور رسولوں رسولوں کے درمیان فرق و جدائی کے تصور کو برداشت نہیں فرماتے۔ اور اپنے ساتھ اپنے رسولوں اور سب رسولوں پر ایمان لانے کو ایمان کی اساس و بنیاد قرار دیتے ہیں۔

رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ میں قرب و وصل

جس طرح کفار و مشرکین اللہ کو مانتے ہیں اور رسول کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ اپنے اور اپنے رسولوں کے

درمیان ایمان لانے کے معاملے میں قطعاً تفریق و جدائی نہیں کرتے اور کلمہ و اذان اور تکبیر و نماز میں اپنے اسم عالی کے ساتھ اپنے رسول کریم کے نام نامی کو لازم ٹھہراتے ہیں اور اپنے کلام پاک قرآن کریم میں کم و بیش سو بار اپنے اسم اعظم کے ساتھ اپنے حبیبؐ کا اسم گرامی ذکر فرماتے ہیں۔

بالکل اسی طرح بعض مدعیان اسلام رسول کو مانتے ہیں اور اصحاب رسول کا انکار کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور اپنے محبوب کے محبوبوں کے درمیان جدائی نہیں کرتے اور اپنے معصوم و محبوب رسولؐ کے ساتھ اصحابِ رضؓ رسول کا ذکر فرماتے ہیں۔

قرب و معیت کے روح پرور نظارے

جس طرح چشم بصیرت جگہ جگہ خدا اور رسولِ خدا میں قربُ وصل کے جلوہ ہائے جانفزا دیکھتے نہیں تھکتی۔ اسی طرح دیدۂ معرفت کو جابجا رسولؐ اور اصحاب رضؓ رسولؐ میں قرب و معیت کے دلنواز و روح آفرین نظارے نظر آتے مثلاً :-

(۱) صلوٰۃ و سلام مسلمان جہاں بھی اور جب بھی حضورؐ کی بارگاہ میں ہدیۂ صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے اس میں آپ کے جمیع اصحابؓ کرام کو شامل کرتا ہے۔ اللھم صلّ علی

سیدنا ومولانا محمدٍ وعلیٰ آل سیدنا ومولانا
محمد وبارک وسلم۔

(۲) نماز ہماری نماز نہیں ہوتی جب تک ہم :-

(ا) تشہد میں حضور کی ذاتِ پاک پر ہدیۂ سلام بھیجنے
کے ساتھ اصحابِ رسول پر ہدیۂ سلام نہ بھیجیں السلام
علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام
علینا و علی عباد اللہ الصالحین[۲]

(ب) تشہد کے بعد بارگاہِ رسالتمآب میں ہدیۂ صلوٰۃ وتبریک
پیش نہ کریں، اور اس ہدیہ میں حضورؐ کے ساتھ حضورؐ
کے اصحاب رضؓ کو شریک نہ کریں۔

اللھم صلِّ علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلّیت

۲۔ علینا اور عباد اللہ الصالحین گو عام ہے اور اس میں ارض و سماء کے تمام صالح افراد و عباد داخل ہیں مگر اس عموم میں سب سے پہلے اصحابِ رسول شامل ہیں انکا شمول سب سے مقدم اور سب سے احق ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دے رہے ہیں اور تعلیم بھی اس طرح دے رہے ہیں جس طرح قرآن کی سورۃ کی تعلیم دے رہے ہوں (مشکوٰۃ المصابیح منقول از مسلم بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ و منقول از نسائی بروایت حضرت جابرؓ) اس وقت روئے زمین پر سوائے اصحابِ رسولؐ کے اور کسی عبدِ صالح کا وجود ہی نہیں ہے۔

علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم انک حمید مجید ٥
اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد کما بارکت
علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم انک حمید مجید۔
اگرچہ یہاں لفظ آل کا ہے۔ مگر اس سے مراد جمیع اتباع
رسول ہیں۔ لغت میں "آل" اصحاب و متعلقین کے لئے
آتا ہے اور قرآن میں بھی اس کا استعمال جمیع اصحاب و
متعلقین کے لئے ہوا ہے،

تفصیل تو مناسب موقع پر کسی دوسری جگہ میں آجائیگی
انشاء اللہ تعالیٰ! یہاں صرف اس قدر عرض ہے کہ اگر
(۱) بعض صاحبان کے زعمِ باطل کے مطابق آل سے عترتِ
رسولؐ اولادِ سیدہ بتول رضؓ مراد لی جائے تو وہ تو اس وقت
موجود ہی نہیں!

بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفقہ صحیح حدیث ہے
صحابی رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ سلام کا
طریقہ تو ہمیں اللہ تعالیٰ[1] نے سکھا دیا ہے (یعنی آپؐ نے

---

[1] یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اصحابِ رسول حضورؐ کی تعلیم و تلقین کو بھی من جانب اللہ یقین کرتے تھے، ظاہر ہے کہ تشہد صحابہؓ کو حضورؐ نے سکھایا مگر صحابی کہہ رہے ہیں فان اللہ قد علمنا دیلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے)

جو تشہد میں سکھا دیا ہے۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہو اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد ...[۱]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا صلوٰۃ کے متعلق سوال آیت کریمہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ہ کے نزول کے بعد ہے اور یہ آیت سورہ احزاب میں ہے جو غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق میں حضرت موسیٰ بن عقبہؒ جو فن مغازی اور حدیث کے مسلمۃ الکل امام ہیں۔ تابعی ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فن حدیث میں ان کے شاگرد اور فن مغازی میں ان کے نہایت مداح تھے (سیرۃ النبی حصہ اول ص۱۹) ——— کا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ غزوۂ احزاب شوال ۴ھ میں ہوا۔ صحیح بخاری کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بھی ہے کہ وہ غزوہ احد میں چودہ[۱۴] سال کے اور غزوۂ خندق (احزاب) میں پندرہ[۱۵] سال کے تھے اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہل سیر کی ذی قعدہ ۵ھ کی مشہور روایت کے خلاف غزوہ احزاب

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح باب الصلوٰۃ علی النبی بروایت کعبؓ بن عجرہ۔

سنہ ۴ھ میں پیش آیا۔ کیونکہ غزوۂ احد بالاتفاق سنہ ۳ھ میں ہوا۔
توجب غزوۂ احزاب شوال سنہ ۴ھ میں ہوا۔ توسورۂ احزاب
آخر سنہ ۴ھ میں نازل ہوئی۔ اس وقت فرمایئے عترتِ رسولؐ اولاد
بتولؓ کا وجود کہاں تھا؟
سیدنا حضرت حسنؓ رمضان المبارک سنہ ۳ھ[1] میں اور سیدنا
حضرت حسینؓ شعبان المعظم سنہ ۴ھ میں[2] تولد ہوئے۔ گویا جب
آلِ رسولؐ پر درود وصلوٰۃ کا حکم دیا جا رہا ہے اس وقت سیدنا
حضرت حسنؓ کی عمر تقریباً ایک سال دو ماہ اور سیدنا حضرت
حسینؓ کی عمر صرف تین ماہ کی ہے۔
جب ان حضرات کا سن یہ ہے۔ تو عترتِ رسول (اولاد
بتولؓ) کے دوسرے ارکان و افراد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
ان کا تو وجود باوجود ہی ابھی عالمِ وجود میں نہیں آیا۔ لامحالہ ماننا
پڑے گا کہ درود شریف میں آلِ محمد سے مراد صحابہ کرام —
ازواج مطہرات بناتِ رسولؐ جمیع اتباع و متعلقین رسول
ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔
وہ لوگ جو آج تک بغلیں بجا بجا کر کہا کرتے تھے۔ کہ
اہل سنت نماز سے باہر تو اصحاب کے گیت گاتے نہیں تھکتے

---

[1] سیر الصحابہؓ ج ۶ ص ۱ [2] ایضاً ص ۱۴۲

لیکن جب نماز کے اندر خدا کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو درود آلِ رسولؐ ہی پر پڑھتے ہیں۔ اصحابؓ کا نام نہیں لے سکتے۔

ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اہلِ سنت نماز سے باہر بھی اصحابؓ اصحابؓ کہتے رہتے ہیں اور نماز کے اندر بھی اصحابِؓ رسولؐ ہی کی خدمت اقدس میں ہدیۂ صلوٰۃ و تبریک پیش کرتے ہیں۔ درود میں آلِ رسولؐ سے مراد اصحابِ رسول ہی ہیں۔ اگر اصحابِ رسول کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر اس وقت جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم آلِ رسولؐ پر درود پڑھنا سکھا رہے ہیں آلِ رسولؐ کا وجود ہی نظر نہیں آتا۔

(۲) پھر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ اگر آل سے قرآن، لغت، محاورہ وغیرہ کے سولہ آنے خلافِ اولادِ رسولؐ بلکہ اولاد سیدہ بتولؓ مراد لی جائے تو پھر سیدنا حضرت علیؓ بھی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ درود و دعا سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اولادِ رسول میں بالاتفاق نہیں، بعض صاحبان انہیں زورازوری اہلِ بیتِ رسول میں تو شامل کر لیتے ہیں لیکن آلِ رسولؐ انہیں کوئی بھی نہیں کہتا۔

(۳) **قرآنِ کریم** رب العزت اپنے کلامِ پاک میں اپنے اور اپنے محبوبِ رسول کے اسمِ اعظم کے ساتھ اصحابِؓ رسولؐ کا ذکر فرماتے ہیں مثلاً:-

(۱) امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔
(پارہ ۳ بقرہ آخری رکوع)

(۲) فقل اسلمت وجہی للہ ومن اتبعن (پارہ ۳ آل عمران ع ۲)
(محبوب رسول!) آپ فرما دیجئے میں تو اپنا منہ اللہ ہی کے تابع کر چکا اور میرے پیرو (جمیع صحابہؓ) بھی!

(۳) ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا (ایضاً ع ۷)

(۴) ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم (پارہ ۵ سورہ نساء ع ۱۱)

(۵) انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا (پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۸)

(۶) ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا (ایضاً)

(۷) ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۴)

(۸) لکن الرسول والذین امنوا معہ (ایضاً ع ۱۱)

(۹) وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون
(پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۳)
(رسول معصوم) فرما دیجئے تم عمل کئے جاؤ۔ سو ابھی اللہ اور رسول اور مومنین (صحابہؓ) تمہارا کام دیکھیں گے۔

(۱۰) فاستقم کما امرت ومن تاب معک ولا تطغوا
(پارہ ۱۲ ھود ع ۱۰)
(اے رسول مقبولؐ) جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے آپ بھی (شریعت حقہ پر) سیدھے چلے جائیے! اور وہ (صحابہ کرام)

بھی جو تو بہ کرنے میں آپ کے ساتھی ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو!

(۱۱) قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (پارہ ۱۳ یوسف ع ۱۲)

(رسول معصوم!) آپ فرمادیجئے یہ میری راہ ہے میں (لوگوں کو) علی وجہ البصیرت دعوت الی اللہ دیتا ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے (جمیع صحابہ) بھی!

(۱۲) واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات (پارہ ۲۶ سورہ محمد ع ۲)

(۱۳) بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الیٰ اھلیھم ابداً

(پارہ ۲۶ سورہ فتح ع ۲)

(۱۴) محمد رسول اللہ والذین معہ (ایضاً آخری رکوع)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے صحابہ ہیں .....

(۱۵) فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین (ایضاً ع ۳)

(۱۶) وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین (پارہ ۲۸ سورہ منافقون ع ۱)

(۱۷) یخرجون الرسول وایاکم ان تؤمنوا باللہ ربکم (ایضاً سورہ ممتحنہ ع ۱)

مشرکین مکہ (مکہ سے) نکال چکے ہیں رسول کو اور تم (اصحاب رسول) کو اس (قصور) پر کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو جو تمہارا رب ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ جمیع مہاجرین کا جرم و گناہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت پر صدق دل سے ایمان لائے ؎

خونے نکردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم — جرمم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

(۱۸) فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین (پارہ ۲۸ تحریم ع ۱)

بلا شبہ اللہ تعالےٰ ــــ اور ــــ جبرئیل اور نیک بخت مومنین

(صحابہ رض) آپ کے دوست ہیں۔

ایک نکتہ: یہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کافر مشرک اور منافق تو بجائے خود کوئی غیر صالح مومن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق و دوست اور یار و مددگار نہیں ہو سکتا۔

(۱۹) یوم لا یخزی اللہ النبی والذین معہ (ایضاً ع ۲)

جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو لوگ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں (جمیع اصحاب رسول کو) رسوا نہ کریگا۔

جس طرح دنیا میں حقیقی عزت رسول اور اصحاب رسول ہی کیلئے ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی رسول و اصحاب رسول کے لئے عزت و احترام ہے وہ نہایت اعزاز و تکریم سے افضل و اشرف مقامات و مدارج پر سرافراز و فائز ہوں گے۔

(۲۰) قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی او رحمنا (پارہ ۲۹ سورہ ملک ع ۲)

(پیارے رسول) آپ فرمادیجئے! بھلا دیکھو تو! اگر (بفرض محال) اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے صحابہ کو ہلاک کر دے۔ یا ہم سب پر رحم فرمائے۔۔۔۔

اللہ اکبر! معاذ اللہ! تعذیب و ہلاکت ہو یا ماشاء اللہ فضل و رحمت! کسی حال میں بھی حضور اپنے صحابہ رض کو اپنے سے جدا نہیں فرماتے۔ شمع رسالت ہر حالت میں اپنے پروانوں کو اپنے ساتھ وابستہ رکھتی ہے۔

(۲۱) ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ

وطائفۃ من الذین معک ط (پارہ ۲۹ سورۃ مزمل ع ۲)

(محبوب رسول!) بلاشبہ آپ کا رب جانتا ہے۔ کہ آپ اور آپ کے صحابہ کی ایک جماعت (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز تہجد میں) کھڑے رہتے ہیں۔

جن حضرات کو اب تک مومنون مومنین والذین آمنوا والذین آمنوا معہ والذین معہ وغیرہ القابات عالیہ سے نوازا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اصحابؓ رسولؐ ہی ہیں۔ لیکن اگر کوئی شریف انسان جمیع صحابہ کو تسلیم نہ کرے اور کہے کہ ان القابات کا مصداق دو چار خاص حضرات ہیں تو اللہ تعالیٰ خود صراحت فرماتے ہیں کہ ان سے مراد جمیع مہاجرین و انصار ہیں رضی اللہ عنہم!

(۲۲) لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ پارہ ۱۱ سورۃ توبہ ایضاً ع ۱۴

اللہ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی نبی پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے مشکل (اور تنگی) کے وقت نبی کا ساتھ دیا۔

یہ غزوہ تبوک کا ذکر ہے۔

"اس غزوہ کے زمانہ کو ساعۃ عسرت اس واسطے فرمایا کہ گرمی شدید کا وقت تھا۔ سفر دراز تھا۔ مقابلہ قواعد دان لشکر سے تھا۔ سواری کی بہت کمی تھی (حتیٰ کہ ایک ایک اونٹ پر دس دس آدمی باری باری سوار ہوتے تھے) کھانے پینے کے سامان

رسد کی کمی اس درجہ تھی کہ ایک ایک خرمہ دو دو شخصوں پر تقسیم ہوجاتا تھا۔ بعض دفعہ ایک چھوہارے کو آگے پیچھے کئی کئی آدمی چوستے تھے۔(پانی کی نایابی کے باعث) سواری کے اونٹ ذبح کرنے پڑے۔ ان کی آلائش کو نچوڑ کر پینا پڑا۔ کذا فی الدر المنثورؒ"

اللہ اللہ! اللہ تعالےٰ نے اصحابِ رسول مہاجرین و انصار کو ایمان و یقین کے کس اعلیٰ و بالاترین مرتبہ پر فائز کیا تھا کہ ان صبر آزما مشکلات اور روح فرسا مصائب جگر گداز سختیوں اور دلخراش صعوبتوں کے ہجوم و ازدہام میں بھی ان کے قدوم مبارک میں جنبش و تزلزل پیدا نہ ہوا۔ اور وہ بڑی سے بڑی مشکل اور کڑی سے کڑی منزل میں بھی اتباع و رفاقت نبوی کے شرف سے سرافراز رہے۔

اگر رب رحیم اپنی رحمت کی نظر اور مہر و شفقت کی نگاہ اصحابؓ رسولؐ کی طرف مبذول نہ فرماتے تو کسی انسان کا ان سنگین مراحل اور سخت منازل میں ثابت قدم رہنا ناممکن تھا اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب نبیؐ کی برکت سے ان حضرات پر مخصوص نظر کرم فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں ان قدوسیوں سے یہ مافوق العادت شاہکار اور عظیم کارنامے انجام پذیر ہوئے رضی اللہ عنہم اجمعین!

رسولؐ اور اصحابؓ رسول میں تفریق نہیں کی جاسکتی

ان ارشادات ربانی سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوکر

لے تفسیر بیان القرآن از حضرت تھانوی رحمہ اللہ!

سامنے آگئی کہ ایمان و اسلام ہو یا ہجرت و جہاد، جنگ ہو یا صلح، دعوت و تبلیغ ہو یا عمل و اطاعت، اطمینان و سکینت ہو یا انقباض وعسرت، دکھ ہو یا سکھ، معاذ اللہ ہلاکت ہو یا رحمت سفر ہو یا حضر دنیا ہو یا آخرت!

ہر جگہ اصحابؓ رسولؐ کے ساتھ ہیں۔ اور ہر حالت میں یارانؓ نبیؐ نبی کے رفیق و یار ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

پھر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور رسول کی معصیت خدا کی معصیت، اسی طرح صحابہ کرام رضؓ کی ولایت و محبت[1] رسول اور خدا کی ولایت و محبت اور ان کی رویت[2] خدا اور رسول کی رویت ہے۔

رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ میں تفریق کرنا کفر و منافقت ہے

جس طرح ایمان لانے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان اور رسولوں رسولوں کے درمیان فرق و امتیاز کی اجازت نہیں دیتے اور سب پر برابر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح اپنے رسولؐ اور رسولؐ کے صحابہؓ کے درمیان جدائی و افتراق اور

---

[1] ملاحظہ ہو نمبر ۵-۶ صفحہ ۱۷۰ [2] ملاحظہ ہو نمبر ۹ صفحہ ۱۷۰۔

صحابہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے درمیان فرق و امتیاز کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

(۱) ارشاد ہوتا ہے :- سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم ان اللہ لا یھدی القوم الفسقین ہم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا وللہ خزائن السموات والارض ولکن المنفقین لا یفقہون ۰ پارہ ۲۸ منافقون

ان (منافقوں) کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتے۔ یہ وہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس رہتے ہیں۔ ان پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ منتشر ہوجائیں اور زمین و آسمانوں کے سب خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ ولیکن منافقین (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے!

ایک نکتہ :- یہاں یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہیئے کہ مومن ہر حال میں رسول کے ترین و قریب رہتا ہے۔ اور کسی حالت میں بھی دامن رسول کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، بخلاف اس کے منافق خود بھی حضور سے دور دور رہتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی بارگاہ رسول سے متفرق و منتشر کرنے کے وسائل سوچتا اور منصوبے باندھتا رہتا ہے۔

اس حقیقت ثابتہ کے پیش نظر ان لوگوں کو اپنا مقام سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو یاران رسول کو بارگاہ رسول سے

دور کرنے کی کوشش میں رات دن مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ اور جن کی "دینی" سرگرمیوں کا طول و عرض یہی ہے۔ کہ کسی طرح حضرات صدیق رضؓ وفاروق رضؓ اور عثمان رضؓ وغیرہم اصحابؓ رسول ؐ کو رسول سے منقطع کر دیا جائے اور ان قدسیوں کو کسی طرح عشاقِ نبی کے دائرے سے خارج کر دیا جائے اور جس طرح بھی بن پڑے ان کا رشتہ وجودِ با جود رحمت عالم سے کاٹ دیا جائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ کرام کا یہ "تماشہ" دیکھنے والے سوچ لیں کہ کہیں وہ "گھر پھونک تماشہ دیکھا" کا مصداق تو نہیں بن رہے اور ان کو اصحابؓ رسول کو رسول ؐ سے دور کرنے کی سعی نا مشکور کرنے سے پیشتر ذرا غور کر لینا چاہیئے کہ وہ خود کس مقام پر کھڑے ہیں؟

(۲) رسول ؐ اور اصحابؓ رسول ؐ کو ایک دوسرے سے جدا کرنیکی کوشش کرنا منافقین کا شیوہ تو ہے ہی کفار و مشرکین نے بھی عارضی طور پر ذات پاک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ پاک کو جدا کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ "موضح القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں ـــ "کافروں میں بعضے سرداروں نے حضرت سے کہا کہ تمہاری بات سننے کو دل چاہتا ہے لیکن تمہارے پاس بیٹھتے ہیں رذالے ہم ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس پر یہ آیت اتری" ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداوۃ والعشی یریدون وجہہٗ (پارہ ۷ سورۃ الانعام ۶۶)

دالے میرے رسول مقبول) جو لوگ صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں

اسی کی رضا چاہتے ہیں آپ انہیں (رؤسار کفار وصنادید قریش کے کہنے پر) اپنے سے دور نہ کیجئے! یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام کے ایمان لانے اور عبادتِ الٰہی کرنے سے کوئی دنیوی غرض وابستہ نہیں، بلکہ اس سے ان کا مقصود و مطلوب تحصیل رضائے الٰہی ہے ان کی پوری زندگی تکمیل احکاماتِ ربانی کا نقشہ اور نمونہ ہوتی ہے رضی اللہ عنہم! بالکل یہی مضمون دوسری جگہ بھی آیا ہے۔

(۳) واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عينك عنهم ج تريد زينة الحيوة الدنيا ج ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هوىه وكان امره فرطاً ہ و قل الحق من ربكم قف فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر (پارہ ۱۵ سورۂ کہف ع ۴)

(اے رسول معصوم) آپ اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ پابند رکھئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا مندی کے لئے کرتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں، دنیوی زندگی کی رونق کے پیش نظر!

اور ایسے شخص کا کہا نہ مانئے۔ جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اور وہ بندۂ نفس و ہوا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے!

اور آپ فرما دیجئے کہ یہ (دین) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے جس کا جی چاہے ایمان لے آئے۔ اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

"ایک کافر حضرتؐ کو سمجھانے لگا کہ اپنے پاس رذالوں کو نہ بیٹھنے دو کہ سردار تم پاس بیٹھیں، رذالہ کہا غریب مسلمانوں کو، اور سردار دولت مند

کافروں کو۔ اس پر یہ آیت آئی [1]۔

یہ ایک سبّ ہے جو ایک کافر مشرک کی طرف سے صحابہ کرامؓ کے خلاف کیا گیا۔ رب العزت نے فوراً اس گستاخی کا جواب دیا۔

(۱) اصحابِ رسولؐ کے اخلاص کی تعریف فرمائی (۲) ان حضرات کو سبّ و شتم کرنے والے ان کی تحقیر کرنے والے کافر و مشرک کی پُر زور مذمت فرمائی اور (۳) اپنے محبوبؐ رسول کریم کو حکم فرمایا کہ مبادا آپ اس خیال سے کہ رئیس اور سردار کفار کے مسلمان ہو جانے سے اسلام میں زور و قوت اور دین میں رونق و زینت پیدا ہو جائے گی۔ جس سے اشاعتِ اسلام میں مدد ملے گی۔ ان مخلصین کاملین، و طلبگارانِ رضائے حق و متلاشیان خوشنودی مولا کو اپنے فیض صحبت سے محروم فرما دیں۔ آپ ان کی تحقیر کرنے والے کسی کافر و مشرک کا کہنا قطعاً نہ مانیے، اس نفس کے پجاری کی درخواست کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیجئے۔ اور صاف صاف اعلان فرما دیجئے کہ تم میرے پاس آؤ یا نہ آؤ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں اپنے اصحاب کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔

اللہ اللہ! اللہ کریم کو اپنے محبوب کریم کے عشاق و اصحاب کی خاطر کتنا منظور اور دلداری کتنا ملحوظ و مقدم ہے۔ کہ دنیا کی ایمان لانے کی پیش کش کو مسترد کر دیا جاتا ہے لیکن انہیں چند منٹ کے لئے بھی حضورؐ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے اسلام کے چہرے پر جمال و بہار آئے یا نہ آئے۔ حضورؐ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ اپنی ذات کو

---

[1] "موضح القرآن" از امام المفسرین حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلویؒ

ان کے ساتھ عقیدۃً وابستہ فرمالیجئے۔ انہی کے ساتھ ہمہ وقت نشست وبرخاست اور مصاحبت ومجالست رکھئے اور کسی دینی مفاد اور اسلامی نفع وغرض کے پیشِ نظر بھی انہیں اپنے دیدار اور فیوض وبرکاتِ مجلس وصحبت سے محروم نہ فرمائیے! اللہ اللہ! کیا شان ہے یارانِ رسول کی کہ دینی مفاد ومصالح کو بھی انکی دلداری وتسکینِ قلب اور خوشی ومسرت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔

ایک عجیب نکتہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہؓ کے ساتھ صبرِ نفس کا حکم ہے۔ مگر کب تک؟ اس دنیا میں موجودگی تک! اس عالمِ فانی سے تشریف لے جانے اور عالمِ جاودانی کو رحلت فرما ہونے کے بعد حضورؐ یقیناً اس حکم کے مکلف نہیں۔ اور سبز گنبد مدینہ میں محوِ استراحت ہونے کے بعد نہ تو حضرات عثمانؓ وعلیؓ فیضِ صحبت وطولِ مجالست سے مشرف ہیں نہ ازواجِ مطہرات اور نہ بناتِ رسولؐ نہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اجمعین غرض آج کوئی بھی اس شرف سے مشرف نہیں سوائے دو اشخاص کے! پوری کائنات میں صرف دو خوش بخت ونیک نصیب بزرگ ایسے ہیں جو بعد انتقال بھی حضورؐ سے دور نہیں اور گنبد خضرا میں ذاتِ پاک محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریں وجلیس ہیں، اور آغوشِ رسالت میں قرب وجوار کے مزے لے رہے ہیں۔ بھلا بتاؤ تو کون؟ حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما حل ہو گئی! اب تک جو دنیا جو دو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب وبعد کا سوال تھا۔ کفار ومشرکین اور منافقین ملعونین سب کی کوشش یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کی ذات سے کٹ کر دور ہو جائیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان سب کے منصوبوں کو خاک

یں بنا کر صحابہ کرام کو دامنِ رسولؐ سے وابستہ رکھا۔ اور خود حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاکید شدید و باہتمام خاص حکم فرما دیا کہ ان مخلصین کے ساتھ اپنی ذات کو مخصوص اور ان ہی پر اپنی تمام تر توجہات کو مرکوز کر دیجئے۔

لیکن اب اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا۔ اور فرمایا کہ آپ کی پیاری پیاری آنکھیں ہمہ وقت ان ہی صحابہ پر مبذول رہیں اور آپ کی میٹھی میٹھی نظریں ان اصحابؓ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف بھولے سے بھی نہ اٹھیں۔

۵۔ ایک دفعہ حضور نے ایک دینی مصلحت اور تبلیغی غرض سے ایک صحابی رضؓ کو نظر انداز کر کے بعض عمائد کفار و مشرکین کی طرف متوجہ رہے تو غیرت حق جوش میں آ گئی۔ اور فوراً وحی نازل ہوئی۔

عبس وتولّٰی ۰ ان جآءہ الاعمٰی ۰ وما یدریك لعلہ یزکّٰی ۰ او یذکر فتنفعہ الذکرٰی ۰ اما من استغنٰی ۰ فانت لہ تصدّٰی ۰ وما علیك الا یزکّٰی ۰ واما من جاءك یسعٰی ۰ وھو یخشٰی ۰ فانت عنہ تلھّٰی ۰ کلا انھا تذکرۃ ۰ فمن شاء ذکرہ ۰

(پارہ ۳۰ سورۃ عبس)

پیغمبر چیں بجبیں ہو گئے اور منہ (مبارک) موڑ لیا، اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ (آپ کی توجہ و تعلیم سے اور زیادہ) پاک ہو جاتا، یا

وہ نصیحت حاصل کرتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی۔
جو شخص بے پروائی کرتا ہے، آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں، حالانکہ آپ پر اس کے پاک نہ ہونے کا کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس (دین سیکھنے کے شوقِ فراواں میں) دوڑا دوڑا آیا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے۔ آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (آئندہ) ایسا ہرگز نہ کیجئے۔ قرآن تو سراپا نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرلے۔

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض رؤسا مشرکین کو سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھنا شروع کیا۔
یہ قطع کلام آپ کو ناگوار گزرا۔ اور آپ نے ان کی طرف التفات نہ فرمایا اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بہ جبیں ہوئے جب آپ اس مجلس سے اُٹھ کر گھر جانے لگے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں، اس کے بعد جب حضرت عبداللہ بن ام مکتوم آپ کے پاس آتے تو آپ بڑی خاطر کرتے ھذہ الروایات کلها فی الدر المنثور[1]

"روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ نابینا آپ کی خدمت میں آتا آپ بہت تعظیم و تکریم سے پیش آتے اور فرماتے

---

[1] تفسیر بیان القرآن از حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ۔

مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی[۱]

اب دیکھئے!

۱- حضورؐ سرداران قریش کو پہلے سمجھا رہے ہیں یہ حضرتؓ بعد میں آتے ہیں

۲- خود قرآن شاہد و مظہر ہے کہ حضورؐ کی ان روساء کفر سے کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تھی بلکہ آپ انہیں دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور ان کے تزکیۂ نفوس و تصفیۂ قلوب میں ساعی و کوشاں تھے

نبی کا مقام ہی یہی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی جد وجہد اور کاوش و کوشش میں تن بدن ان کا جلتا ہے اور دین خدا کا پھیلتا ہے ؎

میں ان کے مطلب کی کہہ رہا ہوں — زبان میری ہے بات ان کی
میں ان کی محفل سنوارتا ہوں — چراغ میرا ہے رات ان کی

اگر کوئی اس مقام پر نہیں اور تبلیغ دین و دعوتِ اسلام کو جلب منفعت اور ذاتی اغراض کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ نبی کہاں؟ وہ تو سراپا توہین نبوت ہے، بلکہ ننگ انسانیت!

۳- پھر آپ کو دعوت و تبلیغ میں جو انہماک و اشتغال تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، قرآن گواہ ہے کہ آپ کفار کی ہدایت میں اپنی جان تک کی پرواہ نہ فرماتے تھے۔

۴- پھر حضورؐ کو یہ بھی خیال ہوگا کہ اگر یہ عمائد قریش اسلام قبول کر لیں

---

[۱] حاشیہ قرآن مطبوعہ مدینہ پریس بجنور از حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ

تو ان کے ذریعہ سے سارے عرب میں اللہ کا دین پھیل جانے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

۵۔ پھر وہ صاحب اپنے ہیں، ہر وقت حضورؐ کی خدمت میں رہتے ہیں، اب نہیں تو تھوڑی دیر بعد آپ سے پوچھ لیں گے؟ انہیں حصولِ تعلیم و تہذیبِ نفس کے ہزار مواقع میسّر ہیں۔ اور یہ لوگ اتفاق سے آئے ہوئے ہیں۔

۶۔ پھر ان سرداروں سے کلام جاری ہے۔ سلسلۂ کلام ہنوز منقطع نہیں ہوا وہ حضرت آتے ہیں اور جھٹ سے درمیان میں بول پڑتے ہیں نزاکتِ مزاج و لطافتِ طبع سے قطع نظر، دینی مفاد اور تبلیغی اغراض کے علاوہ مجلسی آداب اور وضع داری کا تقاضہ تھا کہ حضورؐ منقبض ہوئے مگر زبان سے پھر بھی کچھ نہیں فرمایا البتہ اس انقباض کے آثار جبینِ نبوت پر پدیدار ہو گئے۔

خدا لگتی کہئے کہ اس میں نبیؐ کا قصور کیا ہے؟ لیکن اس میاں سے کون پوچھے؟ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں دم مار سکے۔ وہ مالک ہیں جو چاہیں کریں یہ تمام مصالح تسلیم! حالات کے یہ تمام تقاضے بسر و چشم! مگر یہ تمام مصالح و تقاضے قربان ہیں حضورؐ کے ایک صحابی رضؓ کی خاطر داری و دِل جوئی پر، سارے عرب کے اسلام لانے کے روشن امکانات ایک طرف! اور حضورؐ کے ایک عاشقِ صادق کی دلداری ایک طرف!

اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی حضورؐ کے کسی صحابی کی دل شکنی کا تصور بھی تو نہیں فرما سکتے یہاں تو ہر وقت غلامانِ محمدؐ کی تسکین و تسلی مطلوب و منظور ہے سے

ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے !
ہر وقت ہے دل جوئی ہر دم ہیں مدارتیں (مولانا محمد علی جوہر مرحوم)

عتاب یا محبوبانہ انداز؟

یہ بظاہر تو عتاب ہے لیکن درحقیقت خاص محبوبانہ انداز ہے اس سے زیادہ:-

۱- حضورؐ کے نیت تکرم کی دلیل اور کیا ہوگی کہ بوقت عتاب بھی شکایت رُو برُو نہیں فرماتے۔ آغازِ کلام میں صیغہ غائب سے ارشاد فرماتے ہیں۔

پھر اس اندازِ خطاب و اسلوب بیان سے اعراض و عدم التفات کا شبہ ہوتا تھا تو اس کے ازالہ کے لئے بعد میں خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا۔

۲- عبد اللہؓ بن ام مکتوم کا جو یہ اعزاز و اکرام؛ ور تعظیم و تکریم، خاطر و مدارات اور دل جوئی و دلنوازی ہو رہی ہے یہ عبد اللہ بن ام مکتوم کون ہوتے ہیں؟ یہ سب کچھ اسی لئے تو ہے کہ وہ حضورؐ کے صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین

انہیں یہ شان ملی ہے تو حضوری کی غلامی کی بدولت۔

صحابہ کرام کے ایک ایک فرد پر پورے عالم کفار کے مستقبل کو

قربان کیا جارہا ہے تو کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ غلامانِ محمدؐ ہیں اور حضور کی غلامی کے صدقہ میں ان کے سینے امانت توحید کے خزینے ہیں ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

ان کی یہ دل جوئیاں و دل داریاں محض اس لئے ہیں کہ ان کے عزائم بلند ہیں یہ اخلاص و اطاعتِ کاملہ کے نمونہ ہیں اور ان کا مرنا جینا سب خدا کے لئے ہے۔ مگر یہ سب انہیں کہاں سے نصیب ہوا؟ در مصطفےٰ سے صلی اللہ علیہ وسلم جناب اسد ملتانی نے کیا خوب فرمایا:- ؎

زمیں پہ جھک کے جو عرش بریں پہ پہنچی تھی — ہمیں بلندیٔ مقصد اسی جبیں سے ملی
خدا کے واسطے جینا بھی اور مرنا بھی! — یہ تربیت عجب انداز دل نشیں سے ملی

صرف صحابہ کرام رضؓ کی ذات تک محدود نہیں پوری ملت اسلامیہ کی شان حضورؐ کی رہینِ منّت اور ممنون احسان ہے اور پوری کائنات کی عزت و آبرو اور گلستانِ عالم کی رونق و بہار حضورؐ ہی کے دم قدم سے ہے ؎

ہوئی رسول سے ملت کو زندگی حاصل — اگرچہ فرد کو جاں، جان آفریں سے ملی
محمدِ عربی سے ہے آبروئے جہاں — کہ اس مکان کو عزت اسی مکیں سے ملی

تو صحابہ کرام رضؓ کو یہ قدر و منزلت یہ عزت و سعادت ——— کہ ان کی

خاطر و دل داری کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کی ذات پاک کو بظاہر عتاب ہو رہا ہے ——— اگر ملی ہے تو محض وابستہ دامانِ رسالت پناہ ہونے ہی کی وجہ سے ملی ہے اور یہ سارا فیضان ہے سید دو جہان کا صلے اللہ علیہ وسلم ؎

اسد فیوضِ درِ مصطفےٰ کا کیا کہنا؟
بشر کو جو بھی سعادت ملی یہیں سے ملی

بہر حال کفر و نفاق نے صحابہ کرام رض کو رسولِ کریم ص سے جتنا الگ اور جُدا کرنے کی کوشش کی اللہ تعالےٰ نے اتنا انہیں دامنِ رسالت سے مربوط و وابستہ فرما دیا اور اس ربط اور وابستگی کی ذمہ داری بھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ ڈال دی اصحابؓ رسول اور زیادہ حضور کے قرین و قرب بلکہ اقرب ہو گئے ؎

گھبرا کے اور آپ کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

بنی اسرائیل کی شرمناک کوشش

آپ یہ معلوم کر کے سراپا حیرت و استعجاب بن جائیں گے کہ دنیا تو دنیا عالمِ برزخ میں بھی کفر نے اصحابِ رض رسول ص کو رسول ص سے جدا کرنے کی ناپاک کوششوں اور رسوائے عالم سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رکھا اور رؤسائے مشرکین

وکفار و منافقین کے علاوہ بنی اسرائیل نے بھی حضور کو صحابہ رض (شیخین رض) سے دور کرنے کی نابکار سعی کی۔

علامہ سمہودی رح کی مشہور و معروف کتاب وفاء الوفاء سے ماخوذ ہے کہ:۔

"ایک رات سلطان نورالدین نے خواب میں سرکار دو عالم روحی فداہ کو دیکھا کہ دو گورے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں" اے نورالدین! مجھے یہ دو کتے تنگ کر رہے ہیں اور تو بے خبر سو رہا ہے"

چھٹی صدی ہجری میں شام کے ساحل پر مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہنگامہ کارزار گرم ہے، خوں ریز جنگیں ہو رہی ہیں۔ ایک طرف پورا یورپ ہے، اور دوسری طرف تن تنہا مردِ مجاہد سلطان نورالدین! اللہ تعالیٰ نے ہر معرکہ میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور عیسائی نہایت بری طرح شکست کھاکر روسیاہ ہوئے۔

اب عیسائیوں نے سوچا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس مدینہ طیبہ سے نکال لے جائیں۔ تو مسلمانوں کا یقین اپنے دین سے متزلزل ہو جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی موجودہ عقیدت کمزور پڑ جائے گی اور وہ اس بے جگری سے نہیں لڑ سکیں گے، اس ناپاک مقصد کی تحصیل کے لئے جو ملعون منصوبہ باندھا جو مردود سازش کی اس کے تصور سے انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

فاضل محقق حضرت مولانا محمدؒ زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"سلطان نورالدین عادل بادشاہ متقی اور صاحب اوراد وظائف تھے۔ رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظائف میں خرچ ہوتا تھا، ۵۵۷ھ میں ایک شب تہجد کے بعد سوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضور اقدسؐ نے دو کیری آنکھوں والے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر سلطان سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی، فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نوافل پڑھ کر دوبارہ لیٹے تو معاً آنکھ لگی اور یہی خواب بعینہ دوبارہ نظر آیا۔ پھر جاگے اور وضو کر کے نوافل پڑھے پھر لیٹے اور معاً آنکھ لگنے پر تیسری مرتبہ پھر یہی خواب نظر آیا۔ تو اٹھ کر کہنے لگے کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں فوراً رات ہی کو اپنے وزیر کو بلایا۔ اور سارا قصہ سنایا، وزیر نے کہا کہ اب دیر کی کیا گنجائش ہے۔ فوراً مدینہ طیبہ چلئے۔ بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی اور وزیر اور ۲۰ نفر مخصوص خدام کو ساتھ لے کر تیز رو اونٹنیوں پر بہت سا سامان اور مال ومتاع لدوا کر مدینہ طیبہ کو روانہ ہو گئے، اور دن رات چل کر سولھویں دن مدینہ طیبہ پہنچے۔ مدینہ طیبہ سے باہر غسل کیا۔ اور نہایت ادب احترام سے مسجد شریف میں حاضر ہوئے، اور روضۂ جنت میں دو رکعت نفل پڑھی، وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں اور اہل مدینہ پر بخشش اور اموال بھی تقسیم ہوں گے اور بہت بڑی

دعوت کا انتظام کیا جس میں سارے اہل مدینہ کو مدعو کیا۔
بادشاہ عطا کے وقت بہت گہری نگاہ سے لوگوں کو دیکھتے رہے
سب اہل مدینہ یکے بعد دیگرے آکر عطائیں لے کر چلے گئے، مگر وہ دو شخص
جو خواب میں دیکھے تھے نظر نہ آئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی اور باقی رہا
ہو تو اس کو بھی بلا لیا جائے معلوم ہوا کہ کوئی باقی نہیں رہا۔ بہت غور و خوض
اور بار بار کہنے پر لوگوں نے کہا کہ دو نیک مرد مغربی بزرگ ہیں، وہ کسی
کی کوئی چیز نہیں لیتے خود بہت کچھ صدقات خیرات اہل مدینہ پر کرتے
رہتے ہیں، سب سے یک سو رہتے ہیں۔ گوشہ نشین آدمی ہیں، بادشاہ
نے ان کو بھی بلوایا، اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دونوں ہیں جو خواب
میں دکھائے گئے تھے، بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو کہنے لگے
مغرب کے رہنے والے ہیں حج کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ حج سے
فراغت پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس کے پڑوس میں
پڑے رہنے کی تمنا ہوئی، تو یہاں قیام کر لیا، بادشاہ نے ان کی قیامگاہ
پوچھی، معلوم ہوا کہ روضہ اقدس کے قریب ہی مقیم ہیں، بادشاہ نے
ان کو تو وہیں روکے رہنے کا حکم دیا اور خود ان کی قیام گاہ پر گیا، انکے
مصلے کو جو ایک بوریئے پر بچھا ہوا تھا اٹھایا، اس کے نیچے ایک پتھر
بچھا ہوا تھا اس کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ایک سُرنگ نکلی جو بہت
گہری کھودی گئی تھی اور بہت دور تک چلی گئی تھی۔ حتیٰ کہ قبر اطہر مقدس
کے قریب تک پہنچ گئی تھی، یہ دیکھ کر سب دنگ رہ گئے، بادشاہ

نے ان کو غصہ میں کانپتے ہوئے پیٹنا شروع کیا، کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ
انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں نصرانی ہیں اور عیسائی بادشاہوں سے
بہت سا مال ان کو دیا ہے اور بہت زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے
تاکہ قبر اطہر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو لیجائیں
وہ دونوں رات کو اس جگہ کو کھودا کرتے اور جو مٹی نکلتی اس کو
چمڑے کی دو۲ مشکوں میں بھر کر رات ہی کو بقیع میں ڈال آیا کرتے تھے
بادشاہ اس بات پر کہ اللہ جل شانہٗ نے اس خدمت کے
لئے ان کو منتخب کیا ہے بہت روئے اور دونوں کو قتل کرایا،
اور حجرۂ شریفہ کے گرد اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی تک
پہنچ گئی، اور اس میں سیسہ پگھلا کر بھروا دیا تاکہ جسدِ اطہر تک
کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔

(فضائل حج ۱۶۱/۱۶۲ از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث
مظاہر العلوم سہارنپور بحوالہ وفاء الوفا)

تو جس طرح کفار و منافقین اس دنیا میں حضور محبوبِ خدا
کو آپ کے محبوب صحابہ رض سے جدا نہ کر سکے۔ اپنے منصوبوں
میں کامیاب نہ ہو سکے، اسی طرح عالم برزخ میں نصاریٰ بھی
اپنے اس ملعون مقصد اور مردود سازش میں کامیاب نہ ہو سکے!
اور جس خدا نے اس دھرتی کے اوپر گل و بلبل اور شمع و پروانہ میں
جدائی و علیحدگی اور بُعد و افتراق گوارا نہ فرمایا اس خدا نے

زیرِ زمین بھی اسے گوارا نہ فرمایا۔

حضور رسول کریمؐ اور اصحابِ کرامؓ جس طرح اس دارِ فانی میں باہم سِلے جلے اور یک جان دو قالب رہے۔ اس طرح عالمِ برزخ میں بھی باہم دگر ہم آغوش و ہم کنار رہیں گے، اور اسی طرح انشاء اللہ عالمِ جاودانی میں بھی! ان میں تفریق و جدائی نہ تو اللہ تعالےٰ کو دنیا میں منظور ہے نہ قبر میں اور نہ ہی آخرت میں ٭

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ و حضرت فاروق اعظم رضؓ

یوں تو سب صحابہ کرام رضؓ حضور کریمؐ کے حبیب و قریب ہیں، اور اللہ تعالیٰ حضورؐ اور ان کے درمیان دوری و مہجوری اور مفارقت و جدائی گوارا نہیں فرماتے۔ لیکن حضرات شیخین رضؓ کو حضورؐ سے جو تقرب حاصل ہے۔ وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

انوار و لمعات تقرب کی چند جھلکیاں

۱۔ قرب و وصل رسولؐ: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں حضرت صدیقؓ و فاروق رضؓ کو اپنے ساتھ شامل رکھتے ہیں اور کسی حالت میں بھی ان کو اپنے سے جدا نہیں فرماتے۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے جنازہ کو تختے پر رکھا گیا میں لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا پس سب نے عمر رضؓ کے لئے دعائے خیر کی، اس وقت ایک شخص نے میرے پیچھے سے میرے کندھے پر اپنی کہنی رکھ کر کہنے لگا عمر! خدا آپ پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

آپ کو آپ کے دونوں دوستوں (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ) کے ساتھ اکٹھا کر دے گا، کیونکہ میں نے اکثر و بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

یقول کنتُ وابوبکر وعمر وفعلتُ وابوبکر وعمر وانطلقتُ وابوبکر وعمر ودخلتُ وابوبکر وعمر وخرجتُ وابوبکر وعمر۔

حضورؐ فرماتے کہ میں تھا اور ابوبکر و عمر، اور میں نے یہ کام کیا اور ابوبکر و عمر نے۔ اور میں گیا اور ابوبکر و عمر اور میں داخل ہوا اور ابوبکر و عمر، اور میں خارج ہوا اور ابوبکر و عمر (یعنی آپ اپنے ہر کام میں حضرت صدیقؓ و فاروقؓ کو اپنے ساتھ شریک رکھتے اور ہر بات میں اپنے ذکر مبارک کے ساتھ ان حضرات کا ذکر فرماتے تھے) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے توجہ کی تو وہ علی بن ابی طالب تھے۔ (جو یہ فرما رہے تھے) صحیح بخاری و صحیح مسلم (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہما)

۲۔ قربِ رُوحانی و وصلِ ایمانی! | صرف جسمانی قرب و معیت ہی نہیں۔ ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی و ایمانی قرب و وصل کا بھی خاص امتیازی مقام حاصل تھا۔

۱؎ یہ روایت صحیح بخاری اور مسند احمد میں متعدد سندوں سے موجود ہے۔ مستدرک حاکمؒ اور کتاب الآثار امام محمدؒ میں بھی ہے۔

بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ما فوق العادت امر مثلاً تکلم حیوانات پر اپنے یقین کا اظہار فرمایا تو حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی عدم موجودگی میں انہیں بھی اپنے یقین و ایمان میں شامل فرمالیا۔ فرمایا اومن بہ انا و ابوبکر و عمر[1] حضرت صدیق و فاروق کی غیر حاضری میں حضورؐ کا ان کی طرف سے ان کے ایمان کی شہادت دینا اس کمال اعتماد و وثوق کا مظہر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قدوسیوں کی ذات اور ایمان کامل پر تھا۔ حضورؐ سے قرب روحانی و وحدت ایمانی کا یہ وہ اعزاز عظیم و شرف جلیل ہے جس میں کوئی بھی ان حضرات کا شریک و حریف نہیں رضی اللہ عنہما۔

---

[1] عن ابی ھریرۃ ... فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانی اومن بہ انا و ابوبکر و عمر وما ھما ... فقال اومن بہ انا و ابوبکر و عمر وما ھما (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ دگائے کے بولنے کے ذکر کے سلسلے میں) حضورؐ نے فرمایا میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی ایمان لاتے ہیں اور اس وقت دونوں وہاں موجود نہیں تھے (اسی طرح بھیڑیا کے تکلم کے بارے فرمایا میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس پر ایمان لائے حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہ تھے (بخاری مسلم، مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ

۴۔ خوش قسمتی کی انتہا!

بہر کجا ناز سر بر آرد نیاز ہم پائے کم ندارد
تو و خرامے و صد تغافل من و نگاہے و صد تمنا

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو سوائے ابوبکرؓ و عمرؓ کے کوئی شخص بھی سر اونچا نہیں کر سکتا تھا، یہ دونوں (حضرات) آپ کو دیکھ کر مسکراتے تھے اور حضورؐ ان کو دیکھ کر تبسّم فرماتے تھے لے۔

سُبحانَ اللہ! کتنے نیک بخت و خوش نصیب ہیں یہ حضرات! جن کی آنکھیں ہمہ وقت دیدارِ جمال سے ٹھنڈی رہیں۔ بوقتِ زیارت جوشِ مسرت سے جن کے رخساروں پر ہنسی بکھر جائے اور وفورِ انبساط سے جن کے لبوں پر تبسّم کھیل جائے۔ اور کوئی حد و انتہا ہے ان حضرات کی سعادت و خوش قسمتی کی! جنہیں دیکھ کر محبوبِ خدا امام الانبیاء مسکرا دیں۔ اللہ اکبر!

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دریائے محبت میں طوفان و تلاطم!

پھر یہ بھی تو سوچو کہ ان حضرات کے قلب میں محبت رسول کا

لے مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر و عمرؓ رواہ الترمذی روایت کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں
لم یرفع احدٌ راسہٗ غیر ابی بکر و عمر کانا یتبسمان الیہ و یتبسم الیہما

بحرِ موّاج کس طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہ یہ اپنے عشق کو چھپا نہیں سکتے ان کا جذبۂ شوق دیدار ضبط و صبر کی حدود سے منزلوں آگے نکل چکا ہے۔

تبسّم کے اس خاموش سازِ پر عشق و محبت کے جو زمزمے رقصاں ہیں اور جذبِ دروں و غمِ دل کے جو نغمے پھوٹ رہے ہیں ہے کوئی جو انہیں سن سکے؟ ؎

آزاد سازِ دل پہ ہیں رقصاں وہ زمزمے
خود سن سکوں مگر نہ کسی کو سنا سکوں

لبوں کا تبسّم تو سب دیکھ لیتے ہیں لیکن دل کی کیفیتیں کون دیکھے؟

؎ مرے لبوں کا تبسم تو سب نے دیکھ لیا
جو دل پہ بیت رہی ہے وہ کوئی کیا جانے

آنکھیں بولتی ہیں!

درحقیقت آنکھ دل کی غمازی کرتی ہے دل کا جو راز ہوتا ہے وہ نظر سے آشکار ہو جاتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ واردات قلب، روداد محبت، اور حکایاتِ غمِ پنہاں سنانے کے لئے عرض معروض اور گفتگو کا وقت ملے۔

جب عرض نیاز و اظہار مدّعا کی فرصت نہیں ہوتی تو

آنکھیں طویل داستانِ درد پلک جھپکتے سُنا دیتی ہیں۔ ؎

فرصتِ عرضِ تمنا نہیں ملتی نہ ملے!
قصۂ شوق نگاہوں سے سُنانا ہے ہمیں

جب زبان کو یارائے بیان نہ ہو تو آنکھ کیفیاتِ دل بے کم و کاست بیان کر دیتی ہے ؎

آنکھ بن جاتی ہے دِل کی ترجمان
جب زباں میں تابِ گویائی نہ ہو

بہرحال اظہارِ محبت کے لئے تکلم کی ضرورت نہیں، نگاہوں سے بھی محبت جانی پہچانی جاتی ہے۔ ؎

ٹپکتی ہے نگاہوں سے برستی ہے اداؤں سے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی!

امتیازی شان! اس روایت سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی شانِ امتیاز واضح ہوتی ہے کہ ان کے سوا اور کسی کی مجال نہیں کہ آنکھ اٹھا کر جمالِ محبوب کا نظارہ کر سکے۔ سب بحضورِ رسالت سرفگندہ ہیں، اور یہاں یہ حال ہے کہ جمالِ جہاں آرا کی دید سے بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں لسانِ سکوت سے عشق کے افسانے اور محبت کے ترانے بھی سُنا رہے ہیں۔

؎ ترے حضور جنہیں کہہ سکے نہ گویائی
مرے سکوت نے دہرا دیئے وہ افسانے

غایت احترام و تکریم رسول ؐ

جمیع صحابۂ کرام کا یہ سکوت ان حضرات کے خلوص اور حضور کے غایت احترام و تعظیم کی دلیل ہے اس سے جذباتِ محبّت اور ابھرتے اور نغماتِ عقیدت اور مچلتے ہیں ؎

سکوتِ ساز سے نغمے مرا نہیں کرتے
ترے خلوص کو آب اور عام ہوتا ہے

۴۔ حضورؐ کی شفقت و محبّت

دہن کا غنچہ تب ہنستا ہے جب دل کی کلی کھلتی ہے،

یعنی قلب کے عمیق ترین گوشوں میں محبّت اور پیار کی کلی جیسی اگر ہر غنچہ دہن شگفتہ ہو گیا۔ ؎

ہر غنچہ کہ گل گشت دگر غنچہ نگردد طرفہ دہنِ یار کہ غنچہ گہے گل!

تو حضورؐ سراپا نور کے لب و رخسار کا تبسّم بار ہونا حضورؐ کے ان جذباتِ محبّت و اُلفت کا مظہر و غمّاز اور احساساتِ رأفت و رحمت کا آئینہ دار ہے جو حضرات شیخین رضہ کے متعلق قلبِ مصطفےٰؐ میں مضطرب و بے قرار ہیں ؎

دریائے محبت کی موجیں مصروف تلاطم پاتا ہوں
خاموش تبسّم کے لب پر جاں بخش تکلّم پاتا ہوں

ورنہ کسی کی کیا مجال ہے کہ حجاب نظر اٹھا کر جمالِ یار کا نظارہ کرے۔ ؎

کس کی مجال تھی کہ حجاب نظر اٹھائے!
وہ مسکرا کے آپ ہی دل کے قریب آئے

۵۔ مسندِ وزارت | پھر یہ ساتھ صرف دوستانہ اور یہ قرب محض یارانہ ... نہیں بلکہ یہ دونوں حضرات فرائض نبوت کی تکمیل و ادائیگی میں حضورؐ کے دست و بازو اور منصب رسالت کے سلسلہ میں آپ کے وزیر ہیں۔

اگر حضورؐ اقلیم دعوت و تبلیغ کے شہنشاہِ جہاں پناہ ہیں تو یہ حضرات مسندِ وزارت پر متمکن حضور کی نیابت کی کرسی پر جلوہ فرما ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں (گزرا) جس کے دو وزیر اہل آسمان اور دو وزیر اہل زمین سے نہ ہوں۔ میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبرئیلؑ و میکائیلؑ ہیں اور زمین والوں میں سے ابوبکر و عمر ہیں [1] رضی اللہ عنہما

۶۔ گنبدِ خضرا میں وصالِ ابدی | دنیوی زندگی میں تو جمیع اصحابِ رسول وصالِ رسول سے مشرف رہے، لیکن یہ فخر و شرف صرف حضرات

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر و عمر رواہ الترمذی۔

شیخینؓ کو حاصل ہے کہ وہ انتقال کے بعد بھی روضۂ اقدس میں اپنے محبوب سے ہم آغوش وہم کنار ہیں، اور قیامت تک وصالِ حبیب سے لطف اندوز و جمالِ یار سے بہرہ یاب ہو رہے ہیں اور شجرِ وفا کے ثمرِ شیریں کھا رہے ہیں ؎

تا ابد اندر برِ خواجہؐ ہیں صدیقؓ و عمرؓ
مظہرِ شانِ ولا ہے خوابگاہِ مصطفےٰؐ

ارض و سمار کی وسعتوں میں کون ہے جو اس اعزاز و شرف میں ان کا شریک و حریف ہو!

مدینہ طیبہ اور روضۂ اقدس کی شان

بیت اللہ بلکہ عرشِ معلّٰی سے بھی افضل

یہاں یہ عرض کر دینا موزوں و برمحل ہوگا، کہ جس ارضِ پاک وجوارِ رسول میں یہ حضرات مدفون و مامون ہیں اس کی شان کیا ہے۔ مدینہ طیبہ کی وہ زمین جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل ہے وہ بالاتفاق سب علماء کے نزدیک سب جگہوں سے افضل ہے، ابن عساکر قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے اس پر ساری امت کا اتفاق اور اجماع نقل کیا ہے۔ کہ یہ حصہ زمین کا بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے بلکہ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ عرشِ معلّٰی سے بھی افضل ہے۔

جس کی وجہ علماء نے یہ لکھی کہ آدمی جس جگہ دفن ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی سے ابتدا میں وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ تو گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک بھی اس مٹی سے بنا ہے۔
(شرح مناسک نووی رح)

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو زمین کا حصہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ملا ہوا ہے وہ ساری دنیا کی زمین سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ کعبہ کی زمین سے بھی افضل ہے۔ بلکہ ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا گیا ہے وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے (شرح مواہب)

عرش سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالے شانہٗ مکان سے بے نیاز ہے۔ اور زمین کے اس حصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک موجود ہے] "فضائل حج" ص۱۰۰ از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور)

خدا عرش پر مقیم نہیں یہ تصور کہ اللہ تعالے عرش معلیٰ پر بیٹھے ہوئے ہیں غلط ہے۔ کیونکہ: —

۱۔ اللہ خالق ہے عرش مخلوق! اگر اللہ کا مقام عرش ہے تو عرش کی تخلیق سے پہلے کہاں قیام تھا۔؟

۲۔ اللہ غیر محدود ہے اور عرش محدود! غیر محدود محدود میں کیسے

سما سکتا ہے؟ ارض و سما کی وسعتیں بھی یہاں ہیچ ہیں، وہ کہیں بھی نہیں سما سکتے اگر سما سکتے ہیں تو قلب مومن میں! ؎

ارض و سمار کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

حقیقت یہ ہے کہ رب سبحان جہت و مقام اور قعود و قیام سے پاک ہیں۔ وہ عرش و کرسی کیا! کہیں بھی متمکن نہیں۔

الظاہرُ والباطن

وہ مخفی و مکنون اور پردۂ بطون میں نہاں ہیں تو ایسے کہ سیدنا حضرت موسٰے علیہ السلام تک کو طور پر نظر نہیں آتے۔ ؎

کلیم غش میں ہے اور جل رہا ہے دامنِ طور
ابھی تو حُسن کا پہلا ہی پردہ اُٹھا ہے

اور ظاہر و عیاں ہیں تو ایسے کہ چاند سورج کی چمک، تاروں کی جھٹک کوندے کی لپک اور بجلی کی کڑک سے لے کر سبزے کی لہک، شاخوں کی لچک کلیوں کی چٹک پھولوں کی مہک اور بلبل کی چہک میں ہر صاحبِ نظر کو نظر آجاتے ہیں۔ ؎

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

پانی کا ہر قطرہ اور مٹی کا ہر ذرہ جمالِ قدرت کا آئینہ دار ہے۔

ع۔ ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا

گھاس کا ہر تنکا اسی کی قدرت کے ترانے سنا رہا ہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہ گوید

پھول کی ہر پتی میں اس کی شان تخلیق جلوہ گر ہے۔ ؎

علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود
گُل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہستؔ بُود

وہ پردہ و حجاب میں ہیں تو ایسے کہ کوئی نظر انہیں پا نہیں سکتی، وہ نگاہ کی رسائی سے دور اور بصیرت کی دسترس سے بالاتر ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔

اور بے پردہ و حجاب ہیں تو ایسے کہ ہر چشم بصیرت و دیدۂ دل انہیں عیاں دیکھ رہی ہے ؎

در پردۂ و برہمہ کس پردہ مے دری
باہر کسی و باتو کسے را وصال نیست

شرط دید صرف یہ ہے کہ انسان معرفت کی نظر سے دیکھے ظاہر کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتے ؎

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

وہ ہر دل میں بستے ہیں۔ وُہ نہیں ملتے تو کہیں بھی نہیں ملتے۔ جنگلوں بیابانوں، پہاڑوں، اور غاروں میں نہیں ملتے اور جب ملتے ہیں تو اپنے ہی پہلو میں مل جاتے ہیں ؎

تم اس قدر قریب کہ دل ہی میں مل گئے
میں جا رہا تھا دور کا ساماں کئے ہوئے

جستجو شرط ہے۔ جستجو کی جائے تو وہ جو کہیں نہیں ملتے دل ہی میں جلوہ فرما نظر آتے ہیں ؎

وہ یہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں   آئیے! دل میں جستجو کر لیں

غافل کو وہ اپنے دل میں نہیں مل سکتے ؎

وہ تیرا دل میں رہ کر آنکھ سے مستور ہو جانا
وہ میرا باوجودِ قرب تجھ سے دور ہو جانا

اور اہل دل کو ہر جگہ ہر دم روبرو نظر آتے ہیں، انہیں کسی جستجو کی ضرورت نہیں رہتی ؎

ہر دم جو روبرو ہے پھر اس کی جستجو ہے   یہ جستجو نہیں ہے توہینِ جستجو ہے

بہرحال ان کی شان یہ ہے کہ وہ نظر میں نہیں آتے مگر دل میں اتر جاتے ہیں ؎

تو دل میں تو آتا ہے نظر میں نہیں آتا
بس جان گئے ہم تری پہچان یہی ہے

ہاں! تو عرض یہ ہو رہا تھا کہ ربّ العزت عرش پر مقیم و مکیں نہیں حضرت علامہ اقبال رح اس حقیقت کو اپنے انداز میں بیان فرماتے ہیں ؎

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

ھاں! عرش پر ربّ العزت کے انوار و لمعات کی برسات اور

جلوؤں کی ارزانی ہے۔ خدا عرشِ معلّی پر قیام فرما نہیں اور گنبدِ خضرا میں محبوبِ خدا محوِ استراحت و آرام فرما ہیں، تو مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مقابلہ تو جب ہوتا کہ روضۂ اقدس میں حضور مقیم تھے اور عرشِ اعلیٰ پر خدا مقیم ہوتے۔ لیکن درحقیقت اس وقت بھی مقابلے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس وقت بالیقین عرشِ معلّی گنبدِ خضرا سے افضل و برتر ہوتا لیکن اب جبکہ اللہ تعالےٰ عرشِ اعلیٰ پر قیام فرما نہیں روضۂ رسولؐ کی فضیلت میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

اور اسی روضۂ رسول ریاضِ جنت میں حضرات شیخینؓ بھی پہلوئے رسولؐ میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔

سبحان اللہ! ان حضرات کی سعادت و خوش بختی کے کیا کہنے! کہ دنیا تو قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگی۔ اور یہ نیک نصیب اسی دنیا میں آغوشِ رسالت میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

طینتِ واحد

عرشِ اعلیٰ سے لحدِ اقدس کی افضلیت کی دوسری وجہ حضرات علمائے دین یہ فرما رہے ہیں کہ "آدمی جس جگہ دفن ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی سے ابتدا میں وہ پیدا کیا جاتا ہے تو حضور اقدس کا بدن مبارک بھی اسی مٹی سے بنا ہے" اس حقیقت کے پیشِ نظر تو حضرات

شیخین رض کی رفعتِ شان و عظمتِ مقام کی کوئی حد و انتہا نہیں رہی۔ کیونکہ جس مقدس مٹی سے حضور کا وجود اقدس تیار کیا گیا ہے اسی خاکِ پاک سے حضراتِ شیخین رض کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔ تو ان کی طینت اور رسول کی طینت میں وحدت ویگانگت پیدا ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں ان کی سیرتِ طیبہ و حیاتِ مقدسہ میں بھی یک رنگی و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

اللہ اللہ! اپنی صناعی اور صنعتِ تخلیق کا بہترین مظاہرہ کرنے کے لئے چشمِ قدرت نے جس مقدس جگہ کا انتخاب کیا اور دستِ قدرت نے جہاں سے حضور کے وجود پاک کے لئے پاک مٹی اٹھائی۔ اس مبارک و مقدس مقام کا نام ہے روضۂ رسول ص!

دستِ قدرت کے تین شاہکار

اس پاک مقام کی پاک مٹی سے صانع حقیقی نے اپنی صنعت کے تین مثالی نمونے اپنی قدرت کاملہ کے تین بے نظیر مظہر اپنی قوت تخلیق کے تین بے مثال شاہکار اور حسن عمل و جمالِ سیرت کے تین بے مثل پیکر تیار فرمائے ان میں سے ایک کا نام نامی اور اسم گرامی رکھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کا ابوبکر اور تیسرے کا عمر رضی اللہ عنہما۔ اس پاک مقام کی پاک مٹی سے ان تینوں حضرات کا خمیر اٹھایا گیا۔

اور اسی مقدس جگہ میں پھر تینوں کو سُلادیا گیا۔ علیھم الصلوٰۃ والسلام

قیامت تک اسی مقدس مقام میں خواب استراحت میں مشغول ہیں اور قیامت کے دن اسی پاک زمین سے اٹھائے جائیں گے، قولہٗ تعالیٰ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃً اخریٰ۔

بیتِ صدّیقہ رضؓ

کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ جس مقامِ مقدس کی یہ شان ہے وہ ہے کس کا؟ صاف بات ہے کہ یہ برتر از عرشِ بریں مقام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے۔ اپنے سب سے پیارے حبیبؐ کی سب سے پیاری حبیبہ کے گھر کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دنیا میں حضور کی آرام گاہ بنایا۔ بلکہ قیامت تک اپنے محبوب کی ابدی استراحت گاہ بنایا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرۂ مبارکہ خواب گاہِ مصطفےٰ ہے۔ جہاں شب و روز ہر ہر لمحہ خدا کی رحمتیں اور ملائکۃ اللہ اور مومنین صالحین کی رحمت کی دعائیں[1] موسلا دھار بارش کی طرح برستی رہتی ہیں۔

---

[1] ان اللہ وملائکتہٗ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (پارہ ۲۲ سورہ احزاب ۷۶)

جہاں شہنشاہوں کی گردنیں ادب سے جھک جاتی ہیں۔ ؎
بادشاہان زمن کے سر یہاں ہوتے ہیں خم ٭ فقر فخری کی بنا ہے خواب گاہ مصطفےٰ
اور اقلیم ولایت کے تاجداروں پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

پہلے مصرعہ کے مفہوم کو جناب شوقی نے بھی ادا کیا ہے۔ ؎

سر گروہِ خیل اربابِ نظر کا قول ہے!
عرش اعظم سے سوا ہے خوابگاہِ مصطفےٰؐ

حبیبۂ حبیبِ خدا کی رفعت شان اب سوال یہ ہے کہ جب مکان کی یہ شان ہے تو مکین کا کیا مقام ہوگا! جب کا شانۂ صدیقہؓ عرش معلیٰ سے افضل و اعلیٰ ہے تو حضرت صدیقہؓ کی عظمتِ شان و جلالت قدر کا کیا حال ہوگا؟ ع قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا
اگر کوئی کہے کہ روضۂ اقدس حضرت صدیقہؓ کا گھر نہیں کاشانۂ رسالت ہے تو عرض یہ ہے کہ قرآن تو اسے بیت عائشہؓ کہتا ہے۔ مکرر بیت عائشہؓ کہتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ
وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ
(پارہ ۲۲ سورۂ احزاب ع ۴)

اور (اے ازواجِ رضؓ مطہراتِ نبی!) تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو ... اور تمہارے گھروں میں آیاتِ الٰہیہ اور حکمتِ ربانیہ کی تلاوت کی جاتی ہے تم انہیں یاد رکھو۔

اللہ اللہ! ازواجِ مطہرات رضؓ کی بھی کیا شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کی تلاوت و تعلیم کے لئے ساری دنیا سے ان ہی کے مقدس گھروں کو چُن کر انہیں خزینۂ حکمت و مصدرِ ہدایت بنا دیا۔

تو ارشادِ ربانی اور صراحتِ قرآنی سے یہ بیت عائشہ رضؓ ہے۔ باقی اس سے انکار نہیں کہ قرآن کی اسی سورت (رکوع ۷) میں انہی بیوتِ مبارکہ اور ازواجِ مطہرات رضؓ کے حجراتِ مقدسہ کو بیوت النبیؐ بھی فرمایا گیا ہے۔ تو اس سے تو امہات المومنین رضؓ کی شان کو چار چاند لگ گئے۔ ان کی ذواتِ مقدسہ اور ذاتِ پاک رحمتِ عالمؐ میں وحدت و یگانگت پیدا ہو گئی یہ اندازِ بیان اور یہ اسلوبِ قرآن تو اس حقیقت کا مظہر ہے کہ زوجین طیبتین میں اتحاد کامل ہے کہ جن گھروں کو ازواجِ مطہرات کے گھر فرمایا انہی گھروں کو نبی کے گھر فرمایا اور جنہیں ایک دفعہ بیوت النبی بتایا دوسری جگہ انہی کو بیوتکن فرمایا۔

. . . .

فصل و انفصال کی ایک اور مردود کوشش

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ سے حضرات شیخین رضؓ کو دور نہیں کرنا چاہتے اور ہمیشہ ہمیشہ ان خوش نصیب و نیک بختوں کو آغوش رحمت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن شیطان کی کوشش یہ ہے کہ ان میں انشقاق وانفصال پیدا کیا جائے اسے یہ وصل وصال ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ جب یہ حضورؐ کو حضرات شیخین رضؓ سے جُدا نہ کرسکا تو اس ملعون نے حضرات شیخین رضؓ کو حضورؐ سے جُدا کرنے کی ایک اور مردود کوشش کی۔

"شیخ شمس الدین صواب جو خادمین حرم نبوی کے رئیس تھے کہتے ہیں کہ میرے ایک مخلص رفیق تھے جو امیر مدینہ کے یہاں بہت کثرت سے آیا جایا کرتے تھے ایک دن وہ رفیق میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج بڑا سخت حادثہ پیش آگیا۔ میں نے کہا کیا ہوا۔؟ کہنے لگے کہ حلب کے رہنے والوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے اور بہت سا مال رشوت کا امیر کو اس لئے دیا ہے کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک اجسام کو یہاں سے لے جانے پر مدد دے امیر نے اس کو قبول کر لیا۔ شیخ صواب کہتے ہیں کہ

یہ خبر سُن کر میرے رنج کی کوئی انتہا نہ رہی میں انتہائی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد مجھے بلانے آگیا میں وہاں گیا امیر نے مجھ سے کہا کہ آج رات کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے تم ان سے تعرض نہ کرنا اور وہ جو کچھ کریں ان کو کرنے دینا تم کسی بات میں دخل نہ دینا میں بہت اچھا کہہ کر چلا آیا مگر سارا دن حجرہ شریف کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گذر گیا۔ ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا۔ اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے، آخر عشا کی نماز سے فراغت پر جب سب آدمی چلے گئے اور ہم نے کواڑ بند کر لئے تو باب السلام سے کہ یہ دروازہ امیر کے گھر کے قریب تھا لوگوں نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا شروع کیا میں ان کو ایک ایک کر کے چپکے چپکے گن رہا تھا، چالیس آدمی اندر داخل ہوئے ان کے ساتھ پھاوڑے اور ٹوکریاں اور زمین کھودنے کے بہت سے آلات تھے وہ اندر داخل ہو کر حجرہ شریفہ کی طرف چلے خدا کی قسم منبر تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ایک دم ان کو مع ان کے سارے ساز و سامان کے زمین نگل گئی، اور نشان تک بھی پیدا نہ ہوا (فضائل حج ص ۱۶۲/۱۶۳ بحوالہ وفاء اول)

الحمد للہ کہ اس لعین و رجیم کی یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکی اور نہ قیامت تک کبھی کامیاب ہوگی۔ انشاء اللہ!

حشر و نشر میں بھی وصل و وصال

لطف تو یہ ہے کہ قیامت میں جو یوم نشر ہے۔ ان قدوسیوں کو حضورؐ سے وصل نصیب ہوگا۔ لوگ پروانوں کی طرح پریشان ہوں گے اور یہ اطمینان و انبساط سے بادۂ وصال کے خم پہ خم لنڈھا رہے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صدیقؓ و فاروقؓ کی معیت و مصاحبت صرف دنیا ہی میں نہیں روضۂ اقدس میں بھی ہے۔ اور روضۂ اقدس ہی میں نہیں، روضۂ اقدس سے نکلتے اور قبر مبارک سے اٹھتے وقت بھی یہ ساتھ برقرار رہے گا یہ صحبت و معیت قیامت کے دن نشر و حشر کے وقت بھی باقی رہے گی، اور انشاء اللہ جنت الفردوس میں بھی یہ ساتھ نہیں چھوڑے گا، فردوس بریں میں بھی ایک ساتھ داخل ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور (کاشانۂ رسالت سے) نکل کر مسجد میں داخل ہوئے اور ابوبکرؓ و عمرؓ آپ کے دائیں بائیں تھے، اور حضور نے ان دونوں کے ہاتھ (اپنے ہاتھ میں) پکڑے ہوئے تھے، فقال هكذا نبعث يوم القيامة (رواه الترمذی)

پس فرمایا ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے

جائیں گے[1] (ترمذی)

ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر (رواہ الترمذی) قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی۔ پھر ابوبکر کی پھر عمر کی[2]

جس ترتیب سے ریاض جنت روضہ اقدس میں داخل ہوئے تھے اسی ترتیب سے باہر تشریف لائیں گے۔ لیکن اس خروج عن القبور میں کوئی زیادہ وقفہ نہیں ہوگا برائے نام تھوڑا وقفہ ہوگا۔ پھر یہ دونوں محبّ اپنے محبوب کے مقدس ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر میدان حشر میں جلوہ فرما ہوں گے۔ باقی ساری دنیا قیامت میں ان تینوں حضرات کو یک بار دیکھے گی۔ اور ایک ساتھ دیکھے گی۔ تو دنیا میں بھی جا بہ جا شرفِ صحبت و معیت سے مشرف رہے۔ روضۂ اقدس میں بھی مشرف رہے۔ اور آخرت میں بھی اسی فضل و شرف سے مشرف رہیں گے۔ نہ دنیا میں پروانے شمع رسالت سے جدا ہوئے نہ مزار پر انوار میں جدا ہوئے اور نہ جنت میں جُدا ہوں گے۔ رضی اللہ عنہما۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما [2] ایضاً مناقب ابی بکر

صدیقِ اکبرؓ

معینِ محمدؐ، قرینِ محمدؐ　　یسارِ محمدؐ، یمینِ محمدؐ
امانِ محمدؐ، امینِ محمدؐ　　ابوبکر صدیق دینِ محمدؐ

پھر حضرات شیخین رضؓ میں سے حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تقرب و رسوخ حاصل ہے۔ وہ حضرت فاروق اعظم رضؓ کو بھی حاصل نہیں۔

حضرت صدیق اکبر دنیا میں قدم قدم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ کہیں بھی مفارقت و جدائی نہیں ہوئی۔ مکہ میں ساتھ مدینہ میں ساتھ جنگ میں ساتھ صلح میں ساتھ، غار میں ساتھ، مزار میں ساتھ! علامہ اقبال حقیقت کی کتنی صحیح ترجمانی کرتے ہیں جب کہتے ہیں ؎

آں امن الناس بر مولائے ما　　آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چو ابر　　ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

تو یہ سنگت ساتھ صرف غار و مزار اور دنیا و برزخ تک محدود نہیں قیامت میں بھی یہ ساتھ برقرار رہے گا اور صدیق اکبر روز محشر بھی اپنے حبیب کی صحبت و معیت کے شرف

سے مشرف ہوں گے۔

۱۔ حوضِ کوثر پر رفاقت

یہی تو ہیں کہ ہیں مصداقِ اذھما فی الغار
قسیم میکدۂ سلسبیل ہیں صدیق

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار ابوبکر صدیق سے فرمایا:— انت صاحبی فی الغار وصاحبی علی الحوض (رواہ الترمذی) ابوبکر! تم غار میں بھی میرے ساتھ رہے اور حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگے[۱] (ترمذی)

۲۔ محرمِ اسرارِ رسول!

دیکھے کوئی شانِ وقارِ صدیق رض
سمجھے کوئی رازِ افتخارِ صدیق رض
صدیق رہے رمزِ رسالت کے امین
محبوبِ خدا تھے رازدارِ صدیق رض

"حضرت ابوبکر صدیق محبوبِ بارگاہ و محرمِ اسرارِ نبوت تھے۔ حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ مکہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اکثر مہمات اور حضرت ابوبکر صدیق رض کی شرکت سے طے پاتے۔ اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانۂ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا[۲]!

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر رض عن ابن عمر رض

[۲] خلفائے راشدین ص ۶۹ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ۔

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر حضرت ابوبکر صدیق سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ نیز ان کی رازداری و خلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے ہجرت کے واقعات پر غور کرو۔ تو معلوم ہو گا کہ رازداری کے تمام کام صرف حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل و عیال سے متعلق تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا حضرت عبداللہ (بن ابی بکرؓ) کا رات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضؓ کا روزانہ بکریاں لانا۔ حضرت اسماءؓ کا کھانا پہنچانا غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھے۔"[1]

۳- ان کی ذات سے توسل

"غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابہ کرامؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برہم دیکھتے تھے تو انہی کی وساطت سے عفو و درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے۔"[2]

---

[1] خلفائے راشدین ص۵۲ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
[2] ایضاً ص۵۱

سیدنا حضرت علیؓ وسیلہ پکڑتے ہیں

"ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل بن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ چونکہ یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف تھا اس لئے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو دیکھا تو چہرہ مبارک بشاش ہوگیا۔ اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے۔ اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کاشانۂ اقدس کی طرف تشریف لے چلے۔ تو گو صحابۂ کرامؓ کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی بالآخر سب نے حضرت ابوبکرؓ کو آگے بڑھایا۔ اور انہوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی۔"[1]

اللہ اللہ! کیا شان ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی! جن کی ذات پاک کو حضرات صحابہ کرامؓ اور خاص کر حضرت علی مرتضیٰؓ

---

[1] خلفائے راشدین ص۷۵ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

بارگاہ رسالت میں وسیلہ پکڑیں۔ تعامل صحابہ سے یہ حقیقت مبرہن ہو گئی کہ حضورِ نبوت جو رسوخ و تقرب ان کو حاصل تھا وہ اور کسی کو حاصل نہیں تھا۔ حضرت علی رض تک جب حضورؐ کو برہم دیکھتے تھے تو آپ کے واسطے وسیلے سے دربار در بار میں بار پاتے تھے، تبھی تو: عالتِ نزع میں حضرت عائشہ رض آپ کے سرہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں، ؎

وابیضُ یستسقی الغمام بوجہہ ثمالُ الیتامیٰ عصمۃ الارامل[1]

نور مجسّم، جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے۔ یتیموں کا ملجا و ماویٰ اور بیواؤں کی پناہ!

۴۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداءُ

ذاتِ پاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدیق اکبر رض کو جو ربط و تعلق اور بارگاہِ رسالت میں جو رسوخ و تقرب حاصل ہے۔ دوست تو دوست دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین بھی حضرت صدیق اکبر کی حضور کریم ؐ سے جدائی کا تصور نہیں کر سکتے، چنانچہ شب ہجرت کی صبح کو

---

[1] خلفائے راشدین ص۲۳ بحوالہ تاریخ الخلفاء ۸۱/۸۲

جب مشرکین مکہ نے حضور کو کاشانۂ رسالت میں موجود نہ پایا تو سیدھے درِ خانۂ صدیق رض پر آئے۔ انہیں یقین کامل تھا کہ اگر حضورؐ اپنے گھر میں نہیں تو صدیق اکبرؓ ہی کے گھر ہوں گے اپنے کاشانہ کے بعد وہی آپ کا ٹھکانا ہو سکتا ہے۔

اور جب وہاں حضرت ابوبکرؓ کو بھی ناموجود پایا تو ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ بھی حضور کے ساتھ گئے ہیں۔

"خلفائے راشدین" میں ہے۔

"ابوجہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کاشانہ اقدس کا محاصرہ رکھا۔ لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رض کے دولت کدہ پر گئے۔ حضرت اسماء رض سے ان کے والد کو دریافت کیا انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ تو ابوجہل نے غضب ناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے"۔ لہ

چند قابلِ غور و فکر نکات

(۱) اللہ اللہ! کیا شانِ رفاقت و صحبت ہے کہ ابوجہل کو بھی

لہ خلفائے راشدین مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ص ۲۱/۲۲ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹

یقین ہے۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ
میں مفارقت و جدائی کا تصور نہ تو گھر میں کر سکتا ہے نہ سفر
میں! مگر آہ! آج کا "مسلمان" اس حقیقت کا انکار کرتا ہے
وہ کسی صورت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کو حضور کا صاحب
و دوست اور یار ساتھی ماننے کو تیار نہیں ؎

بوٹا بوٹا پتا پتا حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق کی بھی کیا شان ہے کہ عشق رسول
کی پاداش میں اور محبت نبی کے "ناقابل عفو گناہ" کی سزا میں
آپ کی صاحبزادی ابوجہل لعین کے سنگین ہاتھوں سے تھپڑ
کھا رہی ہیں۔ رضی اللہ عنہا

کوئی پوچھے اس معصوم کا قصور؟ اس سے بڑا اور کونسا
جرم و قصور ہو گا کہ یہ بھی اپنے باپ کی طرح فدائے رسول
ہے ؎

خونے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

یہ حضرت صدیقؓ کے کمال صدق و جمال ایمان و اخلاص
کی دلیل ہے کہ ان کا وطن اور مال حضور پر قربان ہے۔ جان
حضورؐ پر قربان ہے حتیٰ کہ معصوم اولاد بھی حضور پر قربان ہے
ذرا بتلاؤ تو سہی! آخر وہ کون سی متاع عزیز ہے جو عشق رسول
کی نذر نہیں ہوئی؟ اور وہ کونسا لمحہ ہے کہ صدیق اکبرؓ ایثار و

قربانی اور فدائیت و جاں نثاری سے فارغ ہو کر بیٹھا ہو سے
مکتب عشق میں دیکھا یہ نرالا دستور اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا
۴۔ پھر اس معصومہ کا کمال ایمان ملاحظہ ہو کہ بدبخت
ابوجہل سے مار تو کھا رہی ہیں مگر حضور کی ہجرت کا راز فاش
نہیں کرتیں، کیوں نہ ہو آخر صدیق اکبرؓ ہی کی بیٹی ہیں۔

۵۔ ابوطالب کی شہادت

ابوطالب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں تفریق وجدائی نہیں ڈالتے۔ ہر دو کو ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔ قریش مکہ نے بنی ہاشم کے خلاف باہم معاہدہ کیا حضور اپنے چچا ابوطالب اور سارے خاندان کے ساتھ مکہ سے باہر ایک پہاڑی درّہ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے۔ تین سال کی طویل مدت انتہائی مصائب میں گزاری، محصور صحابہؓ درختوں کی پتیاں کھا کھا کر گزارہ کرتے رہے۔

گو مقاطعہ بنو ہاشم کا کیا گیا تھا۔ اور بنو ہاشم ہی شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہاں بھی حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا از خود اس صبر آزما مصیبت اور جانگسل سختی میں شریک ہو کر رفیق نبوت رہے یہ ان کے خلوص و ایثار کا ثبوت ہے۔

آخر مصالحت ہو گئی۔ سہل بن بیضاء رض قاصد بن کر گئے تھے۔ اہل مکہ نے صلح کر کے انہیں راضی خوشی واپس کیا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ تمام بنی ہاشم اور حضرت ابوبکر رض کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔ اس صلح سے سب کو مسرت ہوئی، لیکن ابو طالب اپنے اس شعر میں حضور اور حضرت ابوبکر رض ہی کا ذکر کرتے ہیں اور دیکھئے کس طرح دونوں کو ایک ساتھ رکھتے ہیں ؎

وہم رجعوا سہل بن بیضاء راضیا
نسر بہا ابوبکر و محمد صلعم

۶۔ اعداء و کفار کی شہادت

"کعب اور بجیر دو بھائی تھے ان کے باپ زہیر جاہلیت کے مشاہیر شعراء میں تھے اس لئے شاعری ان دونوں کو ورثہ میں ملی تھی۔ بجیر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

کعب کو ان کے اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے جوش انتقام میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کی شان میں گستاخانہ اشعار کہہ ڈالے آں حضرت نے یہ اشعار سنے

لے "خلفائے راشدین" از حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی (دارالمنبع التوا...)

تو آپ کو بڑی تکلیف پہونچی [۱] ان میں ایک شعر یہ تھا۔
تم کو ابوبکر نے ایک لبریز پیالہ پلایا اور اس میں سب سے
زیادہ پیالہ سے بار بار سیراب کیا [۲]۔

تو مدح ہو یا ذم تعریف ہو یا شکایت ہر موقع پر ہر حال
میں اہل کفر حضور اور حضرت ابوبکرؓ کو ایک ساتھ رکھتے تھے،
ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ افسوس کہ آج بعض
مسلمان ان میں تفریق اور جدائی ڈالنے کی سعی و کوشش کر
رہے ہیں جو ان شاء اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔

---

۱ ۲ سیر الصحابہ، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ ص ۲۲۲/۲۲۳

ازواجِ مطہراتؓ

رسولؐ اور ازواجِ رسولؐ میں غایتِ قرب و اتصال

امہات المومنین ازواج رسول کو رسول پاک سے خاص الخاص قرب بلکہ اتصال کا جو فخر و شرف حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔
قرآن زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیتا ہے ارشاد ہوتا ہے ھُنَّ لباسٌ لکم و انتم لباسٌ لھُنَّ:
عورتیں مردوں کا لباس اور مرد عورتوں کا لباس ہیں تو غایتِ تقرب و اتصال ہی کی بنا پر۔ جو قرب و اتصال لباس کو وجود سے ہوتا ہے وہی زوجین کو ایک دوسرے سے ہے اور وہی ازواج رسول کو رسولؐ پاک سے!

رسولؐ اور ازواجِ رسولؐ میں افتراق انگیزی کی منافقانہ مساعی

جس طرح کفار و منافقین اور بنی اسرائیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے صحابہ کرام رض کو جدا اور خصوصاً حضرات شیخین رض کو دور کرنے کی ملعون کوشش کی۔ اسی طرح ان معاندین نے ازواجِ رسولؐ

کو رسولؐ سے جدا کرنے کی مردود سعی کی۔ خصوصاً حضرت صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کو وجودِ پاک سے الگ کرنے کی پوری کدوکاوش کی۔ مگر جس طرح یہ ملعون عناصر رسول پاک و صحابہ رضؓ پاک میں افتراق و جدائی ڈالنے میں بُری طرح ناکام رہے اور اللہ تعالےٰ نے یارانِ رسول کو اور زیادہ دامانِ رسول سے وابستہ فرما دیا۔ اسی طرح یہ بدباطن و خبیث لوگ رسولؐ اور ازواجِ رسولؐ میں مفارقت و علیحدگی پیدا کرنے میں ناکامی و خسران سے دوچار ہوئے اور اللہ کریم نے ازواجِ رضؓ رسول کو اور زیادہ ذاتِ پاک رسولؐ پاک سے وابستہ فرما دیا۔

سیرۃ النبی حصہ اوّل میں مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرررساں سازش تھی جس کا اثر بہت پُرخطر تھا۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی

توسیع چاہتی تھیں لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں، اور حضرت عائشہ رض و حفصہ رض کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پُرخطر ہوسکتی ہے۔ جس کی مدافعت کے لئے ملاء اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو۔ اس بناء پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا۔ جن کی تعداد ... تک بیان کی گئی ہے یہ شریرالنفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے۔ کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت صلعم کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوا دیں۔
ابن حجر نے اصابہ میں ام جلدح کے حال میں لکھا ہے وکانت تحرش بین ازواج النبی صلعم، وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھی۔ افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی۔ رسول اللہ صلعم پندرہ دن تک حضرت عائشہ رض سے کبیدہ خاطر رہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہرات رض کی کشش خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بدنفسوں نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا۔ چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعلیٰ حضرت عائشہ رض و حفصہ رض تھیں ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین (حضرت ابوبکر رض وعمر رض) کو اس سازش میں شریک کرلینا ممکن ہے لیکن ان کو یہ

معلوم نہ تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو رسولؐ کی خاک پر قربان کر سکتے ہیں۔ ... آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہؓ و حفصہؓ سازش بھی کریں گی۔ اور منافقین اس سے کام لیں گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لیئے موجود ہے۔ اور خدا کے ساتھ جبریل و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے[۱]،،

علامہ رحمہ اللہ کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضؓ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں، انہوں نے مل کر اس معاملہ میں حضورؐ سے تنگ طلبی کی۔ منافقین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رسولؐ اور ازواجِ رسولؐ میں پھوٹ ڈالنے کی سازش کی۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کر کے حضرات امہات المومنین رضؓ کو متنبہ فرمادیا باقی رہا توسیع نفقہ کا اصل سوال! سو اس سلسلہ میں فرمایا:۔ یاایھا النبی قل لازواجك . . . . . . اجرًا عظیما۔ (پارہ ۲۱ سورہ احزاب ع) اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و بہار) چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو کچھ مال و متاع دے دوں اور تم کو

---

[۱] سیرۃ النبی حصہ اول $\frac{۵۰۵}{۵۰۶}$

بطریق احسن رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو چاہتی ہو تو بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

توسیع نفقہ کی درخواست کا پس منظر

ناموزوں نہ ہوگا اگر یہاں ازواج مطہراتؓ کی درخواست توسیع کا پس منظر واضح کر دیا جائے۔

حضورؐ کا زہد و فقر

سید العرب والعجم اور شہنشاہِ کونین کے زہد و قناعت کا یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آکر تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی[1]۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی[2]۔

اہل بیتِ رسولؐ کی مسلسل فاقہ کشی

یہ حال صرف آپ کی ذاتِ پاک تک محدود نہیں تھا بلکہ اہل بیت کی بھی یہی کیفیت تھی

---

[1] رحمۃ اللعالمین جلد اوّل ص ۳۴۷ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ عن عائشہؓ

[2] سیرۃ النبی مجلد دوم ص ۳۵۲ بحوالہ شمائل۔

بخاری شریف میں حضرت صدیقہؓ سے روایت ہے کہ مہینہ مہینہ ہمارے چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی، ہم سب پانی اور کھجور پر گزارہ کرتے تھے۔

اسی پر بس نہیں تھی بلکہ گھر میں اکثر و بیشتر فاقہ رہتا تھا۔

ترمذی شریف باب معیشۃ النبی میں ہے :

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا ھو واھلہ لا یجدون عشاء حضورؐ اور حضورؐ کے اہل و عیال متواتر کئی رات بھوکے رہتے تھے، رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا عسرت و تنگ دستی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مہمان اور سائل تک کے لئے گھر میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔

"ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، مختصر یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی[1]"

---

[1] سیرۃ النبی مجلد دوم ص ۳۵۲ بحوالہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۸ طبعہ مصر و صحیح بخاری ص ۵۳۵

خوراک کے بعد اب پوشاک کا حال ملاحظہ ہو:۔

جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی اُن میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے[۱]۔

ازواج مطہرات کا یہ حال تھا کہ کسی کے پاس ایک جوڑے سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں ما کانت لاحدنا الّا ثوب واحد[۲]۔

یہ زہد و قناعت جبری و اضطراری نہیں تھا، فطری و اختیاری تھا، آپ کا اور آپ کے اہل بیت کا یہ حال اس وقت تھا جب اسلامی فتوحات کے بعد مال و دولت کے دریا مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہے تھے ؎

ہیں دوسروں کیواسطے سیم وزر و گہر　　اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے　　اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

ازواجِ مطہراتؓ کی خاندانی وجاہت

ادھر ازواج مطہرات میں دولت و ثروت اور وجاہت و ریاست کے اعتبار سے عالی خانوادوں کی چشم و چراغ تھیں اور ناز و نعمت میں پلی ہوئی تھیں اگر

---

[۱] سیرۃ النبی جلد دوم ص ۳۵۱۔
[۲] بحوالہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۴۳ بحوالہ بخاری جلد اول ص ۵۴۔

حضرت صدیقہؓ۔ حضرت صدیق ایسے مال دار تاجر کی نو دیدہ تھیں، تو حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی نور نظر! حضرت ام حبیبہؓ رئیس اعظم قریش و امیر مکہ حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں تو حضرت صفیہ رئیس اعظم خیبر کی لخت جگر رضی اللہ عنہم!

جب نواح مدینہ میں یہود کی زمینوں اور ان کے دیار و اموال پر مسلمانوں کے قبضہ اور فتح خیبر و فدک سے مالی وسعت پیدا ہوگئی اور صحابہ آسودہ حال ہوگئے تو اس وقت ازواجِ مطہرات نے ـــــ جواب تک نہایت عسرت و تنگ دستی سے زندگی بسر فرما رہی تھیں بلکہ فاقہ کشی میں مبتلا تھیں ـــــ بتقاضائے بشریت اپنے نان و نفقہ میں کچھ اضافہ کے متعلق عرض کیا۔ گو یہ مطالبہ شرعی و اخلاقی نقطۂ نظر سے ناروا نہیں تھا لیکن حضور کریمؐ کی فطری سادگی و قناعت اور تکلف و تنعم سے طبعی نفرت کے باعث ناگوار خاطر گذرا اور قلب مبارک کو تکلیف پہنچی حتیٰ کہ آپ نے مہینہ بھر تک گھر نہ آنے کی قسم کھالی۔ اور پورا مہینہ مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں قیام فرما رہے۔

مہینہ کے بعد حضورؐ کے اس خانگی معاملہ میں رب العزت نے مداخلت فرمائی۔ یہ آیت تخییر نازل ہوئی، جس میں

واضح طور پر ازواج مطہرات کو فرما دیا گیا کہ "دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو۔

دنیا اور زینت دنیا لے لو

یا

خدا اور رسول خدا کو چن لو!

پہلی صورت میں دامن رحمت سے کٹ کر بیت رسولؐ سے نکل جانا ہوگا اور دوسری صورت میں حضورؐ کے پہلو بہ پہلو جنت الفردوس میں تمہارے بستر لگے ہوئے ہیں ؛

حضرت صدیقہؓ کا کمال صدق و ایمان

حضورؐ گھر تشریف لے آئے، اور سب سے پہلے حضرت صدیقہؓ سے فرمایا "میں ایک بات کا تم سے ذکر کرتا ہوں تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اور اپنے والدین سے مشورہ کر لینا"

پہلے یہ ارشاد فرما کر پھر حضورؐ نے آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت صدیقہ نے آیت سنتے ہی جھٹ سے کہا۔

"کیا میں اس معاملہ میں بھی والدین سے مشورہ کروں گی؟ بلاشبہ میں تو اللہ اور رسول اور آخرت ہی کو اختیار کرتی ہوں[1]"

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ یاایھاالنبی قل لازواجک۔

ازواجِ رسولؓ کی محبتِ رسول

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

دوسری سب ازواج مطہراتؓ نے بھی حضرت صدیقہؓ کی تقلید کی لے۔ دنیا کے عیش و عشرت کا خیال تک دلوں سے نکال ڈالا۔ زینتِ دنیا و بہارِ حیات پر لات ماری اور بہار کائنات کو اپنے دامنِ ایمان میں سمیٹ لیا کہ ان کے بغیر دنیا کی رونق و بہار میں کوئی جذب و کشش باقی نہیں ہے

میں جن بہاروں سے مطمئن تھا، میں جن بہاروں کو چاہتا تھا
نہیں ہیں وہ، تو نہیں بہاریں میں ان بہاروں کو کیا کروں گا

درحقیقت محبوبِ کردگار کے بغیر رونق و بہار سب بے کار ہے

پھول اب بھی چمن میں کھلتے ہیں اور اب بھی بہاریں آتی ہیں
پُر کیف ہوائیں چلتی ہیں گھنگور گھٹائیں چھاتی ہیں
لیکن یہ نظارے تیرے بغیر اے جانِ تمنا کچھ بھی نہیں
جب تو ہی نہیں ہے پاس مرے تو یہ رونقِ دنیا کچھ بھی نہیں

رب العزت نے اپنے محبوبؐ کی رفاقت و زوجیت کے لئے

لے ایضاً باب قولہ وان کنتن تردن اللہ و رسولہ۔

ان نفوس قدسیہ کا انتخاب یونہی تو نہیں فرمایا تھا۔ پہلے ان کے پیمانۂ قلوبِ مقدسہ کو اپنے حبیبؐ کی محبت و شیفتگی کے بادۂ ایمان افروز سے لبریز فرمایا پھر انہیں اپنے محبوبؐ کے کاشانۂ رحمت کی زینت بنایا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و مودت اور رحمتِ عالم سے قلبی وابستگی و وارفتگی ہی کی سحر طرازیاں و کرشمہ کاریاں ہیں کہ حضورؐ کے قدموں میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر و چشم منظور اور بطیب خاطر اختیار کر لی جاتی ہے۔ اور مخدوم سعادت لزوم سے ہٹ کر یہ تکلف زندگی بے کیف اور زخارفِ دنیوی سے چکا چوند ماحول تاریک نظر آتا ہے۔ اور اس جانِ بہار کے بغیر فصلِ بہار میں گلہائے چمن آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتے ہیں۔

درحقیقت یہ ازواجِ مطہرات کا بہت بڑا امتحان اور بہت کڑی آزمائش تھی، جس میں وہ بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوئیں اور پوری اتریں۔ ایک طرف آنکھیں خیرہ کر دینے والی دنیوی سج دھج تھی، دل فریب طمطراق تھا اور دوسری طرف اللہ و رسول اور فقر و فاقہ! امہات المومنین نے ایک سیکنڈ تامل کئے بغیر اللہ و رسول کو چن لیا اور بارگاہِ نبوت میں بزبانِ حال عرض کیا ؎

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی ٭ ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو صحنِ بستاں کو

سب نے دنیوی مال و متاع اور ساز و سامان پر تھوک دیا اور لسانِ عمل سے پکار کر کہا:—

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

افسانۂ فدک یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر ازواج مطہرات رض حضورِ پاک سے دو چار یا پانچ سات سیر غلہ ماہوار طلب کریں تو حضور گھر آنا جانا بند فرما کر بالاخانہ میں مکین و مقیم ہو جائیں اور مہینہ بھر تک کسی سے بات چیت تک نہ کریں۔ اور اللہ تعالےٰ ان نفوسِ قدسیہ کو محض اس "جرمِ بے گناہی" کی پاداش میں حضورِ پاک سے قطع تعلق و علیحدگی کا ارشاد فرمائیں۔ لیکن جب حضرت سیدۃ النساء فدک طلب فرمائیں یا بے طلب از خود حضور انہیں عطا فرما کر دستاویز تحریر فرمادیں۔ اور رب العزت نہایت خاموشی اور اطمینان و سکون سے بیٹھے دیکھا کریں۔

شاید اس لئے کہ وہ غریبوں اور بیکسوں کی نورِ نظر ہیں اور یہ حضورِ پاک کی لختِ جگر! نعوذ باللہ!

ان شاء اللہ دوسری جلد میں فدک پر مفصل بحث ہوگی۔ یہاں تو محض اشارہ کر دیا ہے کہ جو رسول پاک اپنی ازواجِ مطہرات رض کو نان نفقہ پورا عنایت نہیں فرماتے

وہ اپنی لختِ جگر نورِ بصر حضرت سیدہ بتول رض کو فدک کی وسیع جاگیر کیونکر عطا کر سکتے ہیں۔ فافہم!

معیارِ ایمان؟ عشقِ رسولؐ

امہات المومنین نے اپنے حسنِ کردار اور اپنی سیرتِ طیبہ سے نہ صرف محبت رسول کا بہترین مظاہرہ فرمایا بلکہ دنیا کو بتلا دیا کہ ایمانِ کامل کی اساس و بنیاد محبت رسول ہے ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولاد سے پیارا

ایمان کی علامت یہ ہے کہ سب کچھ لٹ جائے مگر دامنِ رسول نہ چھوٹے، اہل ایمان حضورؐ کی محبت میں سب کچھ لٹا کر بھی دولت جاوید سے مالامال رہتے ہیں ؎

سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہلِ دل
یوں خوش ہیں جیسے دولتِ کونین پا گئے (جگر)

اگر سب کچھ ہوتے ہوتے دلِ محبت رسول سے خالی ہیں تو سمجھو کچھ بھی نہیں، اور اگر پلے کچھ بھی نہیں لیکن دلِ عشقِ رسول سے معمور ہے تو سمجھو سب کچھ ہے۔

اقبال مرحوم نے بھی کیا خوب فرمایا ہے:-

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ ساماں اوست، بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب ذرۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب!
زانکہ ملت را حیات از عشق اوست برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

بہرحال ازواجِ مطہرات اس امتحان و آزمائش میں پوری اتریں اور انہوں نے خدا اور رسولِ خدا اور آخرت کو چن کر فردوس بریں میں اپنا ٹھکانا بنالیا ورنہ وہ دامنِ رسالت کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتی تھیں اور حضور ﷺ ربانی کے خلاف انہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے تھے، حضور کی دنیوی حیات میں ازواجِ مطہرات کا حضورؐ کے ساتھ رہنا اور حضور کی وفات کے بعد بھی تا حینِ حیات بیوتِ النبی میں مقیم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں بھی آغوشِ رسالت میں استراحت فرما ہوں گی۔ اور فردوس بریں کے اندر قصرِ رسالت میں ہم نشین و جلیسِ سیدالانبیاء ہوں گی، رضی اللہ عنہن

ازواجِ رسولؐ کی امتیازی شان

یہ ازواجِ مطہرات کا وہ مخصوص فضل و شرف ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ؎

آں بخت نہ داریم کہ ہم بزم تو باشیم
ماد سر را ہے تو تو آہے و رنگا ہے!

جیسا کہ "ایک حدیث میں ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنت میں ان کے درجے اونچے ہوں گے، پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہو گی؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجہ والے نیچے کے درجے والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے بات چیت کریں گے[1] تو اصحابؓ سے حضورؐ کی کسی وقت ملاقات اور بات چیت ہو گی۔ لیکن ازواج مطہرات تو ہر وقت آغوش رسالت میں رہ کر دیدار جمال جہاں آرا سے دیدہ و دل کو منور و مسرور کرتی رہیں گی رضی اللہ عنہن!

اس شرف خاص و امتیازی فضیلت کی بنا پر بعض اکابر امت مثلاً امام ابن حزم رحمہ اللہ افضلیت ازواج مطہرات کے قائل رہے اور امہات المومنین کو جمیع صحابہ کرام حتیٰ کہ شیخین سے بھی افضل مانتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم!

مقاربت و مقارنت رسول فی الدارین

ازواج مطہرات کا سب سے بڑا فضل و شرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا و آخرت میں اپنے محبوبؐ کی مقاربت و مقارنت کے لئے منتخب فرما لیا ہے

---

[1] حکایات صحابہ ص ۲۰۰ م ۳ بحوالہ در منثور

اور جس طرح دنیا میں وجود با وجود سے اقرب بلکہ متصل تھیں اسی طرح جنت الفردوس میں بھی ذاتِ پاک رسالت مآب سے اقرب بلکہ متصل ہوں گی۔ تو منافقین نے ازواجِ رسول کو رسول پاک سے جتنا الگ اور دُور کرنے کی ناپاک سازش اور شرمناک کوشش کی ربّ العزّت نے اتنا انہیں دامانِ رسولؐ سے وابستہ و متصل اور وجودِ اقدس سے دارین میں قرین و قریب بلکہ اقرب فرما دیا۔ رضی اللہ عنہنّ!

اصحابؓ رسول کا عشقِ رسول

محبت رسول کی یہ سحرکاریاں و دلربائیاں صرف اہلِ بیت تک محدود نہیں حسنِ رسول کی دِل آویزیاں و عاشق ربائیاں گھر سے باہر بھی جلوہ فرما نظر آتی ہیں اور ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ اصحاب کرامؓ بھی بادۂ عشقِ نبیؐ سے سرمست و مخمور نظر آتے ہیں ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم جنید و شبلی و عطار ہم مست

تاریخ و سیر کی کتابیں اس قسم کے واقعات و حالات سے لبریز ہیں کہ یارانِ رسول نے حضور کے قدموں پر زر و مال اہل و عیال غرض اس دارِ ناپائیدار کی ہر متاعِ عزیز کو نثار کر دیا۔ حتیٰ کہ جانِ عزیز قربان کر دی اور زبانِ حال سے عرض کیا ؎ –

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

پھر اس دار فانی کی کیا حقیقت ہے۔ پروانگانِ شمع رسالت تو جنت میں بھی حضورؐ سے دوری و مہجوری کے تصور سے مضطرب و پریشان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ایک صحابیؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آجاتا ہے اگر اس وقت میں آکر زیارت نہ کرلوں، تو مجھے گمان ہے کہ میری جان نکل جائے۔ مگر مجھے خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تب بھی آپ سے تو نیچے درجہ میں ہوں گا۔ مجھے تو جنت میں بھی آپ کی زیارت بغیر بڑی مشقت ہوگی۔[1]

اللہ اکبر! عشقِ رسول کی فراوانیاں و جولانیاں! کوئی حد و انتہا ہے کہ حضورؐ سے ذرا دور رہ کر جنت بھی پیاری نہیں لگتی، جہاں ہر وقت حسن و جمالِ یار کی جلوہ طرازیاں دل نوازیاں اور نظر افروزیاں و کیف انگیزیاں نہ ہوں وہ جنت کیا۔؟[2]

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

---

[1] حکایاتِ صحابہ صفحہ ۲۲۹

اس قسم کی متعدد روایات ہیں اور کئی صحابہ رضؓ پر یہ واردات گزری ہے۔

ما شاء اللہ! حسن و جمالِ نبوت کی سحر انگیزیاں و کرشمہ کاریاں! کہ اہل بیت ہوں یا اصحاب! مہاجر ہوں یا انصار! غلام ہوں یا آزاد! سب آپ کے غلام بے دام ہیں ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سبحان اللہ! اس محفل کی کیا شان ہے کہ جو بھی یہاں دم بھر کے لئے بیٹھ گئے وہ جنت تک کو خاطر میں نہیں لاتے، اور حضورؐ کے بغیر فردوس بریں میں بھی چین نہیں پاتے ؎

تری محفل سے اُٹھ کے جو بھی آئے کا نٹے سے نظر آئے گلستاں درکنار آئے
رگ و پے میں تری نظروں نے ایسی بجلیاں بھر دیں • نہ اس پہلو قرار آئے نہ اُس پہلو قرار آئے
حقیقت میں وہی سرمایۂ عمر گرامی ہے • جو لمحاتِ حسیں ہم ان کی محفل میں گزار آئے

حضرت صدیقہؓ اور حضورؐ پاک میں تفریق کی نابکار کوشش

ع۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

جس طرح حضرات صحابہ کرام رضؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی خاص شان ہے، اور انہیں بارگاہِ رسالت میں غیر معمولی رسوخ و تقرب حاصل ہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضؓ کی امتیازی شان ہے

اور آپ کو حریم نبوت میں خاص الخاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ حضورؐ کو جو محبت آپ سے ہے وہ اور کسی سے نہیں اور آپ کو جو تقرب و مقارنت حضورؐ پاک سے ہے وہ اور کسی کو نہیں۔

اعدائے رسول و دشمنانِ نبیؐ کو بھی جو خصومت و عداوت حبیبۂ حبیب خدا حضرت صدیقہؓ سے ہے، وہ کسی سے نہیں اور جس طرح اعدائے دین حضرت صدیقؓ اور حضور پاک میں عالم برزخ کے اندر افتراق و جدائی ڈالنے کی خاص کوشش میں مصروف رہے اسی طرح حضرت صدیقہ کو ذاتِ پاک سے جدا کرنے کی خاص الخاص سعی کی گئی لیکن جس طرح اعدائے صدیقؓ کو اپنی ملعون مساعی میں حسرت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی طرح دشمنانِ صدیقہؓ کو بھی اپنے کینہ عزائم و مقاصد میں نامرادی و ناکامی کا طوق زیبِ گلو کرنا پڑا۔

افک مبین

تاریخ انسانی کے اس بدترین بہتان و افترا میں منافقین نے جو حصہ لیا، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مختلف چالوں اور مکاریوں سے حبیبۂ حبیب خدا کو بدنام کر کے قلب انور رسول پاک کو بے حد اذیت پہنچائی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر حضور نے یقین فرمالیا تو حضرتِ صدیقہ کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کردیں گے

اور اس کے نتیجہ میں حضور اور حضرت صدیق اکبرؓ میں بھی مفارقت کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

منافقین نے کچھ ایسا جال بچھایا کہ بعض سیدھے سادے مسلمان بھی اس میں پھنس گئے، اور ایک فتنۂ عظیم برپا ہو گیا۔

آخر وحی الٰہی نے اس ناپاک سازش اور کمینہ افترا کا پردہ چاک کر دیا حضرت صدیقہؓ کو بالکل مبرّا و منزّہ قرار دیا ان کی شان تقدیس و پاک بازی کی شہادت دی۔ جبرئیل امین نے الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات کے روح آفریں و ایمان افروز ترانے گائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تطہیر و پاک بازی کے ساتھ آپ کی تطہیر و پاک بازی کے زمزمے ملاء اعلیٰ سے لے کر مدینہ طیبہ تک تنے گئے۔ طوفان برپا کرنے والے منافقین ذلیل و رسوا ہوئے ان پر افترا و تہمت کی حد جاری کی گئی۔ وہ حسرت و ناکامی اور ذلت و رسوائی کا داغ لئے ہوئے واصل جہنم ہوئے اور حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ مطہرہ کی طہارت و پاکیزگی اور پاک نفسی و پاک دامنی کے نغمے قیامت تک ہر محراب مسجد میں سامعہ نواز اہل ایمان رہیں گے۔ رضی اللہ عنہا

بہرحال منافقین اپنے رسوائے عالم مقصد میں ناکام رہے

اور وہ حضور پاک سے حضرت صدیقہ کو جدا نہ کر سکے۔
اُلٹا اللہ پاک نے حضور پاک کو اس دنیا میں بھی سب سے زیادہ حضرت صدیقہ ہی کے قریب رکھا، بوقتِ وصال بھی حضور کا سر اقدس آپ ہی کی آغوشِ محبت میں تھا اور قیامت تک حضور پاک آپ ہی کے حجرۂ مقدسہ میں محوِ استراحت ہیں، رضی اللہ عنہا۔

پس منظر! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس المناک حادثہ عیارانہ سازش اور طوفان بدتمیزی کا پس منظر ذرا تفصیل سے واضح کر دیا جائے۔

۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق پیش آیا۔ بنو المصطلق خزاعہ کا ایک خاندان تھا جو مریسیع میں مدینہ منورہ سے ۹ منزل دور آباد تھا۔ اس سفر میں حضرت صدیقہ محبوب خدا کی رفاقت و معیت کے شرف سے مشرف تھیں، غزوہ سے واپسی پر ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ کوچ سے ذرا پیشتر آپ جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، پیچھے قافلہ روانہ ہو پڑا کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ رفیقۂ نبوت جنگل کو گئی ہوئی ہیں۔ جمّال آئے انہوں نے ہودج کے پردے پڑے دیکھ کر سمجھا کہ آپ اندر تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور باندھ دیا۔ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی اور وجود

پاک کمزور ولاغر تھا اس لئے انہیں ہودج اٹھاتے وقت اس
کے ہلکا ہونے پر تعجب اور آپ کے اندر تشریف فرما نہ
ہونے کا شبہ تک پیدا نہ ہوا۔ غرض کارواں چل پڑا آپ
تھوڑی دیر بعد تشریف لائیں تو وہاں کوئی بھی نہ تھا،
آپ نے فکر و تدبر سے کام لے کر اِدھر اُدھر دوڑنے
بھاگنے کی بجائے وہیں منزل میں قیام فرمانے کا فیصلہ کیا، اور خیال
فرمایا کہ جب آپ کو قافلے میں نہ پائیں گے تو یہیں واپس
آئیں گے، بہرحال آپ اطمینان سے تشریف فرما ہوئیں، رات
کا وقت تھا نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی اور آپ سو گئیں
حضرت صفوانؓ گری پڑی چیز کی دیکھ بھال کے لئے متعین تھے
وہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پیچھے رہا کرتے تھے۔
وہ صبح کے وقت اس موقع پر پہونچے دیکھا کہ کوئی آدمی
سوتا ہے۔ قریب آئے تو پہچان لیا کہ یہ تو ام المومنین ہیں،
کیونکہ پردے کا حکم آنے اور آیت حجاب کے نزول سے پہلے
انہوں نے آپ کو دیکھا ہوا تھا، پہچان کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ پڑھا۔ جس سے حضرت صدیقہ طیبہ
کی آنکھ کھل گئی، فوراً چہرہ اطہر چادر سے ڈھانک لیا،
حضرت صفوانؓ نے اونٹ قریب لاکر بٹھلا دیا آپ سوار ہو
گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور قافلہ میں جا ملے[1]

[1] صحیح بخاری ماخوذ از حدیث افک۔

منافقین کی روش

اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج میں داخل ہو گئے، یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے[1]" خبیث النفس رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو حضور کے قلب اقدس کو تکلیف واذیت دینے کا موقعہ ہاتھ آگیا اس لعین نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا اور نہایت عیاری و پرکاری سے ایک طوفان بپا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین کی زندگی کا نصب العین اسلام کی تخریب تھا، اور اسی کا تیر بہدف گروہ تفریق بین المسلمین کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُن کی شبانہ روز سرگرمیوں کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو باہم پھوڑ اور مرکز اتحاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ توڑ دیا جائے۔

اس غزوہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنی بھاری جمعیت کے ساتھ شریک تھا۔ اور اپنی زندگی کے نصب العین کی تکمیل اور اپنے مشن کی تحصیل میں مصروف و منہمک! چنانچہ :-

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول صفحہ ۳۸۲

[ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر و انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ قریش و انصار نے تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے۔ لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا اس کو موقعہ ہاتھ آیا۔ انصار سے مخاطب ہو کر کہا "تم نے یہ بلا خود مول لے لی۔ مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں، اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے تم دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے۔"

یہ واقعہ لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، غصہ سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے آپ نے فرمایا کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ "محمدؐ اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں[1]۔"

یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی جس درجہ کا منافق تھا اس کے صاحبزادے اسی قدر اسلام کے جاں نثار تھے، آں حضرت کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ

---

[1] صحیح بخاری

آپ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں یہ سن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں۔ لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھ کو یہ حکم ہو میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں[1]"] (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۳۸۲/۳۸۳)

افسوس کہ لوگ یہ پس منظر نظر انداز کر دیتے ہیں اور افک مبین و طوفان عظیم کی بحث میں ان واقعات کا ذکر نہیں کرتے۔ نفاق کی فطرت، منافقین کی جبلت، رئیس المنافقین کی عقربی سرشت اور پھر اس غزوہ میں اس کو جو پے بہ پے چرکے لگے حضرت عمرؓ کی شمشیر اس کی خون آشامی کے لئے بے چین! اپنے بیٹے کی تلوار اس کی خوں ریزی کے لئے مضطرب اور اشارۂ رسول کی منتظر، ادھر غزوہ میں اسلام کی فتح کفر کی ذلت آمیز شکست[2]۔ اور لاکھوں روپے کا مال غنیمت یہ بڑے گہرے زخم پر زخم تھے جو اس رئیس المنافقین کے

---

[1] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہیں اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں [2] ان کے دس آدمی مارے گئے اور باقی ۶۰۰ گرفتار ہوگئے، غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۳۸۱)

دِل پر آئے تھے۔ ہے۔ کوئی جو اِس ایک ایک گھاؤ کی گہرائی کا اندازہ کر سکے؟

وہ لعین گھاؤ پہ گھاؤ کھا کر گھائل تھا۔ آتشِ حسد و انتقام گیری میں جل بھن رہا تھا کہ واپسی پر اسے یہ موقع ہاتھ لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا اس نے اپنے غیظ قلب اور خبثِ نفس کا خوب مظاہرہ کیا۔ اپنے دل کی بھڑاس اچھی طرح نکالی۔

ایک تیر سے دو شکار

وہ ایک تیر سے دو شکار کر رہا تھا ایک تو دورانِ جنگ میں جن اعصابی زخموں سے وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا انکا انتقام لینے کا اس سے بہتر موقع اس کو کب مل سکتا تھا؟

دوسرے وہ اس طرح اپنا مشن پورا کر رہا تھا۔ اس کی زندگی کا نصب العین تھا۔ مسلمانوں میں افتراق انگیزی! اور اپنی اس ناپاک مہم کے نتیجے میں وہ یہ "حسین خواب" دیکھ رہا تھا کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محبوب بی بی کو طلاق دے دیں گے، ان میں جدائی ہو جائے گی۔ تو اس کے بعد حضور کریمؐ اور صدیق اکبرؓ میں بھی لازمی طور پر منازعت و مفارقت پیدا ہو جائے گی، اور جب حضورؐ اور حضور کے دست و بازو میں تفرقہ پڑ گیا تو بس اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا ظالم نے ایسا جال بچھایا، اور اپنے

گمراہ کن اور شر انگیز پروپاگنڈے سے دو تین سادہ دِل مسلمانوں کو اپنے ساتھ مِلا کر وہ طوفانِ بدتمیزی اٹھایا کہ اس سے متاثر ہو کر حضور پورا ایک مہینہ حضرت صدّیقہ رض کے پاس بیٹھے نہیں[1]۔ حضرت کے مخصوص لطف و کرم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا[2]۔ حتیٰ کہ حضور ص نے اپنے خاص معتمد علیہ اصحاب سے اپنی محبوب بی بی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے سے جُدا کرنے کا مشورہ بھی فرمایا، آپ نے حضرت علی رض اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا یسائلھما و یستشیرھما فی فراق اھلہ[3] وہ تو اللہ تعالےٰ کو یہ منظور نہ تھا ورنہ وہ خبیث تو اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو چلا تھا۔ جب پیمانہ لبریز ہو گیا اور حضرت صدّیقہ کی مظلومیت کی کوئی حد و انتہا نہ رہی اور نوبت بایں جا رسید کہ حضور دائمی علیحدگی کے مسئلہ پر غور فرمانے لگے تو رحمتِ حق جوش میں آئی ؂

بڑھ گیا اپنی حدوں سے جب مرا ذوقِ شراب
جام بر کف ساقیٔ میکش نواز آ ہی گیا

---

[1] صحیح بخاری حدیث افک حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ ولم یجلس عندی منذ قیل ما قیل قبلھا وقد لبث شھرا لا یوحی الیہ فی شانی بشئی [2] ایضاً [3] ایضاً۔

رحیم و کریم اور سمیع و بصیر خدا رسیدہؓ مظلوم کی مدد و نصرت کو آ پہنچے۔ حق کی فتح ہوئی اور باطل کی شکست، آپ کی عصمت و پاک بازی کے ڈنکے بج گئے۔ قیامت تک منبر و محراب آپ کی طہارتِ نفس و پاک دامنی کے زمزموں سے گونجتے رہیں گے عرش سے فرش تک ساری دنیا آپ کی عظمت و عصمت کے نغموں سے معمور ہو گئی، رضی اللہ عنہا اور آپ کے بد باطن و بد اندیش دشمن ذلیل و رسوا ہو گئے۔

اہل ایمان کا طرز عمل

منافقین کے مقابلے میں اب ذرا مسلمانوں کا طرز عمل ملاحظہ ہو اِدھر منافقین کی شرارت سے ایک فتنہ برپا تھا اُدھر وحی الٰہی خاموش تھی۔ حضورؐ نے شدتِ صدمہ و عالمِ اضطراب میں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ ام المومنین حضرت زینبؓ اور حضرت عائشہؓ کی خادمۂ خاص حضرت بریرہؓ سے دریافت فرمایا تو عموماً سب نے حضرت طیبہ طاہرہ حبیبۂ حبیب خدا کی پاک بازی و پاک دامنی اور طہارت و تزکیۂ نفس کی شہادت دی۔

حضرت زینبؓ کی شہادت

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بصیرت افروز

دروح آفریں شہادت ام المومنین حضرت زینب رض کی ہے۔
حضرت زینب رض حضرت عائشہ رض کی سوکن ہی نہیں تھیں بلکہ اپنی خاندانی وجاہت اور حضورؐ سے نسبی قربت[1] وغیرہا امور کی بنا پر محبوبۂ محبوبِ خدا سے مقابلہ وہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں۔ حضورؐ نے جب ان سے اس اتہام عظیم کی نسبت دریافت فرمایا تو انہوں نے صاف لفظوں میں عرض کر دیا واللہ مَا علِمتُ اِلّا خَیرًا خدا کی قسم اگر میں جانتی ہوں تو حضرت عائشہ رض کی بھلائی اور پاک بازی ہی جانتی ہوں۔
اللہ اللہ! خدا ترسی خشیت اللہ ایمان داری اور دیانتداری کا کیا کمال ہے۔ اُدھر حریفانہ کش مکش، رقیبانہ چشمک، جذبۂ تقابل وہمسری اور ادھر یہ عادلانہ شہادت! حالانکہ اس افتراء وبہتان کے طوفان میں خود ان کی بہن حمنہ بنت جحش بھی شریک تھیں۔ مگر جب حضور رسولِ خداؐ ان سے دریافت فرماتے ہیں تو بلا تامل کہتی ہیں یارسول اللہ احمی سمعی وبصری واللہ ما علمت الا خیرا[2]

---

[1] آپ رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔
[2] صحیح بخاری باب حدیث افک۔

حضرت ابو ایوبؓ کی شہادت

اس سلسلہ میں سب سے دل چسپ اور ایمان افروز شہادت اوّلین میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کی ہے :-

"ایک دن حضرت ابو ایوب انصاری کی زوجہ نے اپنے خاوند سے اس بات کا استفسار کیا ابو ایوبؓ نے جواب میں کہا لوگ بکتے ہیں اور جھک مارتے ہیں، عائشہ صدیقہ رضؓ مبرّا و منزّہ ہیں اس وقت ان کی مبارک زبان سے بے ساختہ یہ کلمات جاری ہوئے ما یکونُ لنا ان نتکلم بھذا ھذا بھتانٌ عظیم۔

خداوند تعالےٰ کو ان کی یہ گفتگو ایسی پسند آئی کہ اِدھر یہ دونوں میاں بیوی اس گفتگو میں مصروف تھے اُدھر حضورؐ پر فوراً وحی نازل ہوئی جس میں وہ الفاظ جو حضرت ابو ایوب رضؓ نے بولے بعینہٖ منقول ہیں۔ وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا، سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ۔ جب یہ آیت حضرت ابو ایوب رضؓ اور ان کی بیوی نے سُنی تو خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گئے۔ کہا کہ خوشا قسمت ہماری بات بھی خداوند تعالیٰ کو پسند آگئی"[1]

---

[1] سیرت عائشہ رضؓ ص ۲۳۶-۲۳۷

حضرت ابو ایوب رضؓ نے اپنی بیوی کے استفسار پر ان سے یہ بھی کہا تھا کیا تو ایسا کام کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں! فرمایا پھر (حضورؐ کی محبوب بیوی) عائشہ صدیقہ رضؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک و صاف اور طاہر و مطہر ہیں، ان کی نسبت ایسا گمان بھی گناہ ہے۔ لوگ جھوٹے ہیں۔ یونہی بکتے ہیں۔

امتحانِ محبّت

حضرت صدیقہ رضؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرب و وابستگی اور محبت و شیفتگی ہے وہ اور کسی کو نہیں۔ اسی لئے جو سخت امتحان محبت آپ کو دینا پڑا وہ اور کسی کو نہیں دینا پڑا۔

یہ انتہائی آزمائش تھی جس سے حضرت صدیقہ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ جب آپ کو اس طوفان کا علم ہوا تو شدّتِ صدمہ اور وفورِ غم سے بے تاب ہو گئیں۔ کثرتِ گریہ اور صدمۂ قلب سے بیمار پڑ گئیں شب و روز اشک بار رہیں اور آنسو تھے کہ ایک منٹ کے لئے بھی تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے؎

نہیں جہانِ محبّت میں اشک بھی بے کار
یہ کام آتے ہیں دِل کی لگی بجھانے میں

جب دل پہ چوٹ لگتی ہے تو خونِ جگر پانی بن کر آنکھوں سے ٹپک پڑتا ہے[1]

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان العین تدمع والقلب یحزن،
(صحیح بخاری باب الجنائز)

~ آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی بے چارگی میں نالہ سے لاچار ہے

رونا سیدنا حضرت یعقوب علیہ السّلام سے ثابت ہے مگر سیدنا حضرت یوسف علیہ السّلام کے لئے! رونا خود حضور صلی اللہ علیہ السلام سے بھی ثابت ہے مگر اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضؓ کے لئے [1]۔ اور حضرت صدیقہ رضؓ کا رونا! یہ رونا ہے حضور امام الانبیاء محبوبِ خدا محمد مصطفیٰ کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم!

اللہ اللہ! کتنی معصوم و مقدّس تھیں یہ آنکھیں جو رہِ مصطفیٰ میں اشک ریز و اشکبار ہوئیں۔

بخاری شریف میں اس امتحانِ محبت کی کیفیت یوں مذکور ہے۔ حضرت صدیقہ رضؓ کی والدہ محترمہ حضرت ام رومانؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضؓ کو اس طوفانِ بدتمیزی کی اطلاع ہوئی تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا حضورؐ نے بھی یہ خبر سُن لی ہے۔ قالت عائشۃ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب ملا ہاں! پھر پوچھا اور (حضرت) ابوبکر (رضؓ) نے بھی سُنی ہے؟!

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز

جواب ملا ہاں! فخرت مغشیا علیہا فما افاقت الا و علیہا حمی بنافض۔[1] تو حضرت صدیقہ غش کھا کر گر پڑیں، اور جب انہیں ہوش آیا تو لرزہ انگیز بخار میں مبتلا تھیں۔

اب ذرا رونے کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو حضرت حبیبۂ حبیب خدا کو جس وقت سے اس بہتان کا علم ہوا اس وقت سے جو رونا شروع ہوا تو جب تک اللہ تعالیٰ نے برأت نازل نہیں فرمائی تب تک ختم نہ ہوا۔ حضرت صدیقہ رض کے اپنے الفاظ ہیں۔ وقد بکیت لیلتین و یوما لا یرقائی دمع ولا اکتحل بنوم حتی انی لاظن ان البکا فالق کبدی ——— میں دو راتیں اور ایک دن اس طرح روتی رہی کہ نہ تو میرے آنسو تھمے اور نہ نیند آئی۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ گریہ و بکا سے کہیں میرا جگر نہ پھٹ جائے۔ دوسرے دن بھی آنکھیں برابر اشکبار تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور آپ کے پاس تشریف فرما ہو کر آپ سے گفتگو فرمائی۔ تب جا کر اچانک دریائے خون کی روانی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری باب حدیث افک [2] ایضاً

غرض حضرت حبیبۂ حبیب خدا نے محبت رسول میں بڑا سخت امتحان دیا وہ انتہائی شدید آزمائش میں مبتلا ہوئیں اور بفضلہٖ تعالےٰ سولہ آنے پوری اتریں۔ الفتِ رسول کی جو قیمت آپ نے ادا کی وہ اور کسی ام المومنین نے ادا نہیں کی۔ اور اس کا پھل بھی جو آپ نے کھایا اور کسی نے نہیں کھایا۔

ربّ العزّت نے آپ کو صبرِ جمیل کا ثمرِ شیریں یہ عطا فرمایا کہ قلبِ رسول کو آپ کی الفت و محبت سے لبریز و مملو فرما دیا اور کفار و منافقین کی سازشوں کے علی الرغم نہ صرف یہ کہ جیتے جی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ نہ فرمایا اور بیتِ رسول سے آپ کو نہ نکالا بلکہ دارین میں ان کو ایک دوسرے کا لازم وملزوم فرما دیا۔ اور قیامت تک خود حضورؐ کو آپؓ کے گھر سلادیا بیتِ عائشہؓ میں حضور کا بستر بچھا دیا اور حضور حشر تک وہاں محوِ استراحت ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوسرا انعام حضرت صدیقہ کو یہ عطا فرمایا کہ اس سلسلہ میں دو چار نہیں پوری سولہ آیتیں نازل فرما کر آپ کی شان کا اظہار فرمایا۔ آپ کے خبیث دشمنوں اور بد باطن اعدا و بداندیشوں کے لئے حدِ قذف کا

حکم نازل فرما کر انہیں دنیا ہی میں ذلیل و رسوا فرمایا اور حضرت ام المومنین کی برأت فرما کر ان کے عزّ و وقار اور عظمت و تقدس کو چار چاند لگا دئے جس پر حضرت صدیقہ جتنا بھی فخر فرمائیں تھوڑا ہے اور حضرت صدّیقہ اس انعام ربّانی پر فخر فرمایا بھی کرتی تھیں۔ رضی اللہ عنہا

اس ابتلاء و آزمائش میں حضرت سیدنا یعقوبؑ سے مشابہت

جہاں حضرت حبیبۂ حبیب خدا کی شان کو اور کئی پہلو سے چار چاند لگ گئے۔ لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم[1] وہاں ایک اولوالعزم نبی سیدنا یعقوب علیہ السلام سے آپ کو بوجوہ مشابہت کا شرف حاصل ہو گیا مثلاً:

(۱) گریہ یعقوبؑ ضرب المثل ہے، اور گریہ صدّیقہ بیمثال اگر حضور سے پہلے زمانے میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کے رونے کی مثال نہیں ملتی، تو حضورؐ کے عہد میں حضرت صدیقہؓ کے رونے کی بھی مثال محال ہے۔

(۲) صبر یعقوبؑ بھی اپنی مثال آپ ہے اور صبر صدّیقہؓ بھی اپنی مثال آپ وہاں بھی جو کچھ دل پر گذر رہی ہے وہ حضر

---

[1] سورۂ نور ع ۲ تم اس طوفان (افک) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے

یعقوب علیہ السلام ہی جانتے ہیں، اور یہاں بھی جو قلب صدیقہ پر گذر رہی ہے اسے حضرت صدیقہ ہی جانتی ہیں کیا مجال کہ وہاں کوئی لفظ خلاف صبر و شکیب زبان پر آیا ہو یا یہاں!

(۳) وہاں بھی اس صدمۂ جانکاہ پر اگر زبان سے نکلا تو صرف یہ کہ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون —
اور یہاں بھی حضرت صدیقہ رض نے حضور کے دریافت فرمانے پر اپنے والدین کے رو برو فرمایا تو لفظ بہ لفظ یہی[1]

(۴) وہاں بھی فراق یوسفؑ اور غم حبیب میں جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اور یہاں بھی یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہاں ابنائے یعقوبؑ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

قالوا تاللہ تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین۔ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف ع ۱۰)

اللہ کی قسم! آپ یوسف کی یاد کو نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ گھل جائیں، یا مر جائیں، اور یہاں حضرت صدیقہ خود فرماتی ہیں حتی انی لاظن ان البکا فالق کبدی[2]

---

[1] صحیح بخاری باب حدیث الافک [2] ایضاً۔

یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ بلاشبہ یہ رونا تو میرا جگر پھاڑ دے گا، یعنی میں ہلاک ہو جاؤں گی۔

(۵) وہاں بھی رب العزت نے صبر کا میٹھا پھل دیا اور حضرت یعقوب کو ان کا محبوب حضرت یوسف پھر ملا دیا اور یہاں بھی آپ کا محبوب محمد مصطفیٰ پھر ملا دیا۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

(۶) وہاں بھی ابنائے یعقوبؑ کے منصوبے خاک میں مل گئے اور اعدائے یوسفؑ محبوب و محب میں مستقل جدائی نہ ڈال سکے، اور یہاں بھی اعدائے رسول اپنے کینہ عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے، اور حضرت صدیقہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مستقل جدائی نہ ڈال سکے۔

(۷) وہاں بھی سازش کا مقصد محب و محبوب میں تفریق دائمی تھی، مگر ان کے مقصد کے علی الرغم اللہ تعالےٰ نے حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کو مآل کار ملا دیا، اور یہاں بھی افک مبین کا مقصد محب و محبوب میں تفریق دائمی تھی۔ مگر رب العزت نے ان کی کمینہ سازش کا بھانڈا پھوڑ کر حضرت رسول کریمؐ اور حضرت صدیقہؓ کو پھر ملا دیا۔

(۸) وہاں بھی منافقانہ ذہنیت کارفرما تھی، اور یہاں بھی

ساری فتنہ سامانی منافقین ہی کی تھی، وہاں وہ خائب و خاسر ہوئے، اور یہاں یہ!

حضرت یوسفؑ سے مشابہت

حضرت صدیقہؓ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی بوجوہ مشابہت حاصل ہے مثلاً:-

(۱) حضرت یوسفؑ بھی جنگل میں رہ کر اپنے محب حضرت یعقوب علیہ السلام سے بچھڑ گئے تھے اور حضرت صدیقہ بھی جنگل ہی میں رہ کر اپنے محب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچھڑ گئیں۔

(۲) حضرت یوسف سے حضرت یعقوب کو بے انتہا محبت تھی، اور حضرت صدیقہ سے حضرت محمد مصطفےٰ کو علیہم السلام

(۳) جس طرح حضرت یوسف کریم کو بدنام کرنے کی ناپاک سازش کی گئی، اسی طرح صدیقہ کریمہ کی بدنامی کے لئے منافقین نے یہ کمینہ سازش کی۔

(۴) جس طرح یوسف کریم کی بے داغ عصمت کو داغ دار کرنے کے لئے بہتان تراشی کی گئی اسی طرح حضرت صدیقہ کریمہ کے جوہر عصمت کو غبار آلود کرنے کے لئے یہ طوفان عظیم اٹھایا گیا۔

(۵) جس طرح حضرت یوسف صدیق عارضی طور پر اپنے

محبت سے دور و مہجور رہے اسی طرح حضرت صدیقہ رض بھی عارضی طور پر اپنے محبّ و محبوب سے جدا اور الگ رہیں۔
(۶) وہاں اعدائے یوسف کو اللہ نے ذلیل و خوار کیا جرم و گناہ کا انہیں اعتراف کرنا پڑا اور حضرت یوسف کی عصمت خود زلیخا کی زبان سے سر دربار بیان ہوئی۔ اور یہاں اعدائے صدیقہ رسوا و ذلیل ہوئے دربارِ رسالت میں انہیں اپنے قصور اور حضرت صدیقہ کی پاک بازی کا اقرار و اعلان کرنا پڑا۔ فرق صرف اتنا رہا کہ وہاں زلیخا اور زنانِ مصر یونہی چھوٹ گئیں اور یہاں تہمت طرازوں اور اتہام تراشوں کو اسّی اسّی کوڑے کھانے پڑے۔
(۷) قرآن نے حضرت یوسف صدیق کی عصمت و پاک دامنی کے علَم قیامت تک فضائے عالم میں لہرا دیے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رض کی طہارت و پاک بازی کے انوار و لمعات سے دنیا کو جگمگا دیا۔
(۸) قدرت نے اعدائے یوسف کو رسوا و ذلیل کر کے حضرت یوسف صدیق کو اپنے محبّ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملا دیا، ادھر رب العزت نے اعدائے صدیقہ کو ذلیل و سرنگوں کر کے حضرت صدیقہ کو اپنے محبّ محمد مصطفےٰ سے پھر ملا دیا۔
(۹) جس طرح چند روزہ ابتلا و آزمائش سے حضرت یوسف علیہ السلام

کی عظمت اور شان و شوکت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، اسی طرح چند روزہ ابتلاء و آزمائش سے حضرت صدیقہ کی قدر و منزلت اور تقدس و طہارت کی شان کو چار چاند لگ گئے!

(۱۰) وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے شر میں سے خیر کا سامان پیدا فرما دیا اور یہاں بھی ع عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد
واقعۂ افک حضرت صدیقہ کے حق میں طوفان عظیم نہ رہا بلکہ آپ کی طویل ترین داستانِ فضائل و کمالات کا روشن ترین باب بن گیا (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

خلاصہ! اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ منافقین نے حضرت سیدہ صدیقہ رضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا کرنے کی کمینہ سازش اور کوشش کی لیکن رسوا و ذلیل خائب و خاسر اور ناکام و رُوسیاہ ہوئے۔

۲۔ اہل ایمان اصحاب رسول نے حضور اور اہل بیت حضور میں اتحاد کی کوشش کی۔ اور منافقین کی افتراقی ریشہ دوانیوں سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔

۳۔ ربّ العزت نے اعدائے دین کی سازشوں کا پردہ چاک کر دیا۔ اور منافقین کی کوششوں کے علی الرغم حضور اور اہل بیت حضور میں قرب و اتحاد ابدی پیدا فرما دیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات بھی حضرت صدیقہ کی

آغوش مبارک[۱] میں پائی اور قیامت تک استراحت فرمابھی آپ ہی کے حجرہ میں ہیں۔

۴۔ معلوم ہوا کہ رسول و ازواج رسول میں افتراق و جدائی کی کوشش کرنا منافقوں کا شیوہ ہے اور ان میں تفریق و علیحدگی نہ کرنا ایمان کی شان!

دردمندانہ درخواست

آج بھی جو لوگ ازواج مطہرات رض امہات المومنین خصوصاً حضرت صدیقہ رض سے بغض و عناد اور عداوت و خصومت رکھتے ہیں اور ان کی ذات پاک پر انواع و اقسام کے رکیک اور کمینہ حملے کرتے رہتے ہیں اور رات دن اس سعی و کوشش میں مصروف و منہمک رہتے ہیں کہ کسی طرح ان ذوات مقدسہ کو وجود با جود رحمت عالم سے کاٹ کر جدا کر دیں اور حضور اور ازواج مطہرات میں بعد و مفارقت روحانی پیدا کر دیں،

---

[۱]۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اپنی ذات پر خدا کے مخصوص انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی تھیں کہ حضور نے میرے گھر میں اور میری باری کے دن وفات پائی اور حضور نے میرے سینہ اور میری گردن کے درمیان وفات پائی (یعنی اس حال میں کہ آپ میرے سینہ کا تکیہ بنائے ہوئے تھے) (صحیح بخاری باب مرض النبی و وفاتہ)

انہیں ان حقائق کی روشنی میں اپنی روش پر نظرثانی کرنی چاہیئے۔ اور بغور دیکھ لینا چاہیئے کہ اس طرح کہیں وہ منافقین کا پارٹ تو نہیں ادا کر رہے۔

خدا ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے (آمین)

(۴)

رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ میں یگانگت و مشابہت

فیضانِ صحبت اور تاثیرِ معیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو اپنے نکھرے ہوئے حسین رنگ میں ایسا گہرا رنگ دیا کہ اب حضور میں اور ان میں کوئی دوئی نہیں رہی۔ یگانگتِ کاملہ و مشابہت تامہ پیدا ہو گئی۔

آئیے! اب تھوڑی سی دیر ذرا اس چمنستانِ جنت نگاہ کی سیر کریں اور ایمان و یقین کے روح آفریں و دل نواز پھولوں سے اپنا دامن بھر لیں ؎

اے مصحفی بہار کے دن ہیں یہ، بے نصیب
چل تو بھی باغ میں گل و شبنم کی سیر کر

۱۔ اصحابِ رسول کا عمل خدا کا عمل ہے

جس طرح رسول کا عمل خدا کا عمل ہے اسی طرح اصحاب رسول کا عمل خدا کا عمل ہے۔

رسول کا عمل خدا کا عمل ہے

رب العزت نے اپنے محبوب کے بعض اعمال و

افعال کو اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے انہیں اپنا فعل وعمل قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۱۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (پارہ ۹ انفال ع ۲)

جب آپ نے (جنگ بدر میں مٹھی بھر خاک) پھینکی (درحقیقت) آپ نے نہیں پھینکی لیکن وہ اللہ تعالے نے پھینکی۔

غزوہ بدر میں جنگ کی شدت کے وقت حضورؐ نے مٹی اور کنکریوں کی مٹھی بھر کر لشکر کفار کی طرف پھینکی۔ قدرتِ خداوندی سے مٹی کا ذرہ ہر کافر کی آنکھ میں پہنچا۔ وہ آنکھیں ملنے لگے، ادھر اصحابِ رسول نے دھاوا بول دیا اور اسلام کی فتح ہو گئی۔

تو گو بظاہر کفار کی طرف مشتِ خاک آپ ہی نے پھینکی تھی۔ لیکن درحقیقت خدائی ہاتھ کار فرما تھا اور قدرت خداوندی ہی سے مٹھی بھر کنکریوں نے مسلح فوجوں کے منہ پھیر دئے۔ اس لئے فرمایا کہ آپ نے نہیں دراصل ہم نے خود وہ مشت خاک پھینکی تھی۔

۲۔ فرمایا۔ ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (پارہ ۲۶ سورہ فتح ع ۱)

یہ حقیقت ہے جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ

(دراصل) اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے۔

چونکہ نبی خدا کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اطاعت خداوندی ہی کی بیعت لیتا ہے اس لئے نبی سے بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے اور نبی کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہے۔ اور جو لوگ نبی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اللہ کی رضا حاصل کر لیتے ہیں درحقیقت خدا کا دستِ رحمت و حمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے۔

ایک نکتہ یہ بیعتِ رضوان کا قصہ ہے اور صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والے اصحاب رسولؐ کی شان بیان ہو رہی ہے جن میں بالاتفاق حضرات اصحاب ثلاثہ بھی شامل ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ خدا کا ہاتھ تو ان حضرات کے ہاتھ پر ہو لیکن آج بعض شرفاء ان ہاتھوں کو ظالم اور غاصب کہیں خدا تو ان قدسیوں کی اس درجہ قدر دانی اور عزت افزائی فرمائے اور بندگانِ خدا ان پر طعن و تشنیع کریں اِنَّا لِلّٰہِ!

جس طرح رب العزت نے اپنے محبوب کے بعض اعمال کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور انہیں اپنا عمل قرار دیا ہے اسی طرح رب العزت نے صحابہ کرام کے بعض اعمال کو بھی

اپنی طرف منسوب کر کے انھیں اپنا عمل فرمایا ہے۔

۱۔ فرمایا۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (پارہ ۹ سورہ انفال ع ۲)

(اے اصحابِ رسولؐ! یہ جو غزوۂ بدر میں تم نے کفار و مشرکین کو قتل کیا ہے) سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کو قتل کیا۔

تھوڑے سے نہتے اور بے سرو سامان افراد کا ایک مسلح فوج کو تہس نہس کر دینا اور سرکش عمائد کفر و سردارانِ قریش کو قتل کے گھاٹ اتارنا قدرت الٰہی ہی کی کرشمہ کاری ہے عام انسانی فعل نہیں۔ یہ مافوق العادت کارنامے فضل و کرم ربانی اور مدد و نصرت الٰہی ہی کے ایمان افروز و روح آفریں نظارے ہیں۔

صدیق اکبر کی نصرت خدا کی نصرت ہے

۲۔ یارِ غارِ نبوت حضرت صدیق اکبرؓ کی مدد و نصرت رسول کو اپنی مدد سے تعبیر فرمایا۔

فرمایا فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۶)

اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اس وقت کر چکا ہے۔ جبکہ کافروں نے آپ کو (مکہ معظمہ سے) نکال دیا تھا، دو آدمیوں میں سے ایک آپ تھے جبکہ دونوں

غار میں تھے۔

سفرِ ہجرت اور اندرونِ غار رفیق و مددگار اور یار وفادار حضرت صدیق اکبرؓ ہی تھے۔

اس سفر ہجرت میں رب العزت نے اپنے محبوب کی ایسی خاص الخاص مدد و نصرت فرمائی۔ جو وقوع سے تقریباً دس برس بعد بیان کی جا رہی ہے اور مثال کے طور پر اتو یہ تاریخی، مثالی اور قابل ذکر و یادگار مدد و نصرت اللہ ہی کی تھی لیکن ظاہری طور پر بالفعل تو حضرت صدیق اکبر رفیق نبوت اور معین و نصیر رسالت تھے۔

سارے عالمِ انسانیت اور جہان بشریت سے اپنے محبوب کی مدد و نصرت کے لئے رب العزت نے جس ہستی کا انتخاب فرمایا وہ مبارک و مقدس اور خوش نصیب و نیک بخت ہستی ابوبکر صدیق ہی کی تھی قدرت نے اپنا کام عالم اسباب میں صدیق اکبرؓ سے لیا۔

تو صدیق اکبر کی مدد کو اللہ تعالےٰ اپنی مدد سے تعبیر فرما رہے ہیں۔

ایک نکتہ! یہاں چشم بصیرت کو یہ جلوہ نظر آیا کہ کفر نبی کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ اور صدق گھر سے نکل کر نبی کا ساتھ دیتا ہے۔ کافر کا یہ کام ہے کہ وہ معاذ اللہ نبوت کو

ملک بدر کرے گھر سے نکالے اور صدیق کا مقام یہ ہے کہ وہ نبوت کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلے۔ اور اپنی جھولی میں سلائے۔ غار کے اندر! اور مزار کے اندر! مزار کے اندر عالم برزخ میں بھی اپنی صاحبزادی کے گھر میں قیامت تک استراحت و آرام کی نیند سلائے! رضی اللہ عنہم اجمعین

اصحاب رسول کی مدد و نصرت خدا کی مدد و نصرت ہے

۳۔ ارشاد فرمایا ھوالذی ایدك بنصرہٖ و بالمومنین (پارہ ۱۰ سورۃ انفال ع ۸) (رسول مقبول! اللہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت دی۔

۴۔ یا ایھا النبی حسبك اللہ و من اتبعك من المومنین (ایضاً)
اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور جتنے مومنین نے آپ کا اتباع کیا (کافی ہیں)

فی الحقیقت حضور کی مدد و نصرت اللہ رب العزت نے فرمائی اور اللہ ہی کی مدد و نصرت حضور کو کافی ہے۔ لیکن ظاہری طور پر اس کا مظہر جاں نثار و سرفروش صحابہ کرام کی تائید و حمایت مدد و نصرت ہے۔ تو عالم اسباب میں بالفعل حضور کی مدد و نصرت صحابہ کرامؓ فرما رہے ہیں جو فی الحقیقت اللہ تعالٰے کی مدد ہے۔

تو حقیقی طور پر عالم غیب میں جو مدد و نصرت اللہ تعالے کی تھی وہی عالم ظہور میں ظاہری طور پر صحابہ کرام کی مدد و نصرت ہو گئی۔

اصحاب رسولؐ کے دشمن خدا کے دشمن ہیں

۵۔ رب العزت، صحابہ کرام کے دشمنوں کو اپنا دشمن فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا۔ ترھبون به عدو الله و عدوکم۔ (پارہ ۱۰ سورۃ انفال ع ۸)

(اس (جنگی قوت) کے ذریعہ سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب رکھو۔

(۶) یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء (پارہ ۲۸ آغاز سورہ ممتحنہ)

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

تو اللہ کے دشمن، صحابہ کرام کے دشمن ہیں اور صحابہ کرام کے دشمن اللہ کے دشمن ہیں۔ اس سے زیادہ صحابہ کرام کی للہیت، خلوص اور فدائیت، خدا پرستی اور قرب و عمل ربی کا اور کیا ثبوت ہوگا۔ رضی اللہ عنہم

لمحۂ فکریہ! جو لوگ اصحاب رسول سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ ان کو ان ارشادات ربانی کی

روشنی میں اپنی روش پر نظرثانی کرنی چاہیئے۔ کہیں یاران رسول پر طعن و تشنیع کرتے کرتے وہ خود کہیں کے نہ رہیں، کیا اسکے بندے عناد و دشمنی کی اس سٹیج پر پہونچ چکے ہیں۔ جہاں انسان کو اپنی سُدھ بُدھ بھی نہیں رہتی، اور وہ اپنا نفع نقصان بھی نہیں سوچ سکتا۔ ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو مشتِ خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

۲۔ اصحابِؓ رسولؐ کی موجودگی میں عذابِ عمومی نہیں آسکتا

حضور رحمت للعالمینؐ کی شان یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے انسانیت عذاب عمومی و ہلاکت آسمانی سے بچ گئی۔ حضورؐ کی موجودگی میں کفار و مشرکین پر بھی عذاب الٰہی نہیں آسکتا ارشاد فرمایا وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ط اسی طرح حضور کے صدقہ میں صحابہ کرام کو بھی یہی مقام عطا ہوا اور ان کی موجودگی میں مشرکین مکہ پر عذاب الٰہی نازل نہیں ہوا۔ جس کے وہ مستحق تھے فرمایا:۔ لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما (پارہ ۲۶ سورۃ فتح ع ۳)

اگر مسلمان (صحابہ) کافروں سے ایک طرف ہوجاتے تو ہم کفار کو دردناک سزا دیتے۔

یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر فرمایا۔ چونکہ اس وقت متعدد مسلمان زن و مرد بحالتِ مجبوری و مظلومی مکہ میں موجود تھے۔ اگر اس وقت لڑائی کا حکم دے دیا جاتا تو کافروں کے ساتھ یہ مسلمان بھی پس جاتے۔

اگر یہ الگ ہو جاتے اور کفار و مشرکین کے ساتھ رلے ملے نہ رہتے تو اللہ تعالے اسی موقع پر مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو دردناک سزا دلواتے اور مکہ فتح ہو جاتا۔ اب محض ان ہی کی وجہ سے وہ عذابِ الیم سے محفوظ رہے۔

اللہ اکبر! غلامانِ محمد کی بھی کیا شان ہے کہ ان کے وجود با جود کی موجودگی میں کفار و مشرکین کو بھی ہدفِ عذاب نہیں بنایا جاتا۔ اور ان مسکین و بے کس صحابہ رض کے طفیل جن کو خود مسلمان بھی نہیں جانتے پورے مکہ کو تعذیب و ہلاکت سے بچا لیا جاتا ہے۔

جب ان بے نام و نشان یارانِ رسول کی یہ شان ہے تو اجلہ صحابہ کرام اور جانشینانِ نبی کی شان کتنا بلند و بالا اور مرفع و اعلیٰ ہو گی۔ رضی اللہ عنہم

۳۔ اصحابِ رسول پر جو حملے ہوں انکا دفاع اللہ تعالے خود فرماتے ہیں

نبی اللہ کا رسول اور دنیا میں اس کا خلیفہ و نمایندہ ہوتا ہے،

اس پر جو بھی وار ہوتا ہے اللہ تعالٰے اس کا دفاع کرتے ہیں، کفار و مشرکین نبی کی ذات پر جو بھی اعتراض کرتے ہیں اللہ اس کا جواب دیتے ہیں، رسول کی طرف سے اللہ تعالٰے خود اعدائے رسول کی مدافعت اور ان کے حملوں کی مزاحمت فرماتے ہیں۔ اس حقیقت کے دلائل و شواہد سے سارا قرآن کریم معمور ہے۔

اسی طرح اصحاب رسول کی ذات پر بھی اعداء و مخالفین کی طرف سے جو حملے ہوتے ہیں ان کا دفاع بھی رب العزت خود فرماتے ہیں مثلاً:۔

دشمنان صحابہ کیلئے اگر نبی بھی استغفار کریں تو کوئی فائدہ نہیں

(۱) ارشاد فرمایا اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(پارہ ۱۰ سورہ توبہ رع ۱۰)

وہ لوگ جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر

خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اپنی محنت ومزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، پھر ان سے تمسخر کرتے ہیں، اللہ ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اور ان (صحابہؓ پر طعن وتشنیع کرنے والوں) کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔

(اے رسول معصوم!) آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش مانگیں تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشیں گے، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا، اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

اللہ اللہ! اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب نبی کے محبوب صحابہ کی کتنا خاطر ورعایت منظور ہے کہ:۔

۱۔ جو ان سے طعن وتمسخر کرتا ہے اللہ اس سے خود تمسخر کرتا ہے۔

۲۔ ان سے طعن واستہزار کرنے کو ناقابل معافی جرم قرار دیا۔

۳۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر ان کے لئے ستر دفعہ استغفار کریں تو بھی اللہ ان صحابہؓ پر طعن وتشنیع کرنے والوں کو معاف نہیں فرمائیں گے؛

۴۔ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا کفر وانکار ہے۔ کیونکہ اصحابِ رسول فنا فی الرسول ہیں، یہ اللہ کے دین کے سرگرم وجاں باز

مبلغ فی سبیل اللہ جاں نثار مجاہد اور شمع رسالت کے پروانہ سوختہ ہیں ان کے خلاف زبان طعن دراز کرنا اللہ اور رسول کا کفر ہے۔ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ما امن برسول اللہ من لم یوقر اصحابہ [۱]۔

فَائِدَہ! تعجب ہے کہ ان صریح ارشادات ربانی کی موجودگی میں بعض علماء حق صحابہ کرام کے خلاف طعن و تبرا سب و شتم اور بد زبانی اور دشنام طرازی کو فسق کہتے ہیں کفر نہیں کہتے۔

صحابہ سے جو کوئی جیسا معاملہ کریگا اللہ تعالےٰ اس سے بالکل ویسا معاملہ کرتے ہیں!!

(۱) واذا قیل لھم امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما امن السفھاء الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون ۰ واذا لقوا الذین امنوا قالوا آمنا جے واذا خلوا الی شیطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون ۰ اللہ یستھزئ بھم و یمدھم

---

[۱] جس نے اصحاب رسول کی توقیر و تعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پر ایمان نہیں لایا۔ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر دوم مکتوب ۲۴۰)

فی طغیانھم یعمھون ٥ (پارہ اول سورہ بقرہ رکوع ۲)

اور جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ایمان لے آؤ جیسا ایمان سب لوگ لائے ہیں۔ تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار! فی الحقیقت وہی ہیں بے وقوف لیکن جانتے نہیں! اور جب وہ منافقین مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب اپنے شریر سرداروں کے پاس خلوت گزین ہوتے ہیں) تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک تمہارے ساتھ ہیں (ہمارے اظہار ایمان کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم استہزار کرتے رہیں (حالانکہ) اللہ تعالیٰ خود انہی کے ساتھ استہزار کرتے ہیں۔ اور ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اپنی سرکشی میں وہ سرگشتہ و حیران ہو رہے ہیں۔

تاریخ میں سب سے پہلا سب صحابہ

سفہار بے وقوف، یہ سب سے پہلا سب و تبرا ہے، جو صحابہ کرام رض کی شان میں کیا گیا۔ گو یہ نہایت معمولی نوعیت کا سب تھا، لیکن اللہ تعالے رب العزت نے اسے بھی گوارا نہ فرمایا اور فوراً اپنے محبوب کے محبوب صحابہ کی طرف سے خود اس کا دفاع فرمایا۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر کئے بغیر معاً فرمایا:۔ الا انھم ھم السفھاء یعنی ہمارے محبوب کے

صحابہ رض کو جو بے وقوف کہتے ہیں، درحقیقت بے وقوف وہی ہیں
فرمایا جو ہمارے پیارے رسول کے پیارے اصحاب سے استہزار
کرتے ہیں۔ ان سے ہم خود استہزار کرتے ہیں۔ یعنی ان کے استہزاءٔ
کی ہم یہ سزا دیتے ہیں کہ ان کی رسّی دراز کر کے انہیں طغیان و شرارت
اور کفر و ضلالت میں بھٹکنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ
عذابِ شدید و الیم کے زیادہ سے زیادہ سزاوار ہو جائیں۔

ایک اصول

تو یہاں ارشاداتِ قرآنی سے ایک
اصول واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ:۔

۱۔ اصحابِ رسول کی شان میں جو بھی کلمہ کہا جائے گا اللہ تعالیٰ
کی طرف سے وہی سنا جائے گا۔ جو یارانِ نبی کو بے وقوف
کہے گا، وہ خود بے وقوف، جو ظالم کہے گا وہ خود ظالم،
اور جو سچا مسلمان کہے گا وہ سچا مسلمان اور جو مومن عادل
کہے گا وہ خود مومن! بارگاہ ربانی سے آج بھی یہی صدا
آرہی ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم سن نہیں سکتے، سننے
والے حضور کریم روضۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ مگر
قرآن تو قیامت تک باقی ہے۔ یہ ارشاد ربّانی تو ابد
الآباد تک برقرار ہے۔ ؎

اگرچہ میکدے سے اٹھ کے چل دیا ساقی
وہ مے وہ خم وہ صراحی وہ جام باقی ہے

اور جب تک قرآن باقی ہے۔ یہ اصول باقی ہے جس کی روشنی میں آج بھی سننے والے سُن رہے ہیں کہ جو یارانِ نبیؐ کو جس خطاب سے بھی یاد کر رہا ہے۔ بارگاہِ الٰہی سے وہی خطاب پا رہا ہے۔

۲۔ صرف قول ہی نہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اصحاب رسولؐ سے جو بھی معاملہ کیا جائے گا جواب میں اللہ تعالےٰ وہی معاملہ فرمائیں گے، اگر یارانِ نبی سے استہزار و تمسخر اور ٹھٹھا مخول کیا جائے گا تو جواباً اللہ تعالےٰ بھی استہزار و تمسخر اور ٹھٹھا مخول کریں گے اور جو کوئی یارانِ نبی کی تعظیم و تکریم اور احترام و اعزاز کرے گا اللہ تعالےٰ اس کا بھی اعزاز فرمائیں گے۔ ؎

از مکافات عمل غافل مشو گندم از گندم بروید، جو ز جو!

ایک نکتہ

صحابہؓ منافق نہیں صحابہؓ کو منافق کہنے والے منافق ہیں

یہاں ایک نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض شرفار اصحاب رسولؐ کو منافق کہتے ہیں، اور قرآن یہ کہتا ہے کہ صحابہ کو سب و شتم

کرنے والے منافق ہیں۔ ؎

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

جو لوگ اصحاب رسول کی شان میں اس قسم کی گستاخیاں کرتے ہیں، ان کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی چاہیئے اور ان ارشادات ربانی کی روشنی میں صحابہ کرام رض کی ذات پاک پر لعن و تبرا سے پہلے اپنے مقام اور موقف پر غور کر لینا چاہیئے۔ ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی!
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

دوسرا سب يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ط وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (پارہ ۲۸ منافقون) کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کو لوٹ گئے تو عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دیگا۔ اور (حالانکہ) عزت اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور مومنین (صحابہ) کے لئے! ولیکن منافقین اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ یہ دوسرا سب و شتم ہے جو اصحاب رسول کی شان میں ہوا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ یہاں بھی شاتم و تبرائی منافق ہی ہیں۔

دیکھئے منافقین نے صحابہ کرامؓ کو بے قدر و ذلیل کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ادنے سے تامل و تاخیر کے بغیر فوراً اس سب وشتم کا دفاع کیا۔ اور اپنے سچے رسول کے سچے اصحاب رض کو صاحب عزت و قدر قرار دیا۔ اور عزت اللہ اور رسول اور غلامان رسول ہی کے لئے مخصوص فرمادی۔ گویا ذلیل و بے عزت وہی منافقین ٹھہرے۔

منافقین کے اور خصائل کمینہ وصفات ذمیمہ بھی تھے۔ لیکن قرآنی تصریحات سے معلوم ہوا کہ ان کی عنداللہ بہت بڑی اور قابل ذکر ولائق مؤاخذہ صفت بد اور خصلت شنیعہ یہ تھی کہ وہ اصحاب رسولؐ کے دشمن تھے، اور ان کی شان میں غائبانہ گستاخیاں کرتے رہتے تھے۔

نکتہ | جن قدوسیوں کی شان میں یہ گستاخی کی جارہی ہے ان کا مسکن و مقام مدینہ طیبہ ہے۔ اور گستاخ زبان دراز و بدکلام منافق مدینہ سے باہر یہ گستاخی کر رہے ہیں۔ وائے افسوس! کہ آج بھی مدینہ سے باہر دور دور رہنے والے بعض شرفاء اس قسم کی گستاخیاں کرتے ہیں اور جن کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں وہ مدینہ میں بلکہ آغوش رسول میں استراحت فرما ہیں۔

۳، **موتوا بغیظکم** ارشاد فرمایا:۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ

الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا وان تصبروا و تتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط

(پارہ ۴ آل عمران ع ۱۲)

اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی تمہاری طرح) ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں۔ تو مارے غصے کے تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے تم اپنے غصے میں مر جاؤ۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

اگر تم کو کوئی بھلائی پیش آتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی برائی پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان کا مکروفریب تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین و منافقین، تمام کفار و غیر مسلمین صحابہ کرام کے دشمن و بدخواہ ہیں۔ اور فرطِ غیظ و جوشِ غضب میں دانت پیستے، اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ان کے اس مظاہرہ عداوت پر فوراً ارشاد فرماتے ہیں

کہ اصحابِ رسول کو تو مزید دینی دنیوی ترقیات حاصل ہوں گی۔ تم حسد اور بغض کی آگ میں جل بھن مرو، تمہارا مکروفریب تمہاری چیرہ دستیاں اور غداریاں اصحابِ رسول کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی، تمہاری کمینہ آرزوئیں اور بداندیشیاں مرتے دم تک پوری نہیں ہوں گی۔ تم اسی حسرت واندوہ میں مر جاؤ گے ؎ حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

تو اس ارشاد الٰہی سے یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ صحابہ کرام سے بغض و حسد اور ان محبوبِ خدا کی بداندیشی و عداوت کفر و منافقت کی واضح علامت ہے، کافر و منافق اور مشرک و بے ایمان اصحابِ رسول کے دنیوی و اخروی مدارج و فضائل عالیہ کو دیکھ کر جل بھن جاتا ہے۔ اس کا جذبۂ عداوت اور بدخواہی اس کی باتوں اور حرکتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

وہ جیسا معاملہ صحابہ کرام سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ویسا معاملہ کرتے ہیں وہ آتشِ حسد و عداوت میں جلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اسی آگ میں بھون کر ختم کر دیتے ہیں۔

کاش کہ دشمنانِ اصحاب رسول اور بداندیشانِ یارانِ نبی اس حقیقت کو محسوس کرتے کہ صحابہ کرام سے ان کی عداوت و دشمنی، ان کا خبثِ باطن ان کا جوشِ تباغض و

تنا فرادوان کا جذبۂ بدخواہی و بداندیشی ان محبوبانِ محبوب خدا اور مقبولینِ بارگاہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کی رفاقت و محبت کے صدقہ میں انہیں دارین میں معزز و سرافراز فرمایا ہے۔ ہاں اس سے یہ اپنا نقصان ضرور کر رہے ہیں اور ہر دو جہاں میں ذلت و خسران اٹھا رہے ہیں۔ ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد
کسے کو تف زند ریشش بسوزد

۴۔ اصحابِ رسول کی اتباع و تقلید

مقام نبوت و منصبِ رسالت تو خدا کے اختیار میں ہے رسول کے بس کی بات نہیں البتہ حضور نے اپنے فیض صحبت وکمال تربیت سے صحابہ کرام کو اپنے سالہ مقام ہدایت و منصب امامت پر لا کھڑا کیا ہے۔

۱۔ ارشاد فرمایا فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا (پارہ اول آخری رکوع) سو اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح (اے اصحابِ رسول) تم ایمان لائے ہو، تب تو انہوں نے بھی ہدایت پائی۔

یہود و نصاریٰ کو یہ زعم باطل تھا کہ ہم ہی اہل ایمان و ہدایت ہیں۔ چنانچہ وہ دنیا کو دعوت دیتے تھے۔ کونوا ھودًا او نصارٰی تھتدوا، یعنی تم لوگ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اب تمہارے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں اب جب تم اصحابِ رسول کی طرح ایمان نہیں لاؤ گے ہدایت نہیں پاؤ گے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ابن صوریا (یہودی) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہدایت

تو وہی ہے جس پر ہم ہیں یا محمد، آپ ہماری اتباع کریں، ہدایت پا جائیں گے۔

اور نصاریٰ نے بھی اسی طرح کہا ان کے حق میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔[۱]

تمسخر رب کعبہ سے تلعب دین بر حق سے
کہاں تک بڑھ گئی اس دشمنِ ایماں کی بیباکی

ان شریفوں کی شوخی و جسارت ملاحظہ ہو کہ امام الانبیاء خاتم المرسلین کی ذاتِ پاک کو یہودیت و نصرانیت کی دعوت دینے لگے، غیرتِ حق جوش میں آئی فرمایا:-

تم تو میرے محبوب سید الانبیاء کو اپنی اتباع کی دعوت دے رہے ہو مگر یاد رکھو، جب تک تم میرے محبوبؐ کے غلاموں کی غلامی قبول نہیں کروگے ہدایت نہیں پاؤ گے۔ ایمان لانے کے معاملے میں اصحاب رسول کی اقتداء و اتباع کروگے انہی کی تقلید کروگے تب ہدایت نصیب ہوگی ورنہ نہیں،

۲۔ غلامانِ محمد اماماںِ امت ہیں

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

---

[۱] تفسیر بیان القرآن از حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح

ارشاد فرمایا والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واعد لہم جنت تجری تحتہا الانہر خالدین فیہا ابدا ذالک الفوز العظیم[1] اور مہاجرین وانصار جو (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت کے) جن لوگوں نے (قیامت تک) اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

سبحان اللہ! اصحاب رسول کی بھی کیا شان ہے کہ اللہ ان سے بھی راضی اور جن سے یہ راضی ان سے بھی راضی!

ارشاد ربانی میں کس قدر صراحت ہے کہ اتباع رسول کے شرف سے تو مشرف ہوئے۔ صرف حضرات مہاجرین وانصار! اور ان کے نورِ اتباع سے منور ہوئی ساری دنیا!

دور صحابہ کے بعد ساری امت محمدیہ قیامت تک صحابہ کرامؓ کی مخلصانہ غلامی و پیروی کرے گی، ان کی جوتیوں

---

[1] (پارہ ۱۱۔ سورۃ توبہ ع ۱۳)

میں بیٹھے گی، تب وہ رضائے الٰہی حاصل کر سکے گی۔ اور جنت الفردوس کی مستحق ہو گی۔

کیا عظیم قدر اور جلیل شان ہے غلامانِ رسول کی! جن کے آثارِ قدوم پر جبینِ نیاز و خلوص دھرنے اور سرِ تسلیم و انقیاد رکھنے سے جنت ملتی ہے اور پھر حدودِ فکر و تصور سے بلند و بالا کیا شان ہے حضور رسولِ کریم کی! جن کی غلامی سے صحابہ رضؓ کو یہ مقام نصیب ہوا اور جن کے فیضِ صحبت سے انہیں یہ سعادت ملی۔ ؎

اسدؔ فیوضِ درِ مصطفیٰ کا کیا کہنا
بشر کو جو بھی سعادت ملی یہیں سے ملی

۳۔ صحابہ کرامؓ کی مخالفت موجبِ جہنم ہے

اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو۔ جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عدمِ اتباع موجبِ خسران و باعثِ نیران ہے۔ اسی طرح اصحابِ رسول کے اسوۂ حسنہ سے انحراف اور ان کے اتباع سے سرتابی موجبِ ہلاکت اور باعثِ دخولِ جہنم ہے۔

ارشاد فرمایا ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدٰی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا۔ (پارہ ۵ سورۃ نساء ع ۱۷)

اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہو۔ اور سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف چلے تو جدھر وہ خود پھر گیا ہے۔ ہم اسے اسی طرف چلائیں گے، اور ہم اسے واصل جہنم کریں گے، اور وہ بہت بڑی جگہ ہے۔

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول سے بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں منقول ہیں۔

۱۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لایجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار (ترمذی)

۲۔ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار (رواہ ابن ماجہ من حدیث انسؓ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت یا فرمایا امت محمد کو ضلالت پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ نار دوزخ

میں پڑا (ترمذی)

اور انہی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس سے بھی روایت ہے حضور نے فرمایا عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو بلاشبہ جو عامۃ المسلمین سے جدا ہوا وہ دوزخ میں پڑا (ابن ماجہ)

اجماع امت شرعی حجت ہے

آج بعض مستشرقین تو حدیث رسول کا انکار اطاعت رسول سے اعراض اور اصحاب رسول کے اتباع سے انحراف کر رہے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ قرآن رسول و اصحاب رسول تو بجائے خود! عامۃ المسلمین کی تقلید اور پیروی کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اور اللہ میاں منکرین اجماع امت کو داخل نار و داصل جہنم فرما رہے ہیں۔

حکیم الامتؒ کا حکیمانہ تبصرہ

اجماع امت کی حقیقت و حجیت پر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے کیا حکیمانہ تبصرہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں:۔

"رسول اللہ کے طریقہ کا علم مشاہدۃً تو ہر وقت متعذر ہے اس وقت بھی بوجہ اکثروں کے غائب ہونے کے اور بعد میں بوجہ وفات کے! رہا روایۃً منصوص میں اور درایۃً یعنی اجتہاداً غیر منصوص میں! وہ محتاج

توسط رواۃ وہداۃ مساہین ہے۔ پس زیادہ معرف
موافقت ومخالفت طریقہ رسول کا اتباع وعدم اتباع
سبیل مومنین کا ہوا[1]۔

توسبیلِ مومنین کی اتباع عنداللہ مطلوب اور مشروع اور موجب
نجات وفلاح دارین ہے اور عدم اتباع باعثِ خسرانِ
دوجہاں! عامۃ المسلمین کی پیروی دخولِ جنت کا موجب ہے
اور اجماع امت سے انحراف وسرتابی وصول جہنم کا باعث!
اصحابِ رسول قصرِ امت کی اساس و بنیاد اور اس سلسلہ
مبارکہ کی پہلی کڑی ہیں۔ جب تاریخ کے ہر دور میں امت
رسول کا اتباع مطلوب ومشروع ہے تو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام
کی اطاعت وغلامی کتنا ضروری اور لازمی ہوگی، جب عام
امت کی یہ شان ہے تو جن قدوسیوں کی غلامی سے امت کو
یہ شان ملی ہے، ان کی کیا شان ہوگی؟

ع۔ قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

صحابہ کرام کا اتباع موجب جنت ہے

اسلام میں جس طرح حضور کا اتباع ضروری ہے، اسی طرح صحابہ کرام کا اتباع ضروری ہے،

---

[1] تفسیر بیان القرآن۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب جہنم میں جائیں گے، مگر ایک جماعت! (یہ جنت میں جائے گی) صحابہ نے عرض کیا کون سی جماعت یارسول اللہ! فرمایا جس میں میں ہوں اور میرے اصحاب[1] (ترمذی)

گو آپ کے مسلک اور آپ کے صحابہ کے مسلک میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں تاہم مستقل طور پر ان کے مسلک اور طریق کو اس لئے ذکر فرمایا ہے۔ تاکہ انسانیت ان کو نظر انداز کر کے صرف اتباع رسول پر قناعت نہ کرلے کیونکہ اتباع و اطاعت رسول کی وہی شکل و صورت مقبول و معتبر ہے جو اصحاب رسول کے اعمال و افعال اور یاران نبی کی سیرت و کردار میں جلوہ گر ہے، اس کے علاوہ جو بھی شکل و صورت ہے وہ ناقابل اعتبار و قبول ہے۔

تو فرقہ ناجیہ کی علامت صحابیت کی تعظیم و تکریم اور صحابہ کا وقار و احترام اور ان کی تقلید و اتباع ہے، جو ان کا احترام و اتباع نہیں کرتا وہ درحقیقت حضور کا احترام و اتباع نہیں کرتا

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب اعتصام بالکتاب والسنۃ۔

اس لئے وہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہے۔

ہر صحابی کی اقتدار باعث ہدایت ہے

جس طرح کفار رسولوں میں تفریق کرتے ہیں بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اسی طرح بعض "مسلمان" اصحاب رسول میں تفریق کرتے ہیں۔ بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے۔ دو چار کی قیادت وامامت کو تسلیم کرتے ہیں اور باقی سب کی عداوت و مخالفت ان سے بغض وعناد بلکہ ان کی شان میں گستاخی، سب وشتم، بدکلامی و بدزبانی کو عین ایمان سمجھتے ہیں۔ مگر جس طرح اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں میں تفریق کی اجازت نہیں دیتے اسی طرح حضورؐ بھی اپنے صحابہؓ میں تفریق کی اجازت نہیں دیتے اور جمیع اصحابؓ کی اقتدار کو ذریعۂ ہدایت قرار دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے حضور علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے بعد اپنے اصحاب میں اختلاف کے بارے میں اپنے پروردگار سے سوال کیا پس اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ اے محمد! آپ کے اصحاب میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان میں تارے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ قوی (روشن) ہیں ولیکن روشن سب ہیں۔ پس جس نے ان کے اختلاف سے کچھ

لیا جس پر وہ قائم ہیں میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے
اور فرمایا میرے (جمیع) اصحاب ستاروں کی طرح ہیں پس
ان میں سے جس کی بھی تم اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے[1]

صحابہ کرام میں عناد و مخالفت ممکن نہیں ان میں اصول و کلیات
میں بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ دینی حدود کے اندر ان قدسیوں
میں جو بھی اختلاف تھا وہ فروعی و جزوی نوعیت اور فکری
و اجتہادی قسم کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف کے باوجود ان
میں مذہبی بنیادوں پر فرقہ بندی اور پارٹی بازی کا وجود نظر نہیں آتا

اختلافِ صحابہؓ کی حقیقت

خلافتِ راشدہ کے دور
ثالث و رابع میں جو باہمی
ہنگامہ آرائیاں اور خوں ریزیاں ہوئیں انہیں ہم غلط فہمی و
غلط اندیشی سے ان حضرات میں دین کا اختلاف سمجھنے لگ
جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو
معلوم ہو گا کہ یہ اختلاف "صحابہ کرام کا باہمی اختلاف تھا"
دینی اختلاف" نہیں تھا، دین میں وہ متفق تھے، دینی عقائد
و تصورات، اعمال و معاملات میں وہ متحد تھے، دین کی

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب مناقب الصحابہ روایت کے آخری حصہ کے اصل الفاظ ملاحظہ
ہوں۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم (رواہ رزین)

اطاعت و اشاعت اور اسلام کی خدمت اور اس کے تحفظ کے بارے میں وہ کوجل واحیا تھے یہی وجہ ہے کہ باوجود باہمی نزاعات و مشاجرات کے ہمارے نزدیک جمیع صحابہ واجب التعظیم و التقلید اور لائق احترام و اتباع ہیں۔ اہل سنت کے مسلک میں سب کے سب یارانِ رسول اہل حق اور عدول ہیں یہ سب کے سب سراج منیر ہدایت کے درخشندہ و تابندہ ستارے ہیں۔ ان کی اقتدا و اتباع ہی میں ہدایت و نجات کا راز مضمر ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ؎

حضرت سما رشد و ہدایت کے مہر و ماہ • اصحاب کالنجوم فلک پر ہیں آشکار

قدوسیت کا مخزن و معدن تھے ذات پاک • اصحاب اہل بیت ہیں در ہائے شاہوار

صد حیف! آج بھی ضحاد آل پاک کو • کہتے برا بھلا ہیں مسیر راہ نابکار!

ممکن بھی تھا یہ؟ کس کی بھلا تھی مجال یہ؟ • حضرت علی کے ہاتھ میں جبتک تھی ذوالفقار

جنگل میں بھیڑ بکری کو نگران مل گیا

اک دین حق ہے جس کو نگہبان مل سکا (بخاری)

۵ خلفائے راشدین رض کی سنت کا اتباع

جمیع صحابہ کرام رض کی عمومی اتباع و تقلید کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات خلفائے راشدین کی اطاعت اور اتباع سنت کا خاص حکم ارشاد فرمایا:۔

حضرت عرباض رض بن ساریہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ .....

(رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم قرار دے کر یہ حقیقت واضح فرما دی کہ ان حضرات کی سنت کا اتباع مستقلاً مطلوب ہے۔ ان ہی کی سنت سنت رسول ہے۔ جب تک ان کی سنت کا اتباع نہیں کیا جائے گا۔ اتباع سنت رسول کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔

مہدیین! کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ ہدایت، سنت رسول کی طرح سنت خلفائے راشدین پر مبنی اور قائم ہے۔

اتباع شیخین رض

جس طرح حضرات خلفائے راشدین کو عام اصحاب رسول میں مبدا، فیض سے خاص مقام و مرتبہ ودیعت ہوا ہے، اسی طرح خلفائے راشدین میں سے حضرات شیخین رض کو خاص الخاص درجہ و رتبہ عطا فرمایا گیا ہے۔

اگر خلفائے راشدین دنیائے عظمت و امامت کے جبال فلک بوس ہیں تو حضرات صدیق رض و فاروق رض ان جبالِ عظیم کے رؤسِ کریم! کرامت و قیادت کے ان پہاڑوں کی مقدس چوٹیاں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خاص طور پر حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی اتباع و اقتدار کا صریح حکم صادر فرمایا۔ ارشاد فرمایا "میں نہیں جانتا کہ میں کتنی مدت تمہارے درمیان رہتا ہوں، پس تم میرے بعد ابوبکر رض و عمر رض کی اقتدار (و متابعت) کرو[1]۔

فائدہ:۔ اس ارشاد رسول میں ان حضرات کی اقتدار و اتباع کے علاوہ ان کی سیادت و خلافت کا پہلو بھی واضح طور پر نکلتا ہے، جہاں یہ ارشاد ان حضرات کی اقتدار و اطاعت پر نص صریح ہے۔ وہاں اس ارشاد گرامی میں ان کی خلافت و امامت کی پیش گوئی بھی ہے۔

خلاصہ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات و ہدایت کا دار و مدار حضور رسول خدا کی اتباع و اطاعت

---

[1] عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (رواہ الترمذی) (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر وعمر رض)

کی طرح اصحاب رسول کی اقتدار و پیروی پر ہے بعض شرفار تو خود ان قدوسیوں کی ذات پر اعتماد نہیں کرتے اور رب العزت دارین کی فوز و فلاح کو ان کے قدوم مقدسہ سے وابستہ فرماتے ہیں۔ جب تک انسان ان کا طوقِ غلامی زیب گلو نہ کرلے، ہدایت نہیں پا سکتا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۵۔ رسول اور اصحاب رسول ایک ہی مقام پر

آپ غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضور رسول کریم کسی بھی حالت میں اپنے اور اپنے صحابہ رض کے درمیان افتراق و جدائی کے روا دار نہیں۔ ہر حال میں حضور اپنے اصحاب رض کو اپنے دامن سے وابستہ و پیوستہ رکھتے ہیں اور شمع رسالت ہر مقام پر اپنے پروانوں کو اپنے ساتھ رکھتی ہے کہیں جدا اور دور نہیں کرتی۔ بطور مثال چند جانفزا اور روح افزا مناظر دیکھئے!

۱۔ خیر امت رض

ارشاد فرمایا میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ (میرے صحابہ رض) ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان (صحابہ رض) سے متصل ہوں (یعنی تابعین رح) پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان (تابعین رح) سے متصل ہوں (یعنی تبع تابعین رح) پھر ان (تبع تابعین) کے بعد

ایسی قوم ہوگی جو بغیر طلب شہادت کے (جھوٹی) شہادت دے گی اور خیانت کرے گی اور ان کی امانت و دیانت پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا[1] (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۔ اخیار امت[2] حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے حضور نے فرمایا، میرے اصحاب کی تعظیم و تکریم کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے (امت مسلمہ کے) بہترین لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ بہترین ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین) پھر ان کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا[2] (نسائی شریف)

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنے صحابہ کو ہدایت و فیضان کے میدان میں اپنے شانہ بہ شانہ رکھا ہے جس طرح آپ کے فیوض سے مستفیض لوگ (صحابہ کرامؓ) بہترین اور ہدایت یافتہ ہیں اور ان کی امانت و دیانت پر اعتماد ہے۔ بالکل اسی طرح صحابہ کرامؓ کے فیض صحبت سے بہرہ یاب لوگ بہترین اور ہدایت یافتہ ہیں۔ اور ان کی امانت و دیانت قابل اعتماد ہے۔ اور جس طرح آپ کے اصحابؓ کے اصحاب

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب الصحابہؓ بروایت عمران بن حصینؓ [2] ایضاً۔

(تابعین رح) بہترین ہدایت یافتہ لوگ ہیں اسی طرح صحابہ کرامؓ کے اصحاب کے اصحاب (تبع تابعین) بھی بہترین اور قابل اعتماد (لوگ) ہیں۔ ان کے بعد فتنہ وفساد کا دور دورہ ہوگا۔ خیانت عام ہوگی۔ جھوٹ پھیل جائے گا۔ صدق وامانت عنقا ہوجائے گی۔

تو جس طرح آپ مہدی وہادی ہیں اسی طرح صحابہ کرام مہدی وہادی ہیں۔ اور جو شان آپ کے افاضہ وافادۂ عام کی ہے۔ وہی شان آپ کے اصحاب کے افاضہ وافادۂ عام کی ہے۔ رضی اللہ عنہم،

۳۔ موجب امن وبرکت ارشاد فرمایا میں اپنے اصحاب کے لئے امن کا سبب ہوں جب میں چلا جاؤں گا، تو میرے اصحاب پر وہ چیز آئے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی فتنہ وفساد اور خون ریزی) اور میرے اصحاب میری امت کے لئے امن کا سبب ہیں جب میرے اصحاب چلے جائیں گے۔ تو میری امت پر وہ چیز آئے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی بدعات وحوادث اور خاتمہ خیر واشاعت شر وغیرہا۔ صحیح مسلم۔ ؎

؎ مشکوۃ شریف باب مناقب الصحابہ بروایت ابی ہریرۃ رضؓ

اللہ اللہ ذرا غور فرمایئے کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں جس طرح حضور کی ذات پاک اصحاب کے لئے موجب امن ورحمت اور خیر وبرکت ہے۔ بالکل اسی طرح صحابہ کرام کا وجودِ اقدس امت کے لئے باعث امن وبرکت ہے اور جس طرح وجود با جود رحمت عالم کے اٹھ جانے سے عہد صدیقی و فاروقی کے بعد صحابہ میں اختلافات اور خونریزی کا سلسلہ شروع ہوگیا اس طرح صحابہ کرام کے اٹھ جانے سے دنیا میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا۔

۴۔ صحابہؓ کی زیارت جہنم سے نجات کی ضمانت ہے!

ترمذی شریف میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس مسلمان کو نار جہنم نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا اسے دیکھا ہو جس نے مجھے دیکھا[۱] یعنی صحابہ کرام اصحاب رسول کی مقدس ومسعود صورتوں کی زیارت بھی نار جہنم سے برأت وآزادی کی ضمانت ہے۔

۵۔ بغض صحابہ بغض رسول ہے!

فرمایا خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے معاملہ میں

۱ے مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب الصحابہ رض

(حکم فرمایا) خدا سے ڈرو پھر خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے معاملہ میں یعنی کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان کی عظمت وشان و جلالت قدر کے خلاف ہو) میرے بعد تم ان کو ہدف مطاعن نہ بنا لینا جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے! اور جو انسے بغض رکھتا ہے سو وہ میرے ہی بغض کے سبب ان سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی در حقیقت اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی تو اس نے یقیناً اللہ تعالےٰ کو اذیت پہنچائی۔ (ترمذی شریف)

رحمتِ کونین کے اس ارشادِ مقدس میں یارانِ رسول کی بڑی مدح ومنقبت ہے اتنی بڑی کہ اس سے بڑی ممکن ہی نہیں!

حضور نے اپنے مخلص صحابہ اور جانباز پروانوں کی شان کیا بیان فرمائی انہیں اپنے مقام پر کھڑا فرما دیا ہے، اپنے فضل وکرم سے انکا سر افتخار آسمان تک پہنچا دیا ہے اس اعزاز واکرام پر یارانِ رسول جتنا فخر و ناز کریں بجا ہے۔ بلکہ کم ہے ؎

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے

نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

حضور نے اپنے ان عشاق کو اپنا بنا لیا ہے بالکل اپنا لیا ہے اور اس حد تک اپنے میں جذب فرما لیا ہے کہ اب ان کی محبت حضور کی محبت ہے اور ان سے بغض وعداوت حضور سے بغض وعداوت،

ان کی تکلیف و اذیت خود حضور کی تکلیف و اذیت ہے اور حضور کی ایذا و تکلیف اللہ کی ایذا و تکلیف ہے۔

گویا جو طعن و تشنیع اور سب و شتم سے صحابہ کرام کو ایذا دیتا ہے وہ در حقیقت خدا کو ایذا دیتا ہے قرب و وصل اور محبت و توجہ کا تعلق جو خدا اور رسول کے درمیان ہے وہی تعلق رسول اور اصحاب رسول کے درمیان ہے۔ محبوب خدا جس طرح خدا کو پیارے ہیں اور جو حضور کو ایذا دیتا ہے وہ خدا کو ایذا دیتا ہے بالکل اسی طرح اصحاب رسول! رسول کو پیارے ہیں اور جو ان کو دکھ درد دیتا ہے وہ رسول کو دکھ درد دیتا ہے وہ خدا کو ایذا و تکلیف پہنچاتا ہے اب اسے خود سوچ لینا چاہئے کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟
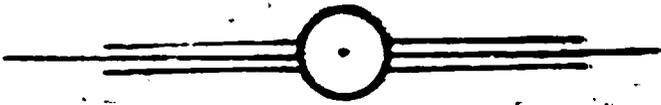
۷۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلفائے رسولؐ، رسول کے مقام پر

دنیا کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدینؓ کی خلافت میں تردد وکلام ہے۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ ہی میں حضور کی خلافت اور قائم مقامی سے مشرف و معزز ہو چکے ہیں۔ خلافت کے معروف معنیٰ کسی کی وفات کے بعد اس کی قائم مقامی کے ہیں مگر لغت میں اس کا اطلاق مطلق جانشینی پر ہوتا ہے۔ خواہ کسی کی حیات میں ہو اور خواہ بعد از وفات!

مفردات راغب اصفہانی میں ہے:-

یقال تخلف فلان فلانا اذا تاخر عنه واذا جاء خلف آخر واذا قام مقامه ومصدره "الخلافة" والخلافة النیابة عن الغیر اما لغیبه المنوب عنه واما لموته

کہا جاتا ہے فلاں فلاں کا خلیفہ ہوا۔ جب کہ وہ اس سے پیچھے رہ جائے اور جب دوسرے کے پیچھے آئے اور جب اس کا قائم مقام ہو اور اس کا مصدر خلافتہ ہے اور خلافت کے معنیٰ ہیں غیر کی نیابت! خواہ اس کی غیر حاضری میں اور خواہ اس کی موت کے بعد!

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہیں اور اس اثنا میں اپنے پیچھے سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ جاتے ہیں، قرآن کریم میں اس موقع پر فرمایا گیا ہے۔

وقال موسٰی لاخیہ ھٰرون اخلفنی فی قومی (پارہ ۹ اعراف ۱۴۲)

اور (حضرت) موسٰے نے اپنے بھائی (حضرت ہارون) سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین رہو۔

اور واپس آکر فرمایا بئسما خلفتمونی من بعدی (رکوع ۱۸)

حدیث شریف میں بھی خلافت کا استعمال انہی معنوں میں ہوا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی تبوک واستخلف علیا فقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء قال الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لیس نبی بعدی۔ (صحیح بخاری باب غزوہ تبوک)

حضورؐ (غزوۂ) تبوک کو تشریف لے گئے اور (حضرت) علی رضؓ کو اپنا جانشین بنا کر مدینہ میں چھوڑ گئے انہوں نے کہا (یا رسول اللہ) آپ مجھے بچوں اور مستورات میں چھوڑے جاتے ہیں (میں جہاد میں شرکت سے محروم رہ گیا) حضورؐ نے فرمایا کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ تم کو میرے ساتھ وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسٰی سے تھی۔ مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ) بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی جس طرح

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کو جاتے وقت اپنا قائم مقام حضرت ہارون علیہ السلام کو بنا گئے تھے۔ اسی طرح تبوک کو جاتے ہوئے میں تمہیں اپنا جانشین بنا رہا ہوں۔ کیا تم اس شرف اور نسبت پر راضی نہیں؟

ایک مغالطہ کا ازالہ

یہاں ایک غلط فہمی یا فریب کاری کا ازالہ کر دینا ضروری ہے بعض شرفا اس حدیث سے سیدنا حضرت علی رض کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گویا حضور نے ان کی خلافت کی وصیت فرمادی اور حضور کے بعد خلافت حضرت علی کا حق تھا۔ حالانکہ اس ارشاد گرامی میں حضور کے بعد کی خلافت کا مذاکرہ بلکہ اشارہ تک موجود نہیں۔ اس میں تو حضور کی حیات طیبہ میں حضور کی عدم موجودگی میں نیابت و قائم مقامی کا سوال ہے۔ جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں ان کے قائم مقام تھے۔ اسی طرح حضور کی عدم موجودگی میں حضور کے قائم مقام حضرت علی رض ہیں۔

بعض شرفا اس حدیث سے خلافت بلافصل پر استدلال کریں اچھا ہے۔ ہاں اگر خوارج اس سے سیدنا حضرت علی رض کی عدم خلافت پر استدلال کریں تو گو وہ خلاف حق اور ظلم ہوگا لیکن استدلال میں وزن ضرور ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رض کو اپنی ذات سے وہی نسبت دے رہے ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے تھی اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام
کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلافت اور جانشینی کا موقع
نہیں ملا۔ بلکہ ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مقدسہ میں ان
کی وفات سے چالیس برس پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

تو ظاہر حدیث سے اگر استدلال ہو سکتا ہے تو عدمِ خلافت پر نہ کہ
خلافت بلا فصل پر۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس ارشادِ رسولؐ میں حضورؐ
کے بعد خلافت کا کوئی ذکر اذکار نہیں۔ یہاں تو صرف حضور کی غیبت
میں حضور کی قائم مقامی کا سوال ہے۔ حضرت علیؓ ایسے مرد مجاہد کو
غزوۂ تبوک میں عدمِ شرکت کا رنج و ملال تھا۔ اور وہ عورتوں اور
بچوں میں رہ جانے کو ایک گونہ نقص تصور فرما رہے تھے۔ مگر حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا، میری
قائم مقامی کوئی معمولی بات نہیں۔ جو نسبت و منزلت حضرت
ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی وہی تم کو
مجھ سے ہے۔

ختم نبوت خلافت بلا فصل کا تو اس ارشادِ رسول سے وہم و گمان
بھی کسی انسان کے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ ہاں اس
نسبت سے اگر شبہ پیدا ہو سکتا تھا تو حضرت علیؓ کی نبوت کا
ہو سکتا تھا۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی قائم مقامی کے وقت نبی تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس بعید سے بعید شبہ کا بھی ازالہ فرما دیا۔ اور فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"

ایک نکتہ اللہ اللہ! ختم نبوت اسلام کا کتنا بنیادی مسئلہ ہے کہ جہاں بھی اس کے خلاف شبہ پیدا ہونے کا ذرہ بھر امکان ہوتا ہے۔ امت پر رؤف و رحیم نبی کریمؐ اس کا ازالہ فرما دیتے ہیں تاکہ بعد میں کسی کو غلط فہمی یا مغالطہ کا شکار ہونے کا موقع نہ ملے۔

اب دیکھو یہاں نہ ختم نبوت کا موقع نہ محل نہ ذکر نہ بحث! صرف بعید سے بعید امکان اس شبہ اور گمان کے پیدا ہونے کا تھا کہ جب حضرت علی رضؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی نسبت دی جا رہی ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہیں تو ہو سکتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نبی ہوں۔ لہٰذا اس گمان کی فوراً لا نبی بعدی فرما کر نفی فرما دی۔ اور اس وہم کو یک قلم ختم فرما دیا۔

درحقیقت نبوت اسلام کا بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہے۔ اور اس کا منکر بالیقین کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

بہرحال خلافت کے معنی مطلق قائم مقامی اور جانشینی کے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دنیا کی حیات طیبہ میں حضرات خلفائے راشدین رضؓ کو اپنا قائم مقام بنایا اور جو کام منصب نبوت و مقام رسالت سے متعلق تھے وہ کام ان حضرات سے لئے مثلاً۔

....

حضرت ابوبکر صدیقؓ

۵۔ نبیؐ کی جگہ پر امامت کرائی — ہے امت میں ابوبکرؓ کا کون ثانی ؟

۱۔ امامت نماز! حضورؐ نے مرض وفات کے دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ قوم کا امام بنایا۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی سر میں درد تھا اس لئے سر میں رُومال باندھ کر آپ تشریف لائے عشا کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی سب کو حضورؐ کا انتظار ہے لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا پھر اٹھنا چاہا کہ غش آ گیا۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا۔ پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی، جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ "ابوبکرؓ نماز پڑھائیں" حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یارسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں[1] چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی[2]"

---

[1] صحیح بخاری و مسلم بروایت حضرت عائشہؓ

[2] سیرۃ النبی جلد دوم ص۱۷۲ـ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ حاشیہ میں لکھتے ہیں :۔
بخاری باب الامامۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھائی۔ اور حضرت ابوبکر نے آپ کی قائم مقامی کی اس قائم مقامی کا آغاز شب جمعہ کی نماز عشا سے ہے۔ (بخاری و مسلم کتاب الصلوۃ) اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا (بخاری باب من رجع القہقری فی الصلوۃ) کل یہ تین دن میں ۱۷ وقت کی نمازیں ہوئیں۔ ابن سعد نے واقدی سے بعینہ یہی روایتیں کی ہیں ایک میں ہے کہ ۳ دن امامت کی دوسری میں ہے کہ ۱۷ وقت کی[1]"

نماز باجماعت اللہ اللہ! اسلام میں نماز کا کیا مقام ہے اور نماز کے لئے جماعت کتنا ضروری ہے۔ اس کا اندازہ حضور کریم کی اس سنت مقدسہ سے فرمائیے! غشی پر غشی ہے۔ ضعف و نقاہت کی کوئی انتہا نہیں۔ مگر حضور کی لسان مبارک پر نماز نماز ہے۔ اور مسجد میں تشریف لے جانے اور جماعت سے نماز ادا کرنے کا عزم ہے۔ بالکل آخری وقت بھی حضور الصلوٰۃ الصلوٰۃ ارشاد فرما رہے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کی آخری وصیت یہی تھی، صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد کو حضور کئی بار دہراتے رہے۔
(رحمۃ للعالمین جلد اول ص ۲۳۲ بحوالہ بخاری)

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۶۴ حاشیہ۔

کاش کہ مسلمان دین اسلام میں نماز کی بنیادی حیثیت اور ارکانِ دین میں نماز کی اور نماز با جماعت کی اہمیت کا اندازہ کریں۔ خدا عمل کی توفیق ارزانی فرمائے (آمین)

اس سلسلہ میں صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رض سے جو روایات ہے اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

جب حضور کی بیماری بڑھ گئی تو فرمایا مروا ابابکر فلیصل بالناس ابوبکر کو کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(حضرت) عائشہ رض نے کہا انہ رجل رقیق اذا قام مقامک لم یستطیع ان یصلی بالناس ——— وہ رقیق القلب ہیں جب آپ کے قائم مقام ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔

حضور نے (دوبارہ) فرمایا مروا ابابکر فلیصل بالناس،

(حضرت) عائشہ رض (بھی) دوبارہ وہی عرض کیا۔

حضور نے (سہ بارہ) فرمایا مری ابابکر فلیصل بالناس، تو ابوبکر رض سے کہہ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس ابوبکر رض نے لوگوں کو نماز پڑھائی فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت ابوبکر صدیق حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی۔ حضور کے قائم مقام اور خلیفہ تھے۔

دعوتِ فکر | اس حدیث میں ذرا غور فرمائیے کہ اشتدادِ مرض

غلبۂ تکلیف اور معذرتِ صدیقہ کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اصرار و تکرار کے ساتھ اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق کی امامت کا حکم فرما رہے ہیں اور کسی دوسرے کی امامت پر راضی نہیں ہوتے حتیٰ کہ بخاری شریف کی اسی باب کی اگلی حدیث کے مطابق جب حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ کو اپنے ساتھ ملالیا اور دونوں نے عرض کیا کہ حضور حضرت عمر کو امر فرمائیں تو بھی حضور نے یہی ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھائیں، اور امہات المومنین کو صواحب یوسف فرما کر اظہار ناراضگی فرمایا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اصرار و تکرار اور بہر حال حضرت ابوبکرؓ کی امامت امر اتفاقی ہے؟ نہیں قطعاً نہیں! قولی و فعلی روایات اور امری و تقریری احادیث سے یہ حقیقت ہر صاحبِ عقل و خرد پر آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر ہی افضل الناس ہیں۔ اور حضور اپنے بعد سوائے حضرت ابوبکرؓ کسی دوسرے کی قیادت و امامت کا تصور بھی نہیں فرما سکتے۔

ترمذی شریف میں حضرت عائشہ سے روایت ہے حضور نے فرمایا جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں اس کے لئے زیبا نہیں کہ ان کے سوا کوئی دوسرا ان کی امامت کرے[۱]۔

---

[۱] (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر

خلافت اگر خدا عدل و انصاف اور فکر و تدبر کی توفیق عطا فرمائے تو ان ارشادات نبویہ سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ حضور کے بعد خلافت بھی حضرت ابوبکرؓ کا حق ہے جب حضور کے بعد افضل الناس یہی ہیں تو اولیٰھم بالخلافۃ بھی یہی ہیں۔ جب مسجد کے مصلیٰ پر حضور کے بعد اور کوئی نہیں کھڑا ہو سکتا تو مسندِ خلافت پر اور کون بیٹھ سکتا ہے! فتدبر!

حضرت علی کا ارشاد۔ علامہ حافظ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں:۔

"قیس بن عبادہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی شب و روز بیمار رہے، نماز کی اذان ہوتی تھی تو آپ فرماتے تھے مروا ابابکر یصلی بالناس کہ ابوبکرؓ کو حکم پہنچا دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

پھر جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ نماز اسلام کا جھنڈا ہے۔ اور دین کا رکن ہے لہذا ہم نے اپنی دنیا کی پیشوائی کے لئے اس شخص کو پسند کر لیا جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کی پیشوائی کے لئے پسند فرمایا، پس ہم نے ابوبکرؓ سے

بیعت کر لی ہے[۱]"

بہر حال جب متعدد ارشادات نبوی سے ثابت ہو گیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ جمیع صحابہ کرام سے افضل ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خلافت و نیابتِ رسول کے بھی آپ ہی سب سے زیادہ مستحق ہیں، رسول پاک نے جب نماز میں تاجِ امامت آپ کے سرِ اقدس پر رکھ دیا تو آپ کے سوا اب کون ہے جو مسندِ خلافت پر بیٹھ سکے۔؟

سیدنا حضرت علیؓ ہی نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا ہے:-

قدمك رسول الله صلى الله عليه وسلم فى امر ديننا فمن الذى يؤخرك فى دنيانا[۲]

ابوبکر! جب حضور نے آپ کو ہمارے امر دین میں آگے فرمایا ہے تو کون ہے جو ہمارے دنیوی امور (خلافت) میں آپ کو پیچھے کر سکے!

معلوم ہوتا ہے کہ بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہی مضمون منقول ہے:-

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح السنہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

كما قالت الصحابة رضيه صلى الله عليه وسلم لديننا افلا نرضى لدنيانا[۳]

---

[۱] خلفائے راشدین ص ۴۹ مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ۔ [۲] لمعات از شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح [۳] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

جیسا کہ صحابہ کرام نے کہا ہے جب حضور نے حضرت ابوبکر رض کو ہمارے دین کے لئے پسند فرما لیا ہے تو ہم آپ کو اپنی دنیا کے لئے کیوں پسند نہ کریں۔

اظہار مسرت! حضور محبوب خدا نے حضرت ابوبکر رض کی امامت میں صحابہ کو نماز پڑھتا دیکھ کر تبسم فرمایا۔ دوشنبہ کے دن نماز صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ اٹھایا جو حجرہ عائشہ صدیقہ رض اور مسجد طیبہ کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی تھوڑی دیر تک نبی صلعم اس پاک نظارہ کو جو حضور کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا (صحیح مسلم عن انس رض) ملاحظہ فرماتے رہے اس نظارہ سے رُخ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس وقت وجہ مبارک ورق قرآن معلوم ہوتا تھا۔

صحابہ رض کا شوق اور اضطراب سے یہ حال ہو گیا تھا کہ رُخ پُر نور ہی کی طرف متوجہ ہو جائیں صدیق سمجھے کہ نبی اللہ کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے وہ پیچھے ہٹنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضور نے پردہ چھوڑ دیا یہ نماز ابوبکر صدیق رض ہی نے مکمل فرمائی[1]۔

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۳۲۱ بحوالہ بخاری و مسلم۔

قرآن کریم اور وجودِ رسولِ پاک میں مشابہت

سبحان اللہ! کتنی پیاری، کتنی پاک اور کتنی لاجواب تشبیہ ہے۔
وجوہِ شبہ متعدد ہو سکتی ہیں مثلاً مبدأ علوم و معارفِ ربانی۔
مطلع انوار و تجلیاتِ یزدانی، مخزنِ اسرار و رموزِ حقانی، مصدرِ
رشد و ہدایت صمدانی باعثِ تنویر و تابانی، شانِ محبوبی و
دلربائی، اندازِ دل آویزی و دل نوازی ظاہری و باطنی نورانیت و
بشاشت اور انشراح و شگفتگی قوتِ تاثیر و تسخیر، ازلی و ابدی
بے مثالی و یکتائی، تسکین قلوب مومنین تمکین فی صدور المسلمین،
مرکز محبتِ متقین، محور جمعیت اہل دین اور استحقاقِ غایت تعظیم
و تکریم وغیرہا صفات عالیہ کے اعتبار سے دونوں باہم مشابہ ہیں۔

عشقِ رسولؐ اصحاب رسول کے قلوب میں عشق رسول کا جو بحر مواج متلاطم تھا اس کا اندازہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے فرمائیے۔

وھم المسلمون ان یفتتنوا فی صلاتھم فرحا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

جمال اقدس کے اس آخری نظارہ اور رخ انور کی اس آخری
زیارت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ فرحت و انبساط نصیب ہوا
اور فرطِ مسرت سے وہ اس درجہ بے خود ہو گئے کہ قریب تھا
کہ نمازیں توڑ دیں،

جمالِ جہاں آرا اور حسنِ دلربا سے ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔ عشاق کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا وہ اپنے دلوں کو نہ سنبھال سکے اُدھر قرآن کریم کی تلاوت فردوس گوش تھی، اور ادھر مصحف کریم کی زیارت جنت نگاہ! قریب تھا کہ دید وقفِ دید ہو کر رہ جائے ؎

آدمی دید است باقی پوست است　　　دید آں باشد کہ دید دوست است

(مولانا رومی رح)

امکان تھا نظریں چہرۂ انور پر گڑی کی گڑی رہیں اور نمازیں ٹوٹ جائیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ اقدس سے اتمام صلوٰۃ کا اشارہ فرمایا، پردہ ڈال دیا، اور حجرہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

صحیح بخاری کتاب الاذان میں حضرت انس رض سے یہ الفاظ مروی ہیں:۔

کان وجہہ ورقۃ مصحف ثم تبسم یضحک فھممنا ان نفتتن من الفرح رؤیتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

گویا حضورؐ کا چہرۂ اقدس قرآن کا ورق تھا۔ پھر حضورؐ نے تبسم فرمایا تو ہم نے سمجھا کہ حضور کے دیدار کی خوشی سے ہماری نمازیں ٹوٹ جائیں گی۔

اسی باب میں اس سے اگلی روایت میں حضرت انسؓ ہی سے

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک باہر تشریف نہیں لائے (جو تھے دن) نماز کھڑی ہو گئی تھی حضور نے پردہ اٹھایا۔ فلما وضح وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما رأینا منظرًا کان اعجب الینا من وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین وضح لنا فلم یقدر علیہ حتی مات۔

جب حضور کا منہ مبارک ظاہر ہوا۔ ہم نے کبھی کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جو ہمیں اس سے زیادہ پسند ہو۔ جتنا نظارہ جمال چہرہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ حضور کا آخری جلوۂ دیدار اور نظارۂ حسن و جمال تھا اس کے بعد حضور کی زیارت اور مشاہدۂ انوار و تجلیات کا موقع نہیں ملا۔ اسی دن حضور کا انتقال ہو گیا۔

یہ روایات ہم نے محض اس لئے نقل کی ہیں تاکہ قارئین کرام کو اس جذبہ عشق و جوش محبت کا اندازہ ہو سکے جو صحابہ کرام رض کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ اور یہی ان کا سرمایۂ سعادت و مایۂ ناز و افتخار تھا۔ حضور کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حسین سے حسین اور جمیل سے جمیل چیز ان کے دلوں کو نہ لبھاتی تھی۔ یہ دیوانے تھے تو ایک رخ مصطفےٰ کے! اور پروانے تھے تو ایک شمع نبوت کے!

حضور کی غیبت ہی میں نہیں حضور میں بھی
حضور میں بھی | حضرت ابوبکر رض قوم کی امامت فرما رہے ہیں۔

"اسی دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی آپ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں۔ غسل فرما چکے، تو حضرت علی رضہ اور حضرت عباس رضہ تھام کر مسجد میں لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکر رضہ پیچھے ہٹے آپ نے اشارے سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ یعنی آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضہ اور حضرت ابوبکر رضہ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ ابوبکر رضہ حضور صلعم کی نماز کی اقتدا کرتے اور لوگ ابوبکر رضہ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف باب ما علی الماموم)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رح لکھتے ہیں:-

"یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی فیصلہ کیا ہے"[1]

اللہ اللہ! چلنے کی سکت نہیں قدمین شریفین لڑکھڑا رہے ہیں مگر دوسروں کے سہارے چل کر بھی حضور نماز مسجد ہی میں آکر باجماعت ادا فرماتے ہیں۔

صحت میں بھی | ایام علالت ہی میں نہیں صحت میں بھی حضور صلی اللہ

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۴۶ [2] ایضاً حاشیہ

علیہ وسلم کی جگہ پر فرائض امامت حضرت صدیق اکبرؓ ہی انجام دیتے ہیں۔

"ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آگیا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہ لائے تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی۔ آپ اسی حالت میں تشریف لائے۔ اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کھڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں ادھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آں حضرت کھڑے ہیں۔ آپ نے اگرچہ ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں لیکن آپ کی موجودگی میں انہوں نے امامت کرنا سوء ادب خیال کیا اسی لئے پیچھے ہٹ آئے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہوئے"۔[1]

سیرۃ النبی میں یہ حدیث حسب ضرورت نقل کی گئی ہے۔

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم ص۶۵ بحوالہ بخاری کتاب الصلح۔

پوری حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں :۔ کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ
کو امر فرمایا کہ جس طرح وہ نماز پڑھا رہے ہیں پڑھاتے رہیں
اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ اٹھائے اور (اس نعمت عظمیٰ پر)
اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ فامرہ یصلی کما ھو فرفع ابو بکر
یدہ فحمد اللہ اور روایت کے آخر میں ہے کہ نماز سے
فارغ ہونے کے بعد حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا
ابوبکر! جب میں نے تمہیں اشارہ کیا تو پھر کیا امر مانع ہوا
تم نے لوگوں کو نماز نہ پڑھائی؟ عرض کیا میرے لئے یہ کہاں
مناسب تھا کہ حضورؐ کے سامنے امامت کرتا[1] تو یہ ان کا
جذبہ احترام رسولؐ تھا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے ورنہ حضورؐ تو
ان کی امامت میں خود نماز ادا کرنے پر آمادہ تھے، اور اشارہ سے
امر بھی فرما دیا۔

سبحان اللہ! یہ فضیلت وکرامت اور عظمت و شرافت
کسی اور کو کہاں نصیب! کہ حضور امام الانبیاء سید الکونین
ان کی امامت میں نماز ادا کرنے پر تیار ہوں۔ شب معراج
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام
تک جمیع حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جس ذات پاک

---

[1] بخاری کتاب الصلح۔

کی امامت میں مسجد اقصیٰ کے اندر نماز ادا کریں۔ وہ ذات پاک مسجد نبوی کے اندر صدیق اکبرؓ کے پیچھے نماز ادا کرنے میں تامل نہ فرمائیں۔

اس سعادت عظمیٰ و نعمتِ کبریٰ پر حضرت صدیق اکبرؓ خالق اکبر کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ درحقیقت اس اعزاز و اختصاص اور شانِ امتیاز کا شکر ادا کیا نہیں جا سکتا۔ ؎

ہر مُو کی جگہ تن پہ اگر میرے زباں ہو پھر بھی نہ تری نعمتوں کا شکر ادا ہو

بخاری شریف کتاب الاذان کے اندر بھی یہی حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ ابوبکرؓ کی طرف حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو پس اس شرف پر کہ حضورؐ نے انہیں امامت پر مامور فرمایا (حضرت) ابوبکرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا نماز پڑھانے کے بعد حضورؐ نے فرمایا یا ابابکر ما منعك ان تثبت اذا امرتك۔

ابوبکر! جب میں نے تم کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تم کو (مقام امامت پر) قائم رہنے سے باز رکھا؟ تو حضور نے صرف اشارہ نہیں بلکہ امر فرمایا تھا اور حضور صدیق اکبرؓ کی اقتدا پر رضامند تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کے صدق و عشق نے اسے گوارا نہ فرمایا۔

۲۔ امارتِ حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار صدیق اکبرؓ کو امامت نماز کی طرح امارت حج کے عہدہ

جلیلہ پر بھی سرافراز فرمایا۔ ۸ھ کو مکہ فتح ہو گیا۔ کعبۃ اللہ شرک و کفر کی ظلمت سے پاک ہو کر ایمان و ہدایت کا مرکز بن گیا۔

۱۔ ۹ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے (بخاری باب حج ابی بکر بالناس فی سنۃ تسع) چونکہ سورہ براءۃ اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے بعض کو شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارت حج کی خدمت میں حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ کو تفویض کی گئی تھی لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے[۱] (خلفائے راشدین ص۳ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ) اس سلسلہ میں ایک دو اور تاریخی شہادتیں بھی ملاحظہ ہوں۔

۲۔ ۹ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانوں کا

---

[۱] فتح الباری جلد ۸ ص۲۴

یک قافلہ مدینہ منورہ حج کے لئے روانہ فرمایا ان میں حضرت ابوبکر قافلہ سالار حضرت علی رض نقیب اسلام تھے حضرت ابوبکر رض نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی یوم النحر میں خطبہ دیا اس کے بعد حضرت علی کھڑے ہوئے سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں (سیرت النبی از شبلی نعمانی حصہ اول صفحہ ۵۱۶)۔

۳۔ اسلام میں حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ اسی سال نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رض کو امیر الحاج بنایا۔ اور تین سو صحابہ رض کو ان کے ہمراہ کیا۔ تاکہ سب کو حج کرائیں۔

ان کے بعد علی المرتضیٰ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ برأت کا اعلان کریں ابوبکر صدیق رض نے لوگوں کو حج کرایا۔ اور علی رض نے سورۃ برأت کی پہلی چالیس آیتوں کو پڑھ کر سنایا (رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۲۹۷)

۴۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ابوبکر رض کی امارت کی صراحت موجود ہے حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں حجۃ الوداع سے پہلے جس حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) ابوبکر رض کو امیر حج مقرر فرمایا تھا اس حج میں حضرت ابوبکر رض نے قربانی کے دن مجھے لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی شخص (حسب دستور عہد جاہلیت) ننگا

ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے[1]۔ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:- عن ابی ھریرۃ رضؓ قال بعثنی ابوبکر فی الحجۃ التی امرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیھا قبل حجۃ الوداع۔

۵- بخاری شریف کی ایک روایت میں مزید وضاحت ہے حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضؓ نے اسی حج میں مجھے دوسرے منادی کرنے والوں کے ساتھ قربانی کے دن بھیجا جو منیٰ میں منادی کرتے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ حمید بن عبدالرحمٰن (ایک راوی جنہوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے یہ حدیث سنی ہے) نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ براۃ کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں پس (حضرت) علی رضؓ نے ہمارے ساتھ قربانی کے دن اہل منیٰ میں منادی کی براۃ کی اور اس بات کی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی آدمی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے[2]۔

۶- امارت لشکر: اسلامی جہاد میں عساکر اسلامیہ کی سرداری کا تاج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب دخول مکۃ والطواف متفق علیہ [2] صحیح بخاری باب قولہ فسیحوا فی الارض وباب قولہ واذان من اللہ ورسولہ۔

ابوبکرؓ کے سر پر رکھا۔ اور بعض غزوات میں حضورؐ کے قائم مقام امارتِ لشکر صدیق اکبرؓ نے فرمائی مثلاً

(۱) سریہ ام قرفہ۔ جو رمضان ۶ھ میں قوم فزارہ سے ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ لہ

(۲) سریہ بنو کلاب۔ جس میں اسلام کو فتح ہوئی اور دشمن کو شکست ہوئی۔ ٢ه

تو نماز و حج میں اور غزوات میں حضور کریم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ صدیق اکبرؓ حضورؐ کی دنیوی حیات مقدسہ میں حضورؐ کے جانشین ہوئے۔ اور مختلف مقامات پر متعدد بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرتِ عمر فاروق رضؓ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی طرح حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی بعض موقعوں پر اپنی قائم مقامی کے شرف سے مشرف فرمایا۔ مثلاً

(۱) حضورؐ کی طرف سے جواب دہی

(۱) ابو سفیان سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس

لہ زرقانی۔ المین جلد دوم ص۱۶۱ ٢ه ایضاً ص۱۶۵

گروہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لے کر کہا۔ یہ دونوں اس مجمع میں موجود ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا۔ تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار کر کہا۔ او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا اعل ھبل یعنی اے ہبل بلند ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اللہ اعلیٰ و اجل یعنی خدا بلند و برتر ہے[1]

اٹھا جب نعرۂ فاروق بوسفیاں کا دل بیٹھا ۔۔۔ ہوا محسوس ابھی جیسے طلسم آب و گل بیٹھا
کیا نعرہ خدایانِ عرب میں ہے ہبل برتر ۔۔۔ صحابہ نے کہا اللہ اعلیٰ و اجل برتر
ادھر لب پر لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم آیا ۔۔۔ جواب اللہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم پایا

اس وقت بھی کفار پر فاروق اعظم کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور آج بھی!

آج بھی کفر لرزتا ہے دہلتا ہے عدو ۔۔۔ لب پہ جب حضرتِ فاروق کا نام آتا ہے

۲۔ حضورؐ کی طرف سے بیعت

فتح مکہ کے دن حضورؐ حرم بیت اللہ میں فاتحانہ داخل ہوئے کعبۃ اللہ کو بتوں سے پاک صاف کیا۔ فصیح و بلیغ خطبہ

---

[1] خلفائے راشدین صفحہ ۱۰ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

دیا۔" پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف لائے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے ... جب عورتوں کی باری آئی تو آپ نے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ تمام عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی[1]"

تو یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ پر اپنے قائم مقام حضرت عمرؓ کو مقرر فرمایا اور خاص منصب نبوت سے متعلقہ کام بیعت اسلام پر متعین فرمایا۔

(۳) امارت لشکر — علاوہ ازیں حضور نے آپ کو غزوات میں اپنی جگہ اسلامی لشکر کا امیر بھی مقرر فرمایا مثلاً

(ا) سریہ تربہ جس میں دشمن منتشر ہو گیا۔[2]

(ب) جنگ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان اور چند مشرکین ایک اونچی چٹان پر چڑھے۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کی تو یہ شان نہ ہونی چاہئے۔ اشارہ پاتے ہی حضرت عمرؓ اور چند جان نثاروں نے حملہ کر دیا انہیں اس چٹان پر سے مار کر ہٹایا۔ اور خود اس بلندی

---

[1] خلفائے راشدین ص۱۱۳ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ [2] رحمۃ للعالمین ج۲ ص ۲۴۵

پر قابض ہو گئے۔ ؎

ہوا ارشاد جہلت دو نہ انکو حفظ شوکت کی | بلندی تم نہیں ہے شان اہل شرک بدعت کی
یہ سنکر اک جماعت کو عمر لے کر بڑھے آگے | کیا حملہ تو ٹیلا چھوڑ کر سب مشرکین بھاگے[1]

تو حضرت عمر نے مختلف مقامات و محاذات پر متعدد بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضور کی قائم مقامی کی اور حضور کی خلافت و جانشینی کا شرف پایا۔ رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات شیخین رض کی طرح حضرت عثمان رض کو بھی متعدد بار اپنی خلافت کا خلعت عطا فرمایا۔ اور اپنی قائم مقامی کے اعزاز و شرف سے معزز و مشرف فرمایا مثلاً:۔

۱۔ رسول رسول اللہ | حضور نے انھیں اپنی رسالت و سفارت کے عہدہ جلیلہ و منصب عظیمہ پر مامور و متعین فرمایا۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ جب حضور نے بیعت رضوان کا حکم دیا اس وقت حضرت عثمان حضور

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد ۳ بحوالہ "خاتم النبیین"۔

کے سفیر کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے بیعت کرلی تو حضور نے فرمایا درحقیقت عثمان خدا اور رسول کے کام پر (گئے ہوئے) ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ (حضرت عثمان کی طرف سے) اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا۔ پس حضرت عثمانؓ کے لئے رسول اللہ کا ہاتھ بہتر تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہوں نے اپنے لئے بیعت کی[1]"

حضرت انسؓ کے الفاظ رسول رسول اللہ کتنے پیارے ہیں۔ سبحان اللہ! حضورؐ رسول اللہ ہیں۔ اور حضرت عثمان رضؓ رسول رسول اللہ!

سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص۱۶۶ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول منقول ہے کہ

"اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔"[2]

حضورؐ قائم مقامِ عثمانؓ!

اللہ اللہ! کیا شان ہے حضرت عثمان ذی شان کی! کہ یہ تو رسولؐ کے قائم مقام ہیں۔ اور رسولؐ ان کے قائم مقام! رسول کریم کا

---

[1] رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ

[2] "خلفائے راشدین" ص۱۹۳ مطبوعہ دارالمصنفین۔

مقدس ہاتھ ان کے ہاتھ کی قائم مقامی کر رہا ہے!

قائم مقامی کیا! خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ پاک کو حضرت عثمان کا ہاتھ فرما رہے ہیں ؎

جس سے وہ آپ ہی فرمائیں کہ ہم تیرے ہیں
اپنی آہوں میں یہ تاثیر کہاں سے لاؤں؟

رسول کا ہاتھ عثمان رضؓ کا ہاتھ ہے

بیعت الرضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی اور اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ کو مکہ بھیجا (تاکہ آپ کے قائم مقام مشرکین مکہ سے گفتگو کریں) ان کے مکہ چلے جانے کے بعد بیعت رضوان ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر اسی ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پہ مارا اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے [1]۔

حضرت عثمان رضؓ منصب سفارت پر فائز ہو کر حضورؐ کی

---

[1] رواہ الترمذی مشکوٰۃ شریف باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

طرف سے مشرکین مکہ کے ساتھ بات چیت کر رہے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کی طرف سے بیعت فرما رہے ہیں اور اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دے رہے ہیں ھٰذہٖ یدُ عثمان،

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو حضورؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیں[1] اور حضور اپنے اسی ہاتھ کو حضرت عثمان رضؓ کا ہاتھ قرار دیں۔ گویا ید اللہ ید عثمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دست رحمت خدا کی طرف سے بیعت لے رہا ہے۔ وہی دست رحمت عثمان رضؓ کی طرف سے بیعت کر رہا ہے۔ ذاتِ مقدس کا جو دستِ رحمت، ید اللہ ہے وہی ید عثمان بھی ہے۔

عشقِ رسولؐ اس موقع پر حضرت عثمان نے محبتِ نبیؐ اور عشق رسولؐ کا جو شاندار مظاہرہ فرمایا۔ اس کا ایمان افروز جلوہ ملاحظہ ہو۔

" وہ مکہ تشریف لے گئے تو صحابہ کو رشک ہوا کہ عثمان تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں" حضرت عثمان ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے۔

---

[1] قولہ تعالےٰ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ (فتح)۔

اور حضورؐ کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو قریش نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہوئے ہو۔ تم طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا "کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو روکے گئے ہوں۔ اور میں طواف کر لوں۔" قریش کو اس جواب پر غصہ آیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔[1]

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر میں طواف کر لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا"۔

کتنے روح پرور اور ایمان آفریں لفظ ہیں! عشق رسولؐ میں پختگی اور محبت نبی میں وارفتگی کا اس سے بہتر مظاہرہ چشم فلک نے کہیں دیکھا ہو۔ مشکل ہے! بہت مشکل!!

دنیوی عشرت و بہار اور عیش و نشاط کو تو عشاق نے قربان کر دیا تھا۔ نظیر اکبرآبادی کا شعر ہے۔ ؎

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم!

اور ظفر کہتا ہے: ؎

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو صحن بستاں کو!

---

[1] حکایات صحابہ ص۳۱۶ بحوالہ تاریخ خمیس۔

لیکن محبوب رسولؐ کے بغیر عبادت الٰہی کو قربان کر دیا گیا ہو۔ تاریخ عشق اور داستان محبت میں اس کی مثال شاید کہیں نہ مل سکے۔ بیت اللہ کا طواف اللہ کی عبادت ہے۔ لیکن حضرت عثمان رضؓ حضورؐ کے بغیر اس کی ادائیگی قبول نہیں فرماتے!

انعام الٰہی!

جس طرح حضرت عثمان رضؓ کا یہ ایثار شاہکار ہے۔ اور تاریخ عشق و محبت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح اس پر جو انعام بارگاہِ رب العزّت سے انہیں ملا۔ وہ بھی بے مثال ہے۔ تاریخ میں اس کی بھی مثال نہیں ملتی:۔

(۱) جمیع اَصحابِ رسولؐ جان چھڑکتے ہیں!

جس طرح جمیع صحابہ کرام رضؓ حضورؐ کی ذات پاک پر جان چھڑکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عثمان رضؓ پر جان قربان کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ و تیار نظر آتے ہیں۔ عشق رسول کی پاداش میں مشرکین نے انہیں مکہ میں روک لیا۔ یہاں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ حضرت عثمان شہید کر دئے گئے۔ اس موقع پر ایک حضرت عثمان رضؓ کے لئے چودہ[۱۴] پندرہ[۱۵] سو صحابہ کرام رضؓ اپنی جانیں قربان کر دینے کا عہد کر رہے ہیں۔ اور حضورؐ ان سے بیعت جہاد لے رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی افواہ سے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے قصاص کے لئے صحابہ رضؓ سے جان بازی کی بیعت لی" (تاریخ اسلام حصہ اول صفحہ ۵۸ بحوالہ بخاری شریف)

(ب) بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت!

دوسرا انعام ملاحظہ ہو کہ حضرت عثمان رضؓ کے خون ناحق کا بدلہ لینے کے لئے یارانِ رضؓ رسولؐ جو رسول کریمؐ سے بیعت کر رہے ہیں۔ وہ بارگاہ رب العزت میں بایں درجہ منظور و مقبول ہے کہ ارشاد ہوتا ہے یہ آپ سے بیعت نہیں کر رہے بلکہ خود ہم سے بیعت کر رہے ہیں۔ اور یہ جو آپ کے دستِ رحمت میں ہاتھ دے کر اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے رہے۔ خود ہمارا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ ارشاد فرمایا۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (سورہ فتح پارہ ۲۶)

ج۔ مبایعین سے اللہ راضی ہے:

جن چودہ پندرہ سو صحابہ رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے حضورؐ سے بیعت کی ان کی شان میں ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۔ وَمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا پارہ ۲۶ سورۃ فتح ع ۳)

بالتحقیق اللہ تعالےٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا۔ جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ سو جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ وہ بھی اللہ نے جان لیا۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان پر تسکین نازل فرمائی۔ اور ان کو عاجلانہ فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی! جن کو یہ لوگ لیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

قربان جاؤں حضرت عثمان رضؓ ذی شان کے! ان کو حضورؐ سے عشق و خلوص اور وفا و ایثار کے تابدار شاہکار پر بارگاہِ خداوندی سے یہ انعام عطا ہوا۔ کہ پندرہ سو اصحابؓ رسولؐ ان کے نام پر جانبازی و جاں نثاری کی بیعت کر رہے ہیں۔ اور ان بیعت کرنے والوں کو اس فداکاری پر یہ انعام مل رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو رہے ہیں۔ اس درجہ راضی! کہ عرف عام میں اس بیعت کا نام ہی بیعۃ الرضوان مشہور و معروف ہو گیا۔ ان کے قلوب مقدسہ پر تسکین و تسلّی کا نزول فرما رہے ہیں۔ اور لگے ہاتھوں انہیں ایک اور فتح (خیبر) دے رہے ہیں۔ جن میں بہت سامال غنیمت ملے گا۔

چند نکات (۱) چونکہ اللہ علیم بذات الصدور ہے اور پھر اس نے ان جمیع اصحابؓ رسولؐ کے قلوب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے کہ وہ ایمان و اخلاص سے لبریز اور مملو ہیں۔ اس کے

بعد وہ پاک پروردگار ان سے راضی ہوا۔ تو اب ناممکن ہے کہ ان بیعت کرنے والے شرکائے حدیبیہ میں سے کوئی بعد میں مرتد ہو۔

(۲) ان جمیع مبایعین پر تسکین ربی کا نزول ہوا ہے۔ اور جن ذوات مقدسہ پر تسکین الٰہی کا نزول ہو۔ اور جن ظروف مطہرہ میں یہ رحمت ربی ایک بار سما جائے۔ پھر وہ ظروف کبھی نجس اور ناپاک نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی وہ ذواتِ مقدسہ کبھی قہر و غضب الٰہی کا مورد ہو سکتی ہیں۔

(۳) جس ذاتِ پاک کے خون پاک کا بدلہ لینے والوں پر انعامات ربی کی یہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ وہ عاشق رسول ؐ خدا کے کتنا محبوب و مقبول اور انعاماتِ الٰہی کے کتنا مستحق ہوں گے!

کبھی نہ بھولئے کہ یہ انعامات حضرت عثمان رضؓ کے نام پر فدا و قربان ہونے کے عزم پر مل رہے ہیں اور صحابہ کرام رضؓ نے یہ بیعت ان ہی کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے لئے کی۔

(۱) "قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ یہ خبر آنحضرت ؐ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ تمام صحابہ رضؓ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے۔ ولولہ انگیز جوش کے ساتھ

دستِ مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے[1]۔

(۲) "اسی حالت میں افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر حضرت عثمان کے خون کے انتقام کے لئے صحابہ رض سے جو تعداد میں چودہ سو (۱۴۰۰) تھے ایک درخت کے نیچے بیعت کی اور حضرت عثمان رض کی طرف سے خود اپنے دستِ مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ یہ حضرت عثمان رض کے تاج فخر کا وہ طرۂ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا[2]"

۳۔ غزوات میں قائم مقامی

حضورؐ نے بعض غزوات میں آپ کو اپنی قائم مقامی کا اعزاز عطا فرمایا۔ مثلاً:۔

(أ) سنہ ھ میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو حضرت عثمان رض کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا[3]۔

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۲۶ [2] خلفائے راشدین مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ ص ۱۹۳ [3] خلفائے راشدین ص ۱۹۲ مطبوعہ دار المصنفین بحوالہ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۳۹

(ب) غزوہ خیبر میں سردار لشکر بنایا۔

"لشکر اسلام نے میدان میں ڈیرے ڈال دئے یہ میدان اھل خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ لشکر کا بڑا کیمپ اسی جگہ رہے گا۔ اور حملہ آور فوج کے دستے کیمپ سے جایا کریں گے.... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کیمپ کے ذمہ دار افسر تھے [۱]"

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ثلاثہ رضؓ کی طرح سیدنا حضرت علی رضؓ کو بھی بارہا اپنی قائم مقامی کا شرف عطا فرمایا ہے۔ بطور مثال چند واقعات عرض ہیں:-

۱۔ بستر رسول پر استراحت

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی کہ۔ تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا۔ آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر جناب

---

[۱] رحمۃ للعالمین جلد اول ص۲۸۷

امیرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب امانتیں جاکر واپس دے آنا[۱] یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔۔۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ ہے۔۔۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

اللہ اللہ! نبوت، اخلاق وانسانیت اور امانت و دیانت کا کتنا اعلیٰ اور بلند ترین معیار پیش کرتی ہے۔ دشمن درپئے قتل ہے۔ خونخوار مشرکین کی خون آشام تلواریں بے نام ہو کر ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ سفاک اعدار تشنۂ خوناب ہیں۔ لیکن جان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی امانتوں میں خیانت کا تصور تک نہیں فرما سکتے۔

قابل غور نکات

(۱) کفر کو تو تاجدار نبوت کی امانت پر اعتماد ہے۔ اور وہ خون کے پیاسے ہونے کے باوجود بھی اپنی امانتیں حضورؐ کے پاس رکھتے ہیں۔ آپ کو۔۔۔ الصادق اور الامین کہتے ہیں۔ لیکن آج "مسلمانوں" کو آپؐ کی امانت پر اعتماد نہیں اور وہ سمجھتے رہیں کہ حضورؐ حضرت علیؓ کو ان کا حق خلافت دلانے میں ناکام رہے ؎

بوٹا بوٹا پتا پتا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

---

[۱] سیرۃ النبی حصہ اول ص۲۵۰

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خون خوار و خون آشام کفار و مشرکین کی پیسے ٹکے کی امانت میں تو خیانت نہیں فرماتے اور اپنے بھائی حضرت علی رض کی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی ان کی امانتیں ان تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن اپنے اسی وفادار و جاں نثار بھائی کی امانت ـــــ خلافت ـــــ معاذ اللہ ان کے حوالے نہیں فرماتے! کیا یہ بات بقائمیٔ ہوش و حواس کوئی انسان تسلیم کر سکتا ہے۔؟

ابوجہل اور عتبہ و شیبہ کی بیٹی کی تو کان کی بالی میں امانت داری کا یہ اہتمام کہ پیارے اور خلوص و ایثار مجسم بھائی کو تلواروں کے سائے میں سلادیں اور اپنے اسی بھائی علی ابن ابی طالب کی عظیم ترین امانت ـــــ خلافت ـــــ کی حفاظت کا عمر بھر کوئی فکر نہ فرمائیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

(۳) سیدنا حضرت علی رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں کفار و مشرکین کی امانت کے تحفظ کے لئے تو اپنی جانِ عزیز کی بازی لگا دیتے ہیں۔ لیکن اپنی امانتِ عظمیٰ کے تحفظ کے لئے ادنیٰ سی جدوجہد بھی نہیں کرتے اور گھر سے باہر نہیں نکلتے معاذ اللہ، کیا کوئی صاحب عقل و خرد یہ بات مان سکتا ہے؟

(۴) امیہ بن خلف، نضر بن حارث اور ابولہب کی

بہو بیٹیوں کے چاندی تانبے کے زیورات انھنی چوڑی کی انگوٹھیوں
بالیوں کے لئے تو تلواروں کی جھنکار میں مسکراتے رہیں اور سیوف
بڑاں کے رقص عریاں میں نہایت اطمینان و سکون سے فریضہ
جہاد ادا کرتے رہیں ؎

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ　　عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

اور لخت جگر رسول حضرت سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کی
امانت ــــ فدک ــــ کے لئے جہاد سے منہ موڑ کر
تقیہ اختیار فرمالیں۔ اور نعوذ باللہ گھر میں چھپ کر بیٹھ رہیں
کیا عقل و خرد اور عدل و انصاف کی نظر میں یہ منطق
قابل تسلیم و قبول ہے؟ جب امانت اعدائے دین کی حفاظت
کے لئے سیدنا حضرت علی رضہ اتنی عظیم قربانی کر سکتے ہیں تو امانت
رسول ــــ سیدۃ النساء رضہ ــــ کی امانت کی حفاظت
کے لئے کیا کچھ نہ کر تے اگر معاذ اللہ اس کے غصب کا
خطرہ پیش ہوتا۔

۲۔ امارت لشکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب
ثلاثہ کی طرح سیدنا حضرت علی رضہ
کو بھی بعض غزوات میں اسلامی لشکر کی امارت کا شرف
عطا فرمایا چنانچہ:ــــ

سـ۷ـھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ اس مہم پر پہلے اور

بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا۔ جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آں حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں"[1]

یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی صحابہ رضؓ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔

صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علی کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے آنحضرت صلعم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی[2] آپ کی آنکھیں بالکل صحیح اور درست ہوگئیں، اس درجہ صحیح اور درست کہ گویا انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا[3]

---

[1] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں [2] سیرۃ النبی حصہ اول ص $\frac{۲۴۶}{۲۴۷}$ بحوالہ صحیح بخاری [3] حدیث کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں فبرأ حتی کان لم یکن بہ وجع (بخاری مسلم)، (مشکوٰۃ شریف باب مناقب علیؓ)

دلِ شکستہ دراں کوچہ میکنند درست
چنانکہ خود نہ شناسی کہ از کجا بشکست

پھر آپ کو علم مرحمت فرمایا اور اللہ تعالےٰ نے آپ کی قیادت و امارت میں خیبر فتح کرا دیا۔ فتح خیبر کا سہرا آپ ہی کے سر پر ہے۔ اسی بنا پر دنیا آپ کو فاتح خیبر کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

اسی جنگ میں مرحب جو یہودیوں کا معزز سردار تھا اور جسے اپنی قوت و شجاعت اور زور و طاقت پر بڑا فخر و ناز تھا حضرت علی رضؓ کے ایک ہی وار سے واصل جہنم اور داخل فی النار ہوا[1]

۳۔ استخلاف علی المدینہ سنہ ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا، آپ کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم ہوا اور آپ نے اپنے اس غم واندوہ کا اظہار کیا تو حضورؐ نے فرمایا علی رضؓ! کیا تم اسے پسند نہیں کرو گے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسی (علیہما السلام) سے تھی[2]۔

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

۴۔ تبلیغ فرمانِ رسولؐ

"غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اسی اثناء میں سورۃ براءت نازل ہوئی لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورۃ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لئے بھیج دی جاتی تو اچھا ہوتا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جاکر اس سورۃ کو سنائیں۔[1]"

۵۔ اشاعتِ اسلام

"رمضان سنہ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بلاکر یمن جانے کا حکم دیا . . . ان کے سینے پر دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی۔ . . اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرقِ مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔[2]"

۶۔ من کنتُ مولاہُ فعلی مولاہ

حجۃ الوداع کا ذکر ہے حج سے فارغ ہو کر "آپ نے

---

[1] خلفائے راشدین ص ۲۸۳/۲۸۴ مصنفہ دار المصنفین۔ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام ج۲ ص ۳۴۲/۳۴۳
[2] ایضاً ص ۲۸۴ بحوالہ طبقات ج۲ ص ۲۲۔

مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔ آپؐ نے یہاں تمام صحابہ رضؓ کو جمع کر کے مختصر سا خطبہ دیا .. .. .. نسائی، مسند احمد، ترمذی طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں .. .. .. ایک فقرہ اکثر مشترک ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ جس کو میں محبوب ہوں علی رضؓ بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے، الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی رضؓ سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ[1]۔

ایک غلط استدلال

بعض لوگ اس واقعہ سے سیدنا حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں، جو بایں وجوہ مردود و ناقابل قبول ہے۔

۱۔ رب۔ مالک۔ مددگار۔ محب۔ محبوب۔ ہمسایہ۔ چچازاد بھائی۔ خسر۔ حلیف و عقید۔ سردار۔ تابع۔ آزاد۔ غلام۔ منعم منعم علیہ۔ دوست۔ قریب۔ بیٹا۔ چچا۔ بھانجا۔ شریک۔ نزیل

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۶۶/۱۶۷۔

اور سرپرست وغیرہ۔ مولیٰ کے کئی معنی ہیں[1]۔ اگر نہیں تو خلیفہ نہیں۔ مولیٰ کے اور جو معنی چاہو کرو لیکن اگر نہیں کر سکتے تو اس کے معنی اولیٰ بالامامۃ اور خلیفہ نہیں کر سکتے۔

۲۔ وِلَایَتُ اور وَلَایَتُ جدا جدا دو مصدر ہیں وِلَایَتُ کے معنی ہیں نصرت اور وَلَایَتُ کے معنی تولیت و امامت ہے[2]۔ مولیٰ وِلَایَتُ سے .... ہے اور والی وَلَایَتُ سے! لہٰذا مولیٰ کے معنی ہوئے یار و مددگار اور والی کے معنی ہوئے۔ امام اور حاکم اور خلیفہ۔ مولیٰ کے معنی اولیٰ بالتصرف یا خلیفہ اور امام نہیں۔ لغتِ عرب کی شہرۂ آفاق کتاب قاموس میں ہے۔

المولیٰ ـــــ المالك والعبد والمعتِق والمعتَق والصاحب والقريب كابن العم ونحوه والجار والحليف والابن والعم والنزيل والشريك وابن الاخت والولی والرب والناصر والمنعم والمنعم عليه والمحب والتابع والصهر۔

---

[1] فی النهاية المولیٰ يقع علی جماعة كثيرة كالرب والمالك والسيد والمنعم والمعتق والناصر والمحب والتابع والجار وابن العم والحليف والعقيد والصهر والعبد والمنعم عليه (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری رحمہ اللہ)

[2] الوِلاية النصرة والوَلاية تولی الامر (مفردات راغب اصفہانی)

۳۔ قرینہ موئد ہے کہ یہاں مولیٰ کے معنیٰ محبوب کے ہیں کیونکہ:۔

ا۔ مقابلے میں عداوت مذکور ہے جو محبت کی ضد ہے۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

ب۔ حضرت علی رض سے پہلے حضور خود مولا ہیں۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ —— اور حضور خلیفہ نہیں بلکہ محبوب مومنین ہیں۔

ج۔ حضور اور حضرت علی رض دونوں بیک وقت مولا ہیں من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ مولیٰ کے معنی محبوب اور دوست ہوں ورنہ ایک ہی وقت میں دو امام اور حاکم اور صاحب تصرف ممکن نہیں۔

۴۔ قرآن کریم میں مولیٰ بصراحت مددگار کے معنوں میں آیا ہے فان اللہ ھو مولاہ وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذالك ظھیر (پارہ ۲۸ سورہ تحریم)

تو اللہ تعالیٰ اور جبریل امین اور صحابہ رض کرام اور دوسرے ملائکہ حضور کے مددگار اور حامی ہیں۔ خلیفہ اور امام نہیں۔

۵۔ اگر اس دھاندلی کے آگے ہتھیار ڈال کر ایک سیکنڈ کے لئے تسلیم کر لیا جائے کہ کتاب وسنت۔ لغت ومحاورہ قرینہ و قیاس سب کے خلاف یہاں مولیٰ کے معنی اولی بالامامۃ اور خلیفہ کے ہیں۔ تو پھر باعتبار مآل ہوں گے۔ یعنی حضرت علی رض

اپنے وقت پر خلیفہ ہوں گے۔ اور اس کے ہم قائل ہیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں شرکت لازم آئے گی۔ اور حضور کے ساتھ ساتھ حضرت علی رض بھی امام ہوں گے۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بہرحال جب یہ امامت علی الفور ثابت نہیں۔ بمجرد ارشادِ رسولؐ حضرت علی رض کی خلافت منعقد نہیں ہو جاتی۔ بلکہ یہ منفقہ طور پر بعد میں کسی وقت ثابت و متحقق ہو گی۔

تو اب اہل تشیع وہ وقت حضورؐ کی وفات کے فوراً بعد متعین کرتے ہیں جس کی ارشاد رسول میں تصریح تو بجائے خود اشارۃ تک نہیں۔ اور اس سے متعدد آیات الہیہ اور بیسیوں ارشادات نبویہ اور اجماع امت کی تغلیط ہوتی ہے۔ اور اہل سنت چوبیس سال بعد وہ وقت متعین کرتے ہیں۔ جب سیدنا حضرت علی رض نے بیعت لی۔ یہ فرمودات خدا و رسولؐ کے موافق اور واقعات و حالات کے بھی مطابق ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت بھی لازم نہیں آتی۔ اور نہ ہی کسی نص قطعی کا خلاف ہوتا ہے۔

۴۔ مولیٰ کے معنی یہاں خلیفہ کے متعذر اور مشکل ہیں۔ کیونکہ حضرت علی رض کا مولیٰ ہونا صرف صحابہ کرام رض کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے ھو ولی کل مومن رواہ الترمذی ؎ وہ ہر مومن کے ولی ہیں۔

اثر فاروق اعظم رضؓ

اور حضرت فاروق اعظم رضؓ نے بھی غدیر خم کے موقع پر حضور صؐ کے خطبہ کے بعد حضرت علی رضؓ کو ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

اصبحت وامسیت مولیٰ کل مومن ومومنة رواہ احمد۔[۱]

تم صبح و شام ہر وقت ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے مولیٰ ہو۔ اب اگر مولیٰ کے معنیٰ یہاں خلیفہ کے لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ قیامت تک امامت و خلافت حضرت علی رضؓ کی ہی ہو۔ اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

ماننا پڑے گا کہ یہاں بھی مولیٰ کے معنیٰ محبوب اور دوست ہیں اور سیدنا حضرت علی رضؓ ارشاد رسول سے لے کر قیامت تک ہر مومن مرد و عورت کے محبوب ہیں رضی اللہ عنہ۔

دوسری احادیث نبویہ اسی معنیٰ کی تائید و حمایت اور تصدیق و توثیق کرتی ہیں ارشاد فرمایا۔ لایحب علیا منافق ولایبغضہ مومن۔ رواہ احمد والترمذی۔

یعنی منافق (حضرت) علی رضؓ کو محبوب نہیں رکھ سکتا اور مومن آپ سے بغض و عداوت نہیں رکھ سکتا۔ خود حضرت علی رضؓ رب العزت

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب علی رضؓ۔

کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ ان لایحبنی الامومن ولا یبغضنی الامنافق۔ رواہ مسلم۔

اگر مولیٰ کے معنی خلیفہ ہیں اور حضرت علی رض کی خلافت حضورؐ کی وفات کے فوراً بعد متحقق ہوتی ہے، جس کا نہ ارشاد رسول میں اشارہ ہے نہ کوئی قرینہ! اور یہ عملی طور پر جاکر ثابت ہوتی ہے قریباً ربع صدی بعد! اب اس دوران میں وہ سینکڑوں صحابہ کرام رض جو خطبۂ غدیر خم کے وقت موجود تھے انتقال فرما گئے اور حضرت علی رض کی بیعت خلافت نہ کر سکے۔ تو سوال یہ ہے کہ:۔

(۱) ان کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ محبوبان خدا اور جنتی ہیں تو اس ارشاد رسول اور امر خلافت کے کیا معنی؟ اور اس خلافت کی حقیقت اور قدر و قیمت کیا؟ معاذ اللہ!

اور اگر وہ العیاذ باللہ دشمنان خدا اور جہنمی ہیں تو ان کا قصور یہی ناکہ انہوں نے حضرت علی رض کی بیعت نہیں کی! مگر سوال یہ ہے کہ وہ بیعت کرتے کیسے؟ کیا حضرت علی رض بطور امیدوار خلافت کبھی میدان عمل میں نکلے؟ اور انہوں نے بیعت نہیں کی، جب آپ دعوائے خلافت لے کر کھڑے ہی نہیں ہوئے تو لوگ بیعت کس کی کرتے؟ ؎

دل بھی حاضر سرِ تسلیم بھی خم کو موجود
کوئی مرکز ہو کوئی قبلۂ ارشاد تو ہو

کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ حضرت علی رض تو خلافت کا دعوی ہی

نہ کرنے اور لوگ بیعت کر لیتے ؟!

۲۔ جب بیعت نہ کرنے والوں کا معاذ اللہ یہ حال ہے تو بیعت نہ لینے والوں کا کیا حال ہوگا! غرض مولیٰ کے معنیٰ خلیفہ اور امام متصرف کے لئے جائیں تو یہ سب اشکالات پیدا ہوتے ہیں اور اگر اس کے لغوی اور معروف معنیٰ یعنی محبوب اور دوست لئے جائیں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا ؎

تری ہر ادا میں بل ہے تری ہر نگہ میں الجھن — مری آرزو میں لیکن کوئی پیچ ہے نہ خم ہے!

کجا آں شورا شوری کجا ایں بے نمکی

اہل سنت کے نزدیک خلافت کے مسئلہ کو اصول دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے نزدیک خلیفہ منصوص و مامور من اللہ نہیں ہوتا۔ خلافت کوئی آسمانی منصب نہیں کہ وحی ربانی سے خلیفہ کا تقرر عمل میں آئے۔ اسے امور ملّی کی سرانجامی اور انتظامات ملکی کی نگرانی کے لئے عامۃ المسلمین منتخب کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل تشیع کے نزدیک امامت و خلافت اصول دین میں داخل ہے اور خلیفہ مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اور نصِ قطعی قرآنی سے اس کا تقرر عمل میں لایا جاتا ہے۔ کہاں یہ تعلّی و بلندی اور کہاں یہ تسفّل و پستی! کہ کتاب اللہ کی صریح آیت تو کجا! سنت رسولؐ کی واضح دلالت تو بجائے خود! قبیل آحاد کی ایک روایت — جسے خلافت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں — کے ایک ایسے لفظ سے خلافت ثابت

کی جا رہی ہے جس کے مختلف اور متضاد قریباً اڑھائی درجن معنی ہیں اور طرفہ تماشا یہ کہ ان معنوں میں اگر ڈھونڈے سے نہیں ملتا تو "امامت و خلافت" کا معنی نہیں ملتا یہ ضمناً اور مختصراً عرض ہے۔ ورنہ اس بحث کا یہ موقع محل نہیں۔ یہاں خلافت کی بحث مقصود نہیں ہے۔ نہ یہاں خلفائے راشدین رضہ کے مناقب و محامد اور جمالات و محاسن کا بیان منظور ہے یہاں صرف یہ دکھانا مطلوب تھا کہ حضور رضہ کی زندگی مبارک ہی میں یہ حضرات متعدد مواقع پر بارہا مقام رسالت پر قائم اور منصب خلافت پر فائز رہے ان حضرات کے فضائل وکمالات اور فیوض و برکات کا مفصل تذکرہ انشاءاللہ دوسری جلد میں آئیگا اور خلافت کے عنوان پر بالوضاحت بحث بھی اس میں کی جائے گی (انشاء اللہ)

خلاصہ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں بھی حضور کے مقام پر قائم رہے ذات پاک کی موجودگی ہی میں حضور کی خلافت اور جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص ان معاملات میں بھی جو منصب رسالت و مقام نبوت سے متعلق تھے ان حضرات کو اپنا خلیفہ اور قائم مقام فرما کر ان کی عظمت شان وجلالت قدر ہی کو ظاہر نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی بتلا دیا کہ یہ حضرات مجھ سے جدا نہیں۔ انکی قیادت وامامت میری ہی قیادت وامامت اور ان کی اطاعت میری ہی اطاعت ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

. . . .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

④

کتاب اللہ کی چوتھی شہادت

قانون بقاء: نفع

صفتِ رحمت | صفاتِ باری تعالیٰ میں سب سے مقدم اور سب سے غالب صفت ربوبیت و صفتِ رحمت ہے قرآن کیا ہے۔ صفاتِ ذات کا دل نواز و روح پرور ذکر و بیان ہے۔ کتاب اللہ میں جگہ جگہ صفاتِ باری تعالیٰ کا تذکرہ و مظاہرہ ہے۔

سورہ فاتحہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اس میں پورے قرآن کے مضامین کا اجمال ہے اور یہ مضامین قرآنی کی اصل و اساس ہے اسی بنا پر اس کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام ام الکتاب اور ایک سورۃ الاساس! اس سورۂ کریمہ کو کا فیہ بھی اس لئے

کہتے ہیں کہ یہ پورے مضامین قرآنی پر اجمالی طور سے کافی ہونیوالی ہے۔

اس ام الکتاب اور سورۃ الاساس کی ابتدا میں جن صفاتِ الٰہیہ کا تذکرہ ہے۔ ان میں سب سے اول صفت ربوبیت ہے اور اس کے بعد صفت رحمت! الحمد للہ رب العالمین، الرحمن الرحیم،

سورہ فاتحہ تو فاتحۃ الکتاب ہے۔ کیونکہ کتاب اسر کا افتتاح اسی سے ہوتا ہے، اور بسم اللہ الرحمن الرحیم، خود فاتحۃ الکتاب اور ہر سورہ کا فاتحہ ہے۔ اس کو دیکھ لیجئے۔ اس میں جس صفتِ الٰہی کی جلوہ نمائی و نقاب کشائی کی گئی ہے۔ وہ یہی صفت رحمت ہے۔

اگر چشم بینا ہو تو یہ پوری کائنات انہی صفات الٰہی کا مظہر ہے اور گلشن ہستی رحمتِ ربی کا ہی منظر! ؎

ہرچہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو!

مقتضاء رحمت رحمت، فضل و نفع چاہتی ہے۔ نقص و ضرر نہیں چاہتی، ربوبیت کا مقتضاء افادہ و فیضان ہے نہ کہ افساد و نقصان! لہذا ان صفات کے مسلسل افعال و مظاہرے اور غیر مختتم آثار و نظارے ایک مستقل قانون فطرت کی شکل اختیار کر گئے ہیں جسے بقاء انفع سے تعبیر کیا

جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ انزل من السماء ماءً فسالت اودیةٌ بقدرھا
فاحتمل السیل زبداً رابیاط و مما یوقدون
علیه فی النار ابتغآء حلیة او متاعٍ زبد مثله ط
کذلك یضرب الله الحق والباطل ط فاما الزبد
فیذھب جفاءً ج واما ما ینفع الناس فیمکث
فی الارض ط کذلك یضرب الله الامثال ط

(پارہ ۱۳ سورہ رعد ع ۲)

پروردگار نے آسمان سے پانی برسایا۔ تو (ندی) نالے بہی اپنی مقدار (سمائی) کے موافق بہ نکلے پھر (خس و خاشاک کی آمیزش سے) پھولا ہوا جھاگ۔ پانی کی رو اٹھا کر (بہا) لے گئی اور اسی طرح اللہ تعالٰے حق اور باطل (کی مثال) بیان کرتا ہے۔ سو جو جھاگ (اور میل کچیل ہے) وہ رائگاں جاتا رہتا ہے۔ (کیونکہ اس میں کوئی نفع نہ تھا) اور جو چیز کہ لوگوں کو نفع دیتی ہے۔ وہ دنیا میں باقی رہتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

جس طرح آسمان سے بارش برستی ہے اور ندی نالے اپنے ظرف وقدر کے مطابق پانی لے کر بہ پڑتے ہیں۔ پھر زمین کی آلائش اور کوڑا کرکٹ کی آمیزش سے جھاگ پھول کر عارضی طور پر پانی کے اوپر آجاتا ہے۔ مگر مآل کار جھاگ جاتا رہتا ہے۔

اور پانی باقی رہ جاتا ہے جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔ یا جس طرح زیور۔ یا برتن یا اسلحہ وغیرہ تیار کرنے کے لئے سونا چاندی تانبا لوہا وغیرہ معدنیات کو بھٹی میں ڈال کر پگھلاتے ہیں اس پر بھی اس طرح کا جھاگ آ جاتا ہے جو چشم زدن میں جاتا رہتا ہے اور اصلی کارآمد چیز باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح حق و باطل کی مثال سمجھ لو۔ یعنی :-

معنویات میں قانون بقاء انفع کا نفاذ بقاء انفع کا یہ قانون قدرت صرف مادیات تک محدود نہیں۔ بلکہ روحانیات پر بھی حاوی ہے۔ یہ قانون فطرت جس طرح محسوسات میں جاری ہے اسی طرح معنویات میں بھی کارفرما ہے۔ فطرت جس طرح مادی دنیا میں غیر مفید اور بے کار اجزاء و عناصر کو مٹا دیتی ہے اور مفید و نافع اشیاء کو باقی رکھتی ہے۔ اسی طرح معنوی دنیا میں بھی باطل کو فنا کر دیا جاتا ہے اور حق کو ثابت و برقرار رکھا جاتا ہے، جس طرح قدرت مادی اشیاء کو کاٹتی چھانٹتی رہتی ہے۔ اسی طرح انسانی اعمال و افعال میں بھی ابقا و افنا کا یہ سلسلہ جاری رکھتی ہے۔

جب رسول پر وحی ربانی کی بارش ہوتی ہے۔ تو قلوب انسانی اپنے ظرف و قدر کے مطابق اسے جذب کرتے ہیں اور ہر انسان اپنی اپنی استعداد اور گنجائش کے موافق

اس سے مستفیض ہوتا ہے

بقدر ظرف طالب یاں ہیں پیمانے مقدر کے
لئے جاتا ہے جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے

فیضانِ سماوی سے جہاں بحر ایمان مواج و متلاطم ہو جاتا ہے وہاں کفر کے متعفن گڑھے میں جھاگ پھول آتا ہے، جہاں باران رحمت سے ایمان کے گل و گلزار سرسبز و شاداب اور لالہ زار سراپا بہار ہو جاتے ہیں فضائے گلستان مشکبار و عطر بیز ہو جاتی ہے وہاں خارِ زار کفر میں خار و خس کا جنگل کھڑا ہو جاتا ہے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در بوم خار و خس

نزولِ حق سے باطل مشتعل اور کف بدہن ہو جاتا ہے۔ انتہائی جوش و خروش سے اٹھتا ہے اور حق پر پل پڑتا ہے۔ حق و باطل میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے جس میں چندے باطل، حق پر غالب آجاتا ہے مگر اس کا یہ پادر ہوا ابال جھاگ کی طرح طرفۃ العین میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور پھر اس کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے، آخر کار حق باطل کو محو و مغلوب کر کے خود غالب و ثابت رہتا ہے۔ باطل کی عارضی نمائش ختم ہو جاتی ہے، اور حق کا بول و بالا

ہو جاتا ہے۔

حق و باطل کی کش مکش و ستیزہ کاری اور کفر و اسلام کی باہم آویزی و جنگ آزمائی میں یہ تو ممکن ہے کہ عارضی طور پر باطل حق کو دبالے لیکن یہ ناممکن ہے کہ مستقل طور پر کفر اسلام پر غالب رہے، یہ اللہ کی عادت و سنت، فطرت کے اصول و ضابطہ قانون بقاء الفع کے خلاف ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ :-

انجام کار کفر و باطل مغلوب و منہزم اور معدوم و منتشر ہوگا اور دینِ حق غالب و فاتح اور ثابت و برقرار رہے گا!

تخلیق کائنات کا مقصد

اس دنیا کی تخلیق کا مقصد بھی اسی قانون فطرت ـــــ بقاء انفع ـــــ کا نفاذ و اجراء ہے۔ آفرینش عالم سے مقصود و مطلوب ہی ابقائے حق و افنائے باطل ہے۔ ارشاد فرمایا: ـــــ

۲- وما خلقنا السماء والارض وما بینهما لٰعبین ٥ لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذنٰه من لدنا ﷺ ان کنا فٰعلین بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق ط ولکم الویل مما تصفون ٥

(پارہ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۲)

ہم نے ارض و سماء و ما بینہما کو (بطور لہو و لعب) نہیں بنایا۔

اگر ہمیں کھیل (تماشہ) منظور ہوتا تو ہم اسے اپنے پاس سے بنا لیتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا! (حقیقت یہ نہیں) بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، پس وہ (باطل) ناگہاں فنا ہو جاتا ہے۔

تمہارے لئے ان من گھڑت باتوں سے بڑی خرابی ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ہم نے آسمان وزمین اور ساری کائنات کو بطور لہو ولعب نہیں بنایا بفرض محال لہو ولعب ہماری شان کے شایاں ہوتا اور ہم کھیل تماشے کا ارادہ کر بھی لیتے اور پھر اس ارادہ کو عملی جامہ بھی پہناتے تو ہم بذات خود اپنی قدرت سے ایسا کر گزرتے حق و باطل کی کش مکش کی صورت میں یہ لہو ولعب نہ بناتے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں، بلکہ اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے، یہ ایک میدان جنگ ہے جہاں حق و باطل کی کش مکش جاری رہتی ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

حق و باطل کی اس آویزش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق باطل کو پاش پاش کر ڈالتا ہے۔ جو لوگ اس قانون قدرت کو تسلیم نہیں کرتے اور تخلیق کائنات و آفرینش عالم کے مقصد ومنشا،

کو نہیں سمجھتے اور اسے محض فضول لہو ولعب اور طفلانہ کھیل تماشہ جانتے ہیں ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔

درحقیقت یہ جہان۔ حق و باطل کا میدان کارزار ہے جہاں حق کو غلبہ و فتح اور قرار و اقتدار نصیب ہوتا ہے اور باطل کے لئے شکست و ہزیمت اور فنا و فرار مقدر ہے!

حق کا ثبات و استحکام اور باطل کی بے ثباتی و فنا پذیری

عربی میں حق کہتے ہی اُسے ہیں جو ثابت و قائم ہو۔ برقرار و پائیدار ہو باطل حق کا نقیض ہے یعنی ثبات و قرار سے ناآشنا ناپائیدار، سراپا بے بقا و پادر ہوا! اللہ تعالےٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ایک صفاتی اسم الحق ہے کیوں کہ اس کی ہستی ایک باقی و ثابت اور لازوال و غیر فانی ہستی ہے فتعلی اللہ الملک الحق ۔ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ ع)

سو اللہ بلند مرتبہ ہے بادشاہ ہے حق ہے فذٰلکم اللہ ربکم الحق (پارہ ۱۱ سورہ یونس ۲۶)

پس یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار، حق ہے، اس سے اگلی ہی آیت میں کلمۂ رب کی طرف حق کی نسبت کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

کذٰلک حقت کلمت ربک علی الذین فسقوا انھم لا یؤمنون

اسی طرح ان نافرمانوں کے حق میں تیرے رب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے —— قرآن کریم میں وحی ربانی کو بھی حق کہا گیا ہے۔

والذی انزل الیك من ربك الحق، (پارہ ۱۳ آغاز سورہ رعد)

اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے حق ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کے تیسرے رکوع میں فرمایا:——

انما انزل الیك من ربك الحق۔

آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے، وہ سب حق ہے ظاہر ہے کہ وحی ربانی سے زیادہ کوئی چیز قائم و دائم اور ثابت و باقی نہیں، اس کے مٹانے والے خود مٹ گئے مگر قرآن کریم باقی ہے اور ابد تک باقی و برقرار رہے گا ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جب حق کا خاصہ ہی بقاء و دوام ہے اور باطل بے ثبات و بے قرار ہے تو لازمی طور پر حق و باطل کے مقابلہ میں حق غالب و فاتح رہے گا اور باطل مغلوب و مہزوم ہوگا۔ حق باقی رہے گا۔ باطل مٹ جائے گا۔ کیونکہ باطل کا خاصہ ہی مٹ جانا ہے۔ حق و باطل میں جب کبھی نزاع و کشمکش ہوگی

فتح حق ہی کی ہوگی باطل منہ کی کھائے گا۔ اور شکست و ہزیمت سے دوچار ہوگا۔

قرآن اسی اصل و قاعدہ کو بیان کرتا ہے :۔

۳۔ وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

(پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۹)

اور کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا، بیشک باطل فطرتاً ہے ہی نیست و نابود ہونے والا!

یعنی جب تک حق مقابلے میں نہیں آتا۔ تب تک تو باطل میدان میں دندناتا پھرتا ہے۔ لیکن جونہی حق میدان کارزار و عرصۂ پیکار میں اترا باطل بوریا بستر باندھ کر رفوچکر ہوا۔ یہ ناممکن ہے کہ حق بھی آئے اور باطل بھی رہے۔ بس دیر حق کے نمودار ہونے کی ہے، حق نمودار ہوا نہیں اور باطل دُم دبا کر بھاگا نہیں! باد آمد پیشہ رفت، والامعاملہ ہے۔

۴۔ اسی حقیقت کو ایک اور مقام پر بھی واضح فرمایا۔ فرمایا:۔

قل ان ربی یقذف بالحق ج علام الغیوب ۰ قل جاء الحق وما یبدی الباطل وما یعید (پارہ ۲۲ سورہ سبا آخری رکوع)

(رسول مقبول) آپ فرما دیجئے بالتحقیق میرا رب (دین) حق کو کفر پر غالب کر رہا ہے وہ علام الغیوب ہے۔ آپ (مکرر) فرما دیجئے (دین) حق آگیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا!

جب دستِ قدرت سے فرقِ باطل پر دینِ حق کی بم باری ہو رہی ہو۔ تو اس "بمبارمنٹ" کے بعد باطل کا پاؤں کب ٹک سکتا ہے۔ اس کا تو ہمیشہ کے لئے سر کچلا گیا اور پتا کٹ گیا۔

یہ دونوں عظیم الشان پیش گوئیاں مکی دور کی ہیں۔ جبکہ غلبہ واقتدار کے آثار تک پدیدار نہیں تھے۔ مگر گنتی کے چند سال بعد فتح مکہ کے وقت قرآن کی یہ بشارتیں حرف بحرف پوری ہو گئیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ پر فتح و غلبہ پاکر حرم اطہر میں داخل ہوئے تو اس وقت اللہ کے گھر میں خدائے واحد کی جگہ تین سو ساٹھ بتوں نے لے رکھی تھی۔ آپ ایک چھڑی سے ایک ایک پر ضرب لگاتے اور فرماتے جاتے تھے۔ جاء الحق وزحق الباطل ان الباطل کان زھوقا ہ جاء الحق وما یبدی الباطل وما یعید ہ اور وہ بت منہ کے بل گر جاتا تھا ـــــ جس طرح بفضلہ وبعونہ تعالیٰ کفر دم دبا کر بیت اللہ سے بھاگا اسی طرح ہمیشہ کے لئے سرزمین عرب سے خارج رہے گا۔ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

۵۔ اب رب العزت حق واہل حق کے استقرار و استحکام اور باطل واہل باطل کے پادر ہوا اور نقش برآب ہونے کی حقیقت کو ایک دل نشین مثال کے ذریعہ واضح فرماتے ہیں

ارشاد فرمایا:-

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السمآء o توتی اکلھا کل حین باذن ربھا و یضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون o ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ج و یضل اللہ الظٰلمین نف و یفعل اللہ ما یشآء o (پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم ع ۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے۔ کلمۂ توحید ایمان) ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں خوب گڑی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی مثالیں لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ سوچیں سمجھیں۔ اور ناپاک کلمہ (کفر) کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے۔ جو زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے۔ اس کے لئے کچھ ثبات و قرار نہیں۔

تعالیٰ اہل ایمان کو اس مضبوط بات (کلمۂ طیبہ، توحید و ایمان کی برکت) سے دنیا اور آخرت میں مستحکم (اور برقرار)

رکھتا ہے اور ظالموں (کافروں) کو گمراہ (کرکے ختم) کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کرگزرتا ہے۔ تو ایمان واہل ایمان کی بنیاد واساس نہایت مضبوط ومستحکم اٹل اور غیر متزلزل ہے۔ اس کے برعکس کفر واہل کفر انتہائی بادر ہوا، سراپا بے بنیاد، نقش برآب! اور بالکل بے ثبات و بے قرار!

تو رب العزت نے واضح مثال کے ذریعہ یہ حقیقت بیان فرمادی کہ ثبات وقرار اور تمکن واستحکام حق اور اہل حق کے لئے مقدر ہے، رہے اہل باطل؟ ان کی قسمت میں بے بنیادی وبے ثباتی اور فنا وبربادی لکھی ہوئی ہے۔

استدلال | حق[1] کے استحکام و تمکن فی الارض، باطل کی بے بنیادی و بے ثباتی تخلیق کائنات[2] کی غرض وغایت اور بقاء انفع کے قانونِ فطرت کے پیش نظر اصحابِ رسولؐ کی صداقت ویارانِ نبیؐ کی خلافتِ حقہ میں ادنیٰ شک وشبہ کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ان حضرات کا ثبات وقرار، ان کی خلافت کا استقرار واستحکام ہی ان کی صداقت وحقانیت کی اٹل دلیل ہے، ان کے تاریخی کارنامے اور خلافت راشدہ کے قیامت تک امٹ آثار والشاد ہی ان کی حقانیت کا ثبوت ہیں۔

العیاذ باللہ صحابہ کرامؓ کی صداقت وخلافت اگر مبنی

علی الحقیقت نہیں تو سوال یہ ہے کہ پھر انہیں بارگاہ قدرت سے بقا و قرار، ثبات و استحکام اور غلبہ و اقتدار کا شرف کیوں بخشا گیا؟ مندرجہ بالا ارشاداتِ ربانی کے مطابق معاذ اللہ باطل و اہل باطل کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح محو و معدوم اور نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا گیا۔؟ انہیں چشم زدن میں مٹا کر بے نام و نشان کیوں نہیں کر دیا گیا۔؟ قریباً آدھی صدی تک ان کے وجود مقدس کو برقرار کیوں رکھا گیا؟ اور قیامت تک ان کے تابندہ کارناموں اور درخشندہ شاہکاروں سے دنیا کو بقعۂ نور کیوں بنایا گیا ——— ؟

خلاصہ:- یہ کہ عہد رسالت میں بقا و ثبات کے لئے دستِ قدرت کا صحابہ کرام رض کو چھانٹ لینا اور ابدالآباد تک خلافت راشدہ کے انوار سے تیرہ و تار دنیا کو منور رکھنا ہی ان کی صداقت و حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر معاذ اللہ صحابہ کرام رض باوجود اہل باطل ہونے کے قریباً ربع صدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور قریباً ربع صدی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف باقی ہی نہیں رہتے بلکہ مسند اقتدار و خلافت پر متمکن و جلوہ فگن اور عرب و عجم پر غالب و قابض اور حاکم و فرماں روا رہتے ہیں[1] تو معاذ اللہ پھر

[1] (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

صرف وہی اہل باطل نہیں رہتے بلکہ اللہ کی سنت و
عادت، بقاء انفع کا قانونِ فطرت، اور مندرجہ بالا ارشادات
ربانی سب کا بطلان لازم آتا ہے۔ العیاذ باللہ! اور چونکہ سنت
اللہ، قانونِ فطرت، اور آیاتِ قرآنی کی صداقت میں کسی مسلمان
کو قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں لہٰذا صحابہ کرام رضہ کی صداقت
اور اصحاب ثلاثہ رضہ کی خلافت میں بھی کسی مسلمان کو قطعاً کوئی
شک وشبہ نہیں وہ مسلمان! جو کتاب اللہ، قانونِ قدرت
اور سنت اللہ پر ایمان رکھتا ہے، غیر متزلزل ایمان!

لے عہد عثمانی میں الجزائر اور مراکش ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
کی ہمت وشجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے.. ۳۰ھ میں عبداللہ
بن عامر رضہ اور سعید بن عاصؓ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور
طبرستان کا رخ کیا، سعید بن عاص کے ساتھ امام حسن رضہ امام حسین رضہ عبداللہ
بن عباس رضہ جیسے اکابر شریک تھے ان لوگوں نے جرجان خراسان اور طبرستان
کو فتح کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۴) - .. .. .. قبرص، طرابلس اور طبرستان
کے علاوہ حضرت عثمان کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں ۳۱ھ میں حبیب بن مسلمہ
فہری نے آرمینیہ کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا (ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۱)
۳۶ھ میں امیر معاویہؓ تنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔
(خلفائے راشدین ص ۲۷ تا ص ۳۰ ملخصاً مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۵)

کتاب اللہ کی پانچویں شہادت

سنت اللہ

ہے یہ قانون الٰہی جو کبھی مٹتا نہیں
گو جگہ اپنی سے ٹل جائیں زمین و آسمان
چھنٹی جائیں گی وہ قومیں جو بگڑتی جائینگی
ٹہنیاں جو سوکھتی جائینگی جھڑتی جائینگی

بقار انفع کا قانونِ فطرت مادیات کی طرح معنویات میں بھی کار فرما ہے۔ اور رحمتِ ربی کا یہ تقاضہ جس طرح افراد و اجسام میں پورا ہو رہا ہے۔ اسی طرح احزاب و اقوام میں بھی پورا ہو رہا ہے۔

قدرت جس طرح فائدہ مند اور نافع اشیار کو باقی رکھتی اور بے فائدہ وغیر نافع اشیار کو کاٹ چھانٹ دیتی ہے اسی

طرح مفید و صالح اقوام و امم کو خلعتِ بقا و ثبات عطا فرماتی اور فضول و بے کار اور فاسد و ضار احزاب و جماعات کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔

سنت اللہ رب العزت کی سنت جاریہ یہی ہے کہ وہ پہلے کفار و ظالمین کو اس دنیا سے ہٹا اور مٹا کر یہاں مسلمین و مومنین کو بساتے ہیں۔ اہل باطل کو ہلاک و متاصل کر کے ان کی جگہ اہل حق کو آباد فرماتے ہیں۔ کتاب اللہ میں اس سنت اللہ کی جلوہ طرازیاں ملاحظہ ہوں:-

وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا اولتعودن فی ملتنا ط فاوحیٰ الیھم ربھم لنھلکن الظلمین ۵ ولنسکننکم الارض من م بعدھم ط ذالك لمن خاف مقامی وخاف وعید ۵ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید ۵ (پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم ع ۳)

اور تاریخ عالم کے ہر دور میں، کفار نے اپنے رسولوں سے کہا " ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین (کفر) میں لوٹ آؤ "

تب ان رسولوں پر ان کے پروردگار نے وحی نازل فرمائی ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے، اور ان کے بعد تم کو

اس زمین میں آباد کریں گے"

یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اور میرے عذاب سے خوف کھاتا ہے۔

کفار نے (اپنے چیلنج کا یہ دندان شکن جواب سن کر اپنے نبی کے خلاف ایک دوسرے سے) فتح (کے لئے مدد) طلب کی (مگر کامیاب نہ ہوئے) اور جو بھی سرکش دشمن (نبی کے مقابلے میں نکلا) تھا نامراد ہوا۔

ہر کافر قوم نے اپنے اپنے رسولوں کو چیلنج کیا جس پر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو خاموش رہے مگر درحقیقت جسے چیلنج کیا گیا تھا اس نے اسے قبول کرتے ہوئے اپنے رسولوں سے ارشاد فرمایا۔ تم بالکل بے فکر رہو، بجائے اس کے کہ یہ تمہیں ملک بدر کریں ہم انہیں ہلاک و برباد کر کے ان ہی کی زمین پر تمہیں ساکن و متمکن کریں گے۔

یہ سکونت و بقا اور تمکین و قرار صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ یہ بشارت ربانی اور وعدہ الٰہی قاعدہ کلیہ ہے، ہر سرکش ضدی نامراد و برباد ہوتا ہے، اور ہر اہل حق مآل کار غالب آ کر آباد ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ معرضین عن الحق کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اور ان ہی کے

دیار و امصار میں اہل حق کو بر ثبات و برقرار رکھا جاتا ہے
کفار و اعدائے دین منہ کی کھاتے ہیں اور دنیا ہی میں
ذلیل و خوار۔ خائب و خاسر اور ناکام و نامراد ہوتے ہیں
اور حضرات انبیاء و رسل اور ان کے مخلص و وفا شعار
اصحاب و شرکائے کار سرافراز و کامیاب اور منصور و مظفر
رہتے ہیں۔

(۲) تذکیر بایام اللہ و استشہاد بالتاریخ | رب العزت اپنی اس سنت و عادت اور
اپنے اس دستور و قاعدہ کی تائید و توثیق میں تاریخ عالم سے
استشہاد فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:۔

افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة
الذین من قبلهم ط کانوا اکثر منهم و اشد
قوة و اثارا فی الارض فما اغنی عنهم ما کانوا
یکسبون ۝ فلما جاءتهم رسلهم بالبینت فرحوا
بما عندهم من العلم وحاق بهم ما کانوا
به یستهزءون ۝ فلما راوا باسنا قالوا امنا بالله
وحده وکفرنا بما کنا به مشرکین ۝ فلم یک
ینفعهم ایمانهم لما راوا باسنا سنت الله
التی قد خلت فی عباده ج وخسر هنالك

الکفرون ۵ (پارہ ۲۴ سورہ مومن آخری رکوع)
کیا یہ (کفار) ملک میں چلے پھرے نہیں! کہ دیکھ لیتے ان لوگوں
کا کیا (برا) انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے وہ ان سے (تعداد
میں) بہت زیادہ اور (زور و) قوت اور آثار ارضی میں (بھی)
ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ پس ان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام
نہ آئی۔ پھر جب انکے رسول ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے۔
تو وہ اپنے علم (ودانش) پر اترانے لگے۔
اور ان پر وہ (عذاب) آپڑا جس کے ساتھ استہزا کرتے تھے،
پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے "ہم خدائے
واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں کے منکر ہوئے جن
کو ہم خدا شریک ٹھہراتے تھے"،
سو ان کو ان کے (اس اضطراری) ایمان نے کوئی نفع نہ دیا
جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہ اللہ کا دستور اور
معمول) ہے جو اس کے بندوں میں ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اس
وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ وعادت جاریہ ہے کہ مکذبین
رسلؑ اور مشرکین باللہ کو نشانۂ تعذیب وہدف ہلاکت
بنایا جاتا ہے۔ ان کی کثرتِ عددی، قوت وشوکت ملک
کے طول وعرض میں ان کی محکم وپائیدار یادگاریں اور نشانیاں،

مادیات و معاشیات سے متعلق علوم و معارف پر ان کا فخر و ناز اور غرور و استکبار کوئی چیز بھی ان کو ہلاکت و بربادی سے نہیں بچا سکتی۔

مسئلہ:- عذابِ الٰہی دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا اور موت کے یقینی آثار و علامات ظاہر ہونے کے بعد توبہ کرنا مقبول نہیں، مردود ہے۔ ایمان باللہ اور انابت الی اللہ حالتِ اختیار میں مطلوب و منظور ہے نہ کہ حالت اضطرار میں! کتنا ظلوم و جہول ہے انسان! کہ عرصۂ حیات میں تو در بدر ٹھوکریں کھاتا رہا، غیر اللہ کی پرستش کرتا اور ہر بت کی چوکھٹ پر جبینِ ناز رگڑتا رہا مگر جب پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا، ساغرِ حیات چھلکنے لگا۔ موت بھیانک شکل و صورت میں سامنے منہ پھاڑے نظر آنے لگی تب ہوش آیا۔ اب مزاج درست ہوا۔ اور حقیقت کا علم و احساس ہوا، اس وقت لگا معبودانِ باطل سے انحراف و انکار اور خدائے واحد کی توحید و تفرید کا اعتراف و اقرار کرنے، مگر اب بارگاہِ ایزد متعال میں سرِ تسلیم خم کرنے کا فائدہ؟

توبہ و استغفار اور ایمان و اسلام اگر مقبول و مفید ہے تو آثارِ عذاب و علاماتِ ہلاکت کے ظہور سے پہلے پہلے۔ ؎

بچے بجلیوں کی زد سے وہی طائرانِ دانا جو کڑک چمک سے پہلے نکل آئے آشیاں سے

سنت اللہ کا عموم اطلاق قدرت کا یہ دستور و قانون گزشتہ اقوام و امم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس امت پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔

ارشاد فرمایا :۔

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءھم نذیر لیکونن اھدی من احدی الامم ج فلما جاءھم نذیر مازادھم الا نفورا ۵ استکبارا فی الارض ومکر السیئ ط ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ ط فھل ینظرون الا سنت الاولین ج فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ۵ ولن تجد لسنت اللہ تحویلا ۵

(پارہ ۲۲ سورہ فاطر ع ۵)

(کفار مکہ) اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ سخت ترین قسمیں! کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا (حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) آیا تو بوجہ غرور و تکبر (از دین حق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) ان کی نفرت و بداندیشی فزوں تر ہو گئی اور بداندیشی کا وبال تو بداندیش ہی پر پڑتا ہے۔

پس یہ (کفار) اگلے (کافر) لوگوں کے دستور (تعذیب و

آئین عقوبت) کے منتظر ہیں، سو آپ خدا کے (اس) دستور کو (کبھی) تبدیل نہیں پائیں گے، اور آپ (ہرگز ہرگز) سنت اللہ میں کوئی تغیر نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت قدیمہ اور عادت مستمرہ ہے کہ جب معاندین حق، دعوت حق وہدایت قبول کرنے کی بجائے حق اور داعیان حق سے نفرت واعراض، بُعد وانحراف اور بغض و عداوت کا مظاہرہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہلاک یا اسیر یا جلا وطن کرنے کی کمینہ تدابیر سوچتے اور ذلیل منصوبے باندھتے ہیں تب رب العزت انہیں اپنے عذاب کے شکنجے میں کس کر نہایت بری طرح ہلاک وبرباد کر دیتے ہیں۔

یہ سنت اللہ اس قدر اٹل اور یہ قانون قدرت اس درجہ مستقل ہے کہ نہ ماضی کے کوہ پیکر اور قوی ہیکل کفار اس کی گرفت سے بچے ہیں اور نہ حال کے مشرکین مکہ اور کفار عرب اس کی زد سے بچ سکتے ہیں جس قادر مطلق نے پہلے اشد واقویٰ کفار کو ہدف تعذیب بنایا ہے۔ وہ ان کفار ومشرکین کو بھی نشانۂ عقوبت بنا سکتا ہے۔

اخراجِ رسولؐ اور ہلاکتِ مخرجین کی قرآنی پیشگوئی
جو
لفظ بہ لفظ پوری ہوئی!

ارشاد فرمایا:- وان کادوا لیستفزونك من الارض لیخرجوك منها واذا لا یلبثون خلفك الا قلیلاً ہ سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلاً ہ ؁ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۸)

اور بلاشبہ نزدیک ہے کہ یہ لوگ (مشرکین مکہ) اس زمین سے آپ کے قدم اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اس وقت آپ کے پیچھے یہ بھی بہت کم ٹھیریں گے۔ آپ سے پہلے ہم نے جن رسولوں کو بھیجا ہے ان کے بارے میں (بھی ہماری) سنت یہی ہے۔ اور آپ سنت اللہ میں کوئی تغیر نہ پائیں گے۔

پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں بھی اللہ تعالےٰ کا دستور و قانون یہی رہا ہے کہ اہل حق کو جلا وطن کرنے یا انہیں نشانۂ جور و جفا بنانے کے بعد اعدائے حق بھی اپنے گھروں میں چین کی نیند نہیں سوئے۔ ع

نہ چین پائے گا تو بھی ظالم کسی کا خانہ خراب کر کے

مثلاً فرعون نے بنی اسرائیل کو "مصر بدر" کرنے کا ارادہ کیا تو خود بھی مصر میں شاد و آباد نہ رہا اللہ تعالے نے اسے اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے، سب کو غرق کر دیا۔ اور ان کا پتہ کاٹ کر بنی اسرائیل کو اسی سرزمین میں سکونت عطا فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقنہ ومن معہ جمیعًا ۝ وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آخری رکوع)

تو اس (فرعون) نے چاہا کہ ان (بنی اسرائیل) کو سرزمین (مصر) سے نکال دے۔ پھر ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو، آج بھی قانون قدرت یہی ہے، اگر آج مشرکین مکہ آپ کو مکہ معظمہ سے نکلنے پر مجبور کر رہے ہیں تو کل یہ بھی اس سرزمین پر اکڑ کر چلتے نظر نہیں آئیں گے۔ ہلاک و برباد کر دئے جائیں گے۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے اپنے زہرہ گداز و جانگسل جبر و قہر اور انواع و اقسام کے ظلم و ستم کو حد انتہا اور نقطۂ کمال تک پہنچا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ... ... اور حضورؐ کے وفا شعار و جاں نثار صحابہ رضؓ کو مکہ سے نکال دیا

تو خود بھی اپنے گھروں میں شاد و آباد نہ رہ سکے! اور صرف ڈیڑھ پونے دو سال کی اقل قلیل مدت میں فنا کے گھاٹ اتر کر بے نام و نشان ہوگئے۔ رمضان المبارک ۲ھ میں اپنے پاؤں چل کر آپ مقتل آئے، اور جنگ بدر میں کتوں کی موت مرے۔

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند!

غزوۂ بدر

کفر و اسلام کی اولین آویزش!! "بدر" حق و باطل کی پہلی منظم اور مسلح کش مکش ہے۔ جس میں رب العزت نے کفر کے تمام بڑے بڑے ستونوں کو مسمار و منہدم کر کے خاک میں ملا دیا۔ قریش کے ستر سرغنے واصل بجہنم ہوئے۔ اور ستر انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بارگاہِ رسالت میں لائے گئے۔ جن کی قسمت کا فیصلہ ان ہی یارانِ رض رسول صلعم کے مشورہ سے ہوا جنہیں انہی مقتولین و اسیران بدر نے ہدفِ مظالم و تختۂ مشق شدائد بنا کر گھروں سے نکال دیا تھا۔

جو جلاتا ہے کسی کو خود بھی جلتا ہے ضرور
شمع جلتی رہتی ہے پروانہ جل جانے کے بعد

کتنی منتقم ہے قدرت! اور کتنی قدرت انتقام لیتی ہے! اٹل اور محکم ہے اللہ کی سنت! کہ:۔

۱۔ جن سرداران قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی منصوبہ بندی اور کمینہ سازش کی تھی، صرف ڈیڑھ سال کے بعد ان میں سے اکثر ائمۃ الکفر خود بری طرح قتل ہوئے اور انہیں کتوں کی طرح ٹانگوں سے گھسیٹ کر ایک جنگلی گڑھے میں پھینک دیا گیا۔

دارالندوہ مکہ میں قریش کا ایوان شوریٰ تھا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کی تجاویز پر غور و فکر کرنے کے لئے خفیہ مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ جس میں قریش کے مندرجہ ذیل مشہور سردار شریک ہوئے۔

(۱) ابوجہل (۲) عتبہ (۳) شیبہ (۴) امیہ بن خلف (۵) نضر بن حارث (۶) زمعہ بن اسود (۷) ابوالبختری بن ہشام (۸) حارث بن عامر (۹) بنیہ (۱۰) منبہ ابنائے حجاج (۱۱) طعیمہ بن عدی (۱۲) ابوسفیان (۱۳) جبیر بن مطعم اور (۱۴) حکیم بن حزام ان چودہ میں سے اول الذکر گیارہ تو اس جنگ میں ایک ہی دن[۱] مارے گئے۔ اور آخر الذکر تین بالآخر مسلمان ہو گئے۔

۲۔ امیہ بن خلف جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین

---

[۱] رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۱۳۶

دشمن اور اسلام کا مخالف تھا۔ یہ اپنے غلام حضرت بلال رضؓ کو محض جرمِ عشق کی پاداش میں ناوک بیداد اور تیر جفا کا نشانہ بناتا تھا۔ اس جفاکار و ستمگار نے ستم ایجادی میں کمال کر دیا۔

"جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پہ لٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ۔ ورنہ یونہی گھٹ کر مر جائے گا۔ لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے احد احد کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالے کیا، وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے۔ لیکن اب بھی وہی رٹ تھی احد احد" [1]

افزوں ہو شوقِ جرم سزائیں اگر بڑھیں!
بڑھتی رہیں وفائیں جفائیں اگر بڑھیں!

عشقِ بلال رضؓ

حضرت بلال رضؓ نے انگاروں پر لوٹ کر جس عشقِ رسول کا ثبوت دیا اور تاریخ عشق میں بے نظیر صبر و ثبات اور استقلال و استقامت کا جو شاندار مظاہرہ فرمایا۔ اس پہ ان کی بارگاہ میں علامہ اقبال رح بالفاظ

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول صـ ۲۱۳۔

ذیل خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

وہ آستاں نہ چھوٹا تجھ سے ایکدم کیلئے | کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کیلئے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں | ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید | خنک دلے کہ تپید و دمے نیا سائید

حضرت بلال رضؓ نے عشق رسول ﷺ کی راہ میں جن جلّادانہ مظالم وسفاکانہ شدائد کو صبر و شکر سے برداشت کیا وہ ان ہی کا حصہ ہے، انہوں نے روح فرسا اور جاں سوز جفاؤں پر جفائیں سہیں لیکن اُف تک نہ کی ؎

ایذا ہی کے خوگر ہیں سب حسن کے دیوانے
اُف بھی تو نہیں کرتے جلتے ہوئے پروانے

اُف کرنا تو کجا! اس پروانۂ سوختہ نے تو سوزش میں برودت محسوس کی اور مصائب میں لذت پائی ؎

مصیبت عین راحت ہے اگر ہو عاشق صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے،

دلِ بلال رضؓ میں عشقِ رسول ﷺ کی جو لگن تھی اس نے جلن کو ٹھنڈک بنا دیا ان کی پشت مبارک رشکِ چمن تھی، داغ ہائے نارِ سوزاں گلہائے خنداں تھے اور وہ انگاروں پر لوٹ کر سیرِ باغ سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

عشق نام ہی قربانی کا ہے۔ اگر قربانی نہیں تو ہوس رانی ہے،

عشق نہیں۔

اگر عشقِ حق و محبت صادقہ کا دریا قلب میں موجزن ہو تو آگ میں جلنا اور خون و خاک میں تڑپنا کوئی بڑی بات نہیں ہے

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ کرمِ ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہو، لیکن محبت ہو، تو ہو

درحقیقت عشق رسولؐ ابتلا و آزمائش کی درد ناک و صبر آزما منزل ہے یہ مخول اور دِل لگی نہیں ہے

زخم پہ زخم کھا کے جی، اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی، عشق ہے دِل لگی نہیں

ہوس و عشق میں یہی فرق ہے کہ ہوس عیاش و آرام طلب ہے اور عشق نام ہی مشکلات و مصائب و آلام و حوادث کو شگفتگی و خندہ جبینی سے لبیک کہنے اور ہجوم آفات میں مسکرانے کا ہے،

عشق کا کمال یہ ہے کہ برقِ حوادث اور آتش ظلم و ستم سے تن بدن جل جائے مگر ذوق و شوق ختم ہونے میں نہ آئے ہے

تنم بسوخت، دلم سوخت، استخوانم سوخت
تمام سوختم و ذوقِ سوختن باقیست

جسم تڑپ رہا ہو مگر دل نشۂ لذت و سرور میں مخمور ہو کر
ھل من مزید کا نعرۂ مستانہ لگا رہا ہو ؎

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

بہرحال ظالم و جفاکار امیہ نے حضرت بلال رض کو آگ اور خون میں تڑپایا، حتیٰ کہ صدیق اکبر رض نے اس پروانۂ سوختۂ شمع رسالت کو اس شقی ازلی سے خرید کر آزاد کر دیا، اب دیکھئے قدرت کا منتقم ہاتھ کس طرح ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیتا ہے اور سیدنا بلال رض کے ہاتھوں امیہ بن خلف کے ذلیل خون سے ارض بدر کو لالہ گوں کرتا ہے۔

"غزوۂ بدر کے دن ایک سابقہ عہد کی پابندی کے پیش نظر" حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے، اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے اتفاق یہ کہ حضرت بلال رض نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کر دی۔ دفعتہً لوگ ٹوٹ پڑے انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے، انہوں نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ، یہ لیٹ گیا تو یہ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں۔ لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے

ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا"۔ [1]

شمع کا انجام نہ پوچھو
پروانوں کے ساتھ جلی

۳۔ ابوجہل کا عبرتناک انجام

اب ذرا ابوجہل کا انجام ملاحظہ ہو:۔ اس لعین کی تاریخ جور و جفا کا تاریک ترین باب یہ ہے کہ یہ بدبخت جتنا زور آور اور سردار تھا۔ اتنا کم زور و بےکس مسلمانوں کو اپنی ستم کیشی و جفاکاری اور قساوتِ قلبی و ستم گاری کا ہدف بناتا تھا، بے بس غلام، معصوم بچے اور صنف ضعیف خاص طور پر اس کے جانکاہ و دلخراش مظالم کی آماجگاہ تھے، چند واقعات بطور نمونہ مشتے از خروارے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سمیہ رضؓ حضرت عمار رضؓ کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہو گئیں [2]
یہ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ہے۔

۲۔ زنیرہ رضؓ حضرت عمر رضؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں... ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں [3]

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۳۰۲ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الوکالہ [2] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۱۴ [3] ایضاً ص ۲۱۵۔

۳۔ نہدیہ رض اور ام عبیس رض یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں۔[1]

"حضرت ابو بکر رض کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی۔ حضرت بلال رض عامر بن فہیرہ رض لبینہ زنیرہ رض نہدیہ ام عبیس رض سب کو بھاری داموں پر خریدا اور آزاد کر دیا۔"[2]

۴۔ حضرت اسماء رض (ہجرت کی رات) "ابوجہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کاشانۂ اقدس کا محاصرہ رکھا لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق کے دولت کدہ پر گئے۔ اور حضرت اسماء رض سے ان کے والد کو دریافت کیا، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ تو ابوجہل نے غضب ناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے"[3]

دو نکتے!

۱۔ اللہ اللہ اکل کے کفار کو بھی یہ یقین تھا کہ حضور ص اگر اپنے

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۱۵ [2] ایضاً [3] خلفائے راشدین ص ۲۱

۲۲۔ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹

کاشانہ اقدس میں نہیں تو دولت کدہ صدیق رضہ میں ہوں گے حرم رسالت میں نہیں تو حریم صداقت میں ہوں گے اور مکہ سے باہر ہجرت کر گئے ہیں تو دونوں ایک ساتھ! مگر آہ! آج ... بعض "مسلمان" ان کو ایک ساتھ نہیں سمجھتے ؎

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے ۔۔۔ جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

۲۔ اللہ اکبر! صدیق اکبر! تیری صداقت اور جذبۂ عشق رسالت کے کیا کہنے! کہ تیرے "جرم" عشق کی سزا تیری معصوم لخت جگر بھگت رہی ہے۔ اور آٹھ دس سال کی معصومہ حضرت اسماء رضہ ابوجہل ایسے کوہ پیکر سنگ دل کافر سے حالت غیظ و غضب میں منہ پر طمانچے کھا رہی ہے۔ رضی اللہ عنہا۔

رحمۃ للعالمین (جلد اول ص ۱۰۸) میں ہے کہ:۔

"ابوجہل نے ایسا طمانچہ کھینچ کر مارا کہ اسماء رضہ کے کان کی بالی نیچے گر گئی" [۱] اب دیکھئے قدرت اس ظالم سے کتنا شدید اور لطیف انتقام لیتی ہے۔ کہ جس طرح یہ شقی القلب کمزور و ناتواں نحیف و ضعیف غلاموں، عورتوں اور بچوں کو تختہ مشق مظالم و شدائد بناتا تھا۔ اسی طرح دو ضعیف اور کمزور لڑکوں کے ہاتھوں واصل بہ جہنم ہوا۔

---

[۱] طبری ص ۲۷۴۲۔

"انصار میں سے معوذ اور معاذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آئے گا، یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتاً مجھ کو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے، ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا، کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟

بولا کہ "میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا، یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا" میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں، میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا۔ یہ دونوں جوان عفرا کے بیٹے تھے، معوذ و معاذ۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آ کر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری، جس سے بازو کٹ گیا۔ لیکن تسمہ باقی لگا رہا معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے۔ لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا۔ اور اب وہ آزاد تھے" [1]

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۳۰۱۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ یہ انصار کے دو کم عمر بچے تھے، اور ان میں سے ہر ایک نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا، کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں[1]" تاریخ خمیس میں ہے کہ "معاذ نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا۔ اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا۔ لیکن جب اس کے لٹکتے رہنے سے دقت ہوئی تو اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا وہ کھال بھی ٹوٹ گئی جس سے وہ اٹک رہا تھا اور اس کو پھینک دیا[2]"

اللہ اکبر! عشق رسول کی سحر کاریاں و کرشمہ سازیاں! چونکہ وہ لعین حضور کو گالیاں بکتا ہے لہذا ہم ہوں گے تو وہ نہ ہوگا، یا پھر وہ ہوگا تو ہم نہ ہوں گے ؎

دست از طلب نہ دارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بہ جاناں، یا جاں ز تن بر آید

کم سن بچے ہیں مگر بادۂ عشق کی سرمستیاں و سرشاریاں اور

---

[1] [2] حکایات صحابہ ص ۲۷۷ - ۲۷۸

ولولہ خیزیاں وکیف انگیزیاں ملاحظہ ہوں کہ نتیجہ و مآل سے یکسر بے فکر و بے نیاز ہیں ؎

جو رہِ عشق میں قدم رکھیں!
وہ نشیب و فراز کیا جانیں (داغ)

باز کی طرح جھپٹتے ہیں اور صیدِ زبونِ ابوجہل خاک و خون میں تڑپتا نظر آتا ہے، اپنا بازو کٹ جاتا ہے اسے پس پشت ڈالے سارا دن لڑ رہے ہیں، اور جب وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مزاحم ہوتا ہے تو اپنے بازو کو پاؤں تلے رکھ کر اپنے وجود سے الگ کر کے پرے پھینک دیتے ہیں۔ اور پھر کھل کر راہِ خدا میں لڑتے ہیں،

اللہ اکبر! کتنا لرزہ براندام کر دیتا ہے یہ تصوّر! مگر ؎

مذاقِ کوہ کنی ہو کہ دشت پیمائی
جنہیں تمہاری طلب ہو وہ کیا نہیں کرتے

کیا چشمِ فلک نے یہ ہوش ربا و لرزہ انگیز منظر کبھی دیکھا ہوگا؟ کم دیکھا ہوگا! اور ایسے عاشق صادق مادرِ گیتی نے جنے ہوں گے؟ شاذ و نادر جنے ہوں گے! ؎

مقبول جو ہیں شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں
آئینے کی مانند ہیں کم، دل تو بہت ہیں
وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں ملتی ہے لذت
یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

بہرحال کفر کا یہ ردئیں بت اور فولادی ستون ناتواں و ضعیف

بچوں کے ہاتھوں زمیں بوس و پیوندِ خاک ہوا۔

طرفہ تماشہ پھر طرفہ تماشہ یہ کہ کل یہ رئیس کفر جس بے کس و بے نوا مسلمان کو تھپیڑ مارتا ہے۔ آج اسی کے ہاتھوں قتل ہوتا ہے، کل اس کا ظالم ہاتھ جس مظلوم کی گردن کے قریب وقفِ بیداد ہوتا ہے آج اس کا پاؤں ہوتا ہے اور اس کی گردن!

"آں حضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپیڑ مارا تھا۔ انہوں نے اس کے انتقام میں ان کی گردن پر پاؤں رکھا ابوجہل نے کہا او بکریاں چرانے والے! دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے عبداللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا" (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۳۰۴)

اللہ اکبر! کل جو شر الخلائق حضور خیر الخلائق ﷺ کی گردن مبارک پر نجاست کا بار رکھوا دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود موجود ہوتے ہیں اور دم نہیں مار سکتے[1]

---

[1] نبی صلعم خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی صحن کعبہ میں جا بیٹھے، ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اوجھری پڑی ہوئی ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

آج اس کی گردن وہی عبداللہ بن مسعودؓ پاؤں تلے روندتے ہیں مسلتے ہیں، اور وہ دم بخود ہوتا ہے۔ وہ گردن کاٹ کر سر لاکر حضورؐ کے قدموں میں رکھ دیتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم!
بدلہ و انتقام کے جزئی تقاضے تک پورے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے حضورؐ اور حضورؐ کریم کے صحابہ کرامؓ سے فتح و نصرت کے جو وعدے فرمائے تھے وہ ایفا ہو جاتے ہیں،

انجامِ ستم ا۔ ۵
شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
صرفِ تعمیرِ سحر خاکسترِ پروانہ کر

مشرکین مکہ نے صرف مکہ میں ناکردہ گناہ مسلمانوں کو ہدفِ ناوکِ بیداد نہیں بنایا، بلکہ ان پر مزید ظلم ڈھانے اور انہیں مٹانے کے لئے مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اس ظلم و ستم اور

(بقیہ صفحہ ۳۹۳) کوئی جائے اٹھالائے اور اس (نبی صلعم) کے اوپر دھر دے، شقی عقبہ اٹھا نجاست بھری اوجھڑی لایا۔ جب نبی صلعم سجدہ میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی۔ کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے، ابن مسعودؓ صحابی موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا تو حوصلہ نہ پڑا۔ مگر معصوم سیدہ فاطمہ زہراؓ آگئیں۔ انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا۔ (رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۶۵ — ۶۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر و صحیح مسلم)

جور و تعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شبِ تارِ عالم کی سحر ہو گئی اور دنیا نورِ اسلام سے جگمگا اٹھی۔

حق و باطل کے اس اولین معرکہ میں باطل کی کمر ٹوٹ گئی، کفر کی جان نکل گئی، تمام عمائدِ کفر و صنادیدِ قریش مر کھپ گئے بچے کھچے یا تو فتح مکہ سے پہلے پہلے مختلف محاذوں پر جہنم رسید ہوئے یا یوم الفتح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آگرے غرض مکہ مکرمہ سے ہجرت کے صرف سات سال بعد ——— اور قوموں کی زندگی اور زمانہ کی پیرانہ سالی کے پیش نظر سات سال کی قلیل ترین مدت کو طرفۃ العین یا چشم زدن ہی سے تعبیر کیا جائے گا ——— ۸ھ ہجری میں مکہ معظمہ پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا، کفر کی بساط اُلٹ گئی پورے جزیرۃ العرب سے اس کی قوت اور شوکت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ ہر طرف اسلام کا پھریرا لہرانے لگا، اور اللہ تعالیٰ کا دستور و معمول اور اس کا قانون اور وعدہ پورا ہو گیا۔

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔

خلاصہ:۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے:———

۱۔ دعوتِ حق سے نفرت و عناد کی بنا پر حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بُعد و بیزاری کفر کی علامت اور ان کو ملک سے نکال دینا کفار کی فطرت و خاصیت ہے۔

۲- ان دشمنانِ حق کی ہلاکت و بربادی اور اعدائے رسل کی بیخ کنی و استیصال اور وہ بھی رسولوں کی موجودگی میں اللہ کی سنت وعادت! ایسی اٹل اور محکم سنت وعادت! کہ جس میں نہ ماضی میں کبھی تبدل و تحول رونما ہوا اور نہ عہد رسالت مآب ؐ میں تغیر و تفاوت واقع ہو سکتا ہے۔

۳- اعدائے دین کی خانماں بربادی و فنا پذیری کے بعد داعیان الی الحق اور اہل حق کی بقا و سلامتی اور تمکین و تسکین فی الارض بھی قانونِ قدرت اور آئین فطرت ہے۔

ادھر ا- یارانِ رسول خصوصًا اصحاب رضؓ کبار خلفائے ثلاثہ رضؓ نہ صرف یہ کہ اخراج رسول کے درپے نہ ہوئے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور حضور کی معیت و مصاحبت میں ارض مقدس سے نکالے گئے محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و وابستگی اور پروانہ دار شیفتگی و وارفتگی کے "جرم" کی پاداش میں! ؎

جرمے نکردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

(ب) یہ حضرات مدینۃ الرسول میں رسول کے ساتھ آباد ہوئے، آباد رہے، اور حضورؐ کے بعد بھی تا دم زیست نہ صرف دیار حبیب ؐ میں آباد رہے بلکہ وفات کے بعد بھی دیار رسول ؐ میں آسودہ بخواب استراحت ہیں۔

(ج) حضرات شیخین، حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ تو بعد انتقال بھی حضورؐ کے قریب و قرین جلیس و مکین اور ہم آغوش و ہم نشین ہیں اور تا ابد کنار دوست میں وصل یار و وصالِ حبیب کے مزے لے رہے ہیں۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے :- ؎

تو ہم آں مے بگیر از ساغرِ دوست ۔۔۔ کہ باشی تا ابد اندر برِ دوست

۲- حضرات صحابہ کرامؓ خصوصاً اصحاب ثلاثہؓ نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود ہلاک و برباد نہ ہوئے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبدِ خضرا میں تشریف لے جانے کے بعد چوبیس سال تک مسندِ رسولؐ پر متمکن و جاگزیں اور مزیّنِ منبر و محراب رہے۔ امارتِ مسلمین، امامت مومنین اور خلافتِ سید المرسلین کے منصب جلیلہ و عہدۂ عالیہ پر فائز رہے۔

۳- یہ حضرات نہ صرف سرزمین حجاز میں شاد و آباد رہے بلکہ عرب و عجم پر چھا گئے ساری دنیا میں ان کا طوطی بولتا تھا، قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج ان کے پائے استحقار کی ایک ٹھوکر سے خاک میں مل گئے، روم و فارس کی قدیم ترین اور محکم ترین حکومتوں کا شیرازہ ان کے دم قدم سے درہم برہم ہو گیا۔

ایک سوال آیاتِ قرآنی وارشادات ربانی کی روشنی اور ان کے ساتھ ان تاریخی حقائق و مسلمہ اٹکل واقعات کی موجودگی میں ہمارا ایک سیدھا سادہ سا سوال ہے کہ اگر خدا نخواستہ (خاک بدہن گستاخ) اصحاب رسول دین و ایمان کے دشمن و عدو، رسول خدا کے بداندیش و بدخواہ اور دعوتِ حق کے مخالف و معاند تھے تو پھر:۔

۱۔ یہ سنت اللہ کے مطابق ہدفِ استہلاک استیصال کیوں نہ بنے ــــ؟

عذاب الٰہی میں مبتلا و گرفتار ہو کر کیوں نہ مر مٹے؟

۲۔ اگر ان کے حق میں سنت اللہ کا تخلف و تبدل اور تغیر و تحول واقع ہو گیا تو پھر (العیاذ باللہ) کلام اللہ کی صحت و صداقت ــــ؟

جبکہ رب العزت نے اپنے کلام کریم میں تکرار و اصرار تاکید و تحدی اور زور و شدت کے ساتھ اپنی اس سنت کو غیر مبدّل و غیر محوّل فرمایا ہے۔ اصحابؓ رسول ؐ کی ذات اقدس کو کفر و نفاق یا ظلم و غضب سے متہم و مطعون کرنے سے دراصل مواعید ربانی کا خلف، سنت اللہ کا تبدل و تحول لازم آتا ہے۔ اور قرآن کریم کی تغلیط ہوتی ہے چونکہ ــــ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سچا ہے، اس کا کلام سچا

ہے۔ اس کے وعدے سچے ہیں :۔
لہٰذا ـــــ حضرات صحابہ کرام رض بالیقین سچے ہیں ان کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ کسی انسان کو ان کی صداقت میں ذرہ بھر تردد وتامل نہیں ہو سکتا، لبشرطیکہ وہ قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔

بحمد اللہ قرآن کی پانچویں شہادت سے اصحابِؓ رسول ؐ کی صداقت ایمانی و خلافت حقانی ثابت ہو گئی۔

والحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶

کتاب اللہ کی چھٹی شہادت

اہل باطل کی تعذیب و ہلاکت

تخریب و تعمیر ہر تعمیر سے پہلے تخریب کی ضرورت ہے۔ جب تک تخریب نہ ہو، تعمیر کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو ہی نہیں سکتا ہے

زلزلے سے کوہ و در اُڑتے ہیں مانند سحاب   زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود
ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریب تمام   ہے اسی میں مشکلاتِ زندگانی کی کشود

اقبال رح

زمین میں گڑھے پڑیں گے تو بلند و بالا کاخ و ایوان بنیں گے جنگل سے درخت کٹیں گے تو خوشنما فرنیچر تیار ہوگا، کہسار کا جگر کٹ کر ندی نالوں کی راہ سے بہیگا تو میدانوں

میں کھیتیاں لہلہائیں گی۔ گل و گلزار کھلیں گے، پھولوں کے تختے اجڑیں گے۔ تب مالن کی جھولی بھرے گی۔ چمنستان ویران ہوں گے جب جاکر رنگین و حسین گلدستوں سے ہماری میزیں سجیں گی۔

ھ زمانہ گلشنِ عیشِ کرا بہ یغما داد—؟
کہ گل بہ دامنِ ما دستہ دستہ مے آید! عرفی

ہزاروں مکھیوں کا چھتہ برباد اور خانہ خراب ہوگا، تب جاکر موم بتی بنے گی، اور موم بتی جلے گی تب کہیں کوئی گھر روشن و آباد ہوگا۔ اور محبوب عشوہ طراز کی بزم نشاط و محفل ناز منعقد ہوگی، جب تک غریب کے خون کا آخری قطرہ نہیں نچڑ جائیگا امیر کے چہرے کی رنگت نکھرے گی نہ اس کے مکھڑے پر سُرخی بکھرے گی، ھ

گھر اجڑ دے سینکڑے مکھیاں دے بتی موم دی تاں اک جگدی اے
ڈھلے خون غریباں دے نچڑ جاندے تہندی ہوٹاں دی سُرخی لگدی ا

بے شمار ستاروں کی چمک چھٹک ختم ہوگی، تب خورشید عالمتاب طلوع پذیر ہوگا، غنچہ چاک چاک و شکستہ رو ہوگا، تب گلِ خنداں برآمد ہوگا ھ

چمکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے! جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے
اجل ہے لاکھوں ستاروں کی ایک ولادتِ مہر فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینش گل　عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے ! (اقبال)

اسی قانون قدرت و آئین فطرت کے تحت کفر کی دنیا اجڑے گی، تو اہلِ اسلام کی محفل جمے گی، اہلِ کفر و باطل فنا و برباد ہوں گے، تب جاکر اہلِ حق متمکن و آباد ہوں گے، قانونِ فطرت کا مطالبہ اور رحمتِ ربانی کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا جب تک انسانیت کے فاسد اجزا اور عناصر کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر کلیتہً نیست و نابود نہ کر دیا جائے۔ ارشاد فرمایا:-

۱۔ وکم قصمنا من قریۃ کانت ظالمۃ وانشانا بعدھا قوما اخرین ○ فلما احسوا باسنا اذا ھم منھا یرکضون ○ لاترکضوا وارجعوا الی ما اترفتم فیہ ومسکنکم لعلکم تسئلون ○ قالوا یویلنا انا کنا ظلمین ○ فما زالت تلک دعوٰھم حتی جعلنٰھم حصیدا خامدین ○ (پارہ ۱۷۔ انبیاء)

ترجمہ:-

بہت سی بستیاں جو ظالم تھیں ہم نے پیس ڈالیں، اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی، پھر جب انہوں نے (اچانک) ہمارے عذاب کی آہٹ پائی، تب لگے وہاں سے بھاگنے! (اب) بھاگو مت! اور اپنے عشرت کدوں اور گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ شاید کوئی (از رہِ ہمدردی و غم خواری) تمہاری بات پوچھے! کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم ظالم تھے۔

وُہ برابر یہی چلاتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح کر دیا۔
کفار و ظالمین کو عذاب الٰہی نے اس طرح پیس کر رکھ دیا کہ وہاں کا ساز و سامانِ عیش و نشاط رہا۔ نہ کوئی پرسانِ حال و غمگسار!
کفِ خاکستر اور خس و خاشاک کا ڈھیر بن گئے۔
مشاہدہ عذاب الٰہی کے بعد ہر چند آہ و فریاد اور چیخ و پکار کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ اعتراف و ندامت اور توبہ و انابت کا وقت گزر گیا تھا ؎

وقت پر قطرہ ہے بہتر ابرِ خوش ہنگام کا
جل گیا جب کھیت مینہ برسا تو پھر کس کام کا!

۲۔ سورۂ انبیاء میں جو اجمال تھا اب اس سے اگلی سورۃ میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ ارشاد فرمایا:—

وان یکذبوک فقد کذبت قبلھم قوم نوح و عاد و ثمود ۝ وقوم ابراھیم و قوم لوط و اصحب مدین ج وکذب موسیٰ فاملیت للکفرین ثم اخذتھم ج فکیف کان نکیر ۝ فکاین من قریۃ اھلکنھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علی عروشھا وبئر معطلۃ و قصر مشید ۝

(پارہ ۱۷ سورہ حج ع ۶)

اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ) ان سے پیشتر قوم نوح ؑ اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم ؑ اور قوم لوط ؑ اور اہل مدین بھی (اپنے اپنے رسولوں کی) تکذیب کر چکے ہیں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی جھٹلایا گیا سو (پہلے) میں نے (ان) کافروں کو (چندے) مہلت دی، پھر انہیں (عذاب میں) گرفتار کر لیا، پس (دیکھو تو!) میرا عذاب کیسا (شدید) تھا! غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا۔ اور وہ ظالم تھیں، اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (ان میں) کتنے کنوئیں ہیں جو نکمے پڑے ہیں اور کتنے قلعی چونے کے محل ہیں (جو سنسان و ویران پڑے ہیں)

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکذبین رسلؑ دردناک عذاب الٰہی کا شکار ہو کر فنا ہو گئے۔ ان کی آبادیاں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کے بلند و بالا، محکم و پختہ اور عالی شان محلات پیوند خاک ہو گئے۔ اور ان کے کنوئیں معطل و برباد۔ اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کریں گے تو ان کا بھی یہی حشر ہو گا۔ ارشاد فرمایا:۔

قال رب انصرنی بما کذبون ہ قال عما قلیل لیصبحن ندمین ہ فاخذتھم الصیحۃ بالحق فجعلنٰھم غثاء فبعدا للقوم الظلمین ہ ثم انشانا من بعدھم قرونا اخرین ہ

ماتسبق من امة اجلها ومايستاخرون ہ ثم ارسلنا رسلنا تترا ط کلما جآء امة رسولها کذبوہ فاتبعنا بعضهم بعضا وجعلنهم احادیث ج فبعدا لقوم لا یؤمنون ہ

(پارہ ۱۸ سورہ مومنون ع ۳)

پیغمبر نے دعا کی، اے میرے رب! ان مکذبین کے مقابلہ میں) میری مدد فرما کیوں کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے ارشاد ہوا یہ لوگ عنقریب پشیمان ہوں گے، چنانچہ حسب وعدۂ حق انہیں سخت آواز نے آپکڑا۔ پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک (کی طرح پامال اور ریزہ ریزہ) کر دیا سو ظالموں کے لئے لعنت ہے۔ پھر ان کے بعد ہم نے اور امتیں پیدا کیں۔ کوئی امت نہ اپنے وقت مقررہ سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ پھر ہم نے (ان میں) یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے اسے جھٹلایا، پھر ہم انہیں (شاہراہ ہلاکت پر) یکے بعد دیگرے چلاتے (چلے) گئے اور ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا۔ پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لئے لعنت ہے + ہر امت ایک سیکنڈ کی تقدیم وتاخیر کے بغیر اپنی میعاد معینہ پہ آتی رہی، اور ٹھیک وقت مقررہ پر اس بری طرح نیست ونابود ہوتی رہی کہ آج زبانوں پہ داستانوں کے سوا ان کا نام ونشان

تک نہیں ملتا۔ عذاب الٰہی کا سیلاب عظیم انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا، آج زمانے میں ان کے افسانے ہی افسانے ہیں اور بس!

۴۔ تعذیب و عقوبت میں تنوع

فرمایا فکذبوہ فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین ہ وعادًا وثمودا وقارون وفرعون وھامٰن قف ولقد جاءھم موسٰی بالبینٰت فاستکبروا فی الارض وما کانوا سابقین ۃ فکلا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبًا ج ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ج ومنھم من خسفنا بہ الارض ج ومنھم من اغرقنا ج وما کان اللہ لیظلمھم ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون ہ (پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت ع ۴)

اہل مدین نے (حضرت) شعیبؑ (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو زلزلے نے انہیں پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا۔ ان (تینوں) کے پاس موسٰی (علیہ السلام) کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر انہوں نے ملک میں سرکشی کی پر بھاگ (کر ہمارے عذاب سے بچ) نہ سکے پس ہم نے ہر ایک کو اپنے اپنے گناہ پر پکڑ لیا سو ان میں سے:۔

کسی پر تو ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا!

کسی کو ہولناک آواز (کڑک گرج) نے آدبوچا!
کسی کو ہم نے (زندہ) زمین میں دھنسا دیا!
کسی کو (دریا میں) غرق کردیا!

اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان (میں سے کسی) پر ظلم کرتا۔ وہ تو اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے۔

ان ظالموں کے کرتوتوں کے تنوع کے پیش نظر عذاب الٰہی ... اور عقوبت خداوندی کی نوعیت تو بدلتی رہی لیکن ہدف ہلاکت و بربادی سب کو بنایا گیا، معاف کسی کو نہیں کیا گیا، اسے اللہ تعالےٰ کا ظلم نہیں کہا جا سکتا اس کی ذات ہر عیب سے منزہ و مبرا ہے، یہ ان کے اپنے اعمال بد کی شامت ہے ؎

مت کرو شکوہ مشیت کا خدا ظالم نہیں
بلکہ ظالم ہیں تمہاری اپنی بد اعمالیاں!

۵۔ جب قارون ایسے سرمایہ دار ہامان ایسے وزیر اور فرعون ایسے جابر و قاہر اور مغرور و متکبر بادشاہ عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکے تو یہ فرعون بے سامان کب بچ سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب کذبت قبلھم قوم نوح وعاد وفرعون ذوالاوتاد وثمود وقوم لوط و

اصحب لئیکۃ ط اولئک الاحزاب ۰ ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب ۰ (پارہ ۲۳ سورہ ص ع ۱)

منجملہ ان سب (مکذبین رسل) گروہوں کے ایک لشکر یہ بھی ہے جو یہاں تباہ ہوا ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور فرعون جس (کی سلطنت) کے کھونٹے گڑے گئے تھے اور ثمود اور قوم لوط اور اہل مکہ نے بھی (اپنے اپنے رسولوں کی) تکذیب کی تھی، یہ (کفار) کی بڑی بڑی جماعتیں! ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا۔ پس میرا عذاب ان پر واقع ہو گیا۔

جب یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں اور فرعون جیسا زور و قوت، لاؤ لشکر، ہیبت و شوکت اور مدید و شدید سلطنت و حکومت والا بھی کفر و انکار کر کے خدا کے قہر و عذاب سے نہ بچ سکا تو اس بھیڑ کی کیا اوقات ہے یہ بہر حال اہل حق سے شکست و ہزیمت کھا کر ہلاک و پامال اور تباہ و برباد ہو گی۔

پارہ ۱۰ سورۂ توبہ رکوع ۹ الم یاتھم نبا الذین من قبلھم سے یظلمون تک پارہ ۱۹ سورۂ فرقان رکوع ۴ وقوم نوح سے تبرنا تتبیرا تک اور پارہ ۲۶ سورہ ق رکوع اول کذبت قبلھم سے فحق وعید تک نہ صرف یہی مضمون ہے بلکہ الفاظ بھی ان ہی الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔

ا۔ عذاب الٰہی کی شدت و المناکی!

پھر جس بد قسمت قوم پر بھی اللہ کا غضب آیا۔ وہ اتنا شدید و دردناک تھا کہ الحفیظ والامان!

ا۔ قوم عاد ہلاکت عاد کے تذکرہ میں فرمایا کہ "ہم نے ان کی جڑ تک کاٹ ڈالی" وقطعنا دابر الذین کذبوا بایاتنا (پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۹) عذاب اس قدر شدید تھا کہ انہیں بیخ و بُن سے اکھاڑ کر بے نام و نشان کر دیا۔ سورۂ قمر میں انہی سے متعلق فرمایا کہ:۔

ایک منحوس دن ہم نے ان پر تیز و تند آندھی بھیجی جو لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پچھاڑ کر پھینکتی تھی گویا وہ جڑ سے اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ تنزع الناس کانھم اعجاز نخل منقعر (پارہ ۲۷)

یہ آندھی اس قدر تیز و تند اور خیر و برکت سے خالی تھی کہ جس چیز پر بھی اس کا گزر ہوا۔ اس کو ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔

ماتذر من شیئ اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم (پارہ ۲۷ سورہ ذاریات ع ۲)

۲۔ ثمود اب ذرا ثمود کا حشر ملاحظہ ہو، فرمایا واخذ

الـذين ظلموا الصيحة فاصبحوا فی دیارهم جاثمین کان لم یغنوا فیها (پاره ۱۲ سوره ہود)
اور ان ظالموں کو ہولناک آواز نے پکڑلیا، تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے ——— یعنی بالکل بے نام ونشان ہو گئے۔
سورۂ قمر میں ان کے تذکرہ میں فرمایا:۔
انا ارسلنا علیہم صیحة واحدة فکانوا کهشیم المحتظر (سورۂ قمر)
ہم نے ان پر ایک ہی ہولناک آواز (گرج، کڑک) بھیجی، پس وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ کا چورا۔
کسان لوگ کھیتی کے گرد خاردار لکڑیوں کی باڑ دیتے ہیں، فصل اُٹھ جانے کے بعد وہ باڑ بے کار ہو کر ضائع پامال اور برباد ہو جاتی ہے۔ اور اس کا چورا چندے پڑا رہتا ہے۔
اللہ اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔ عذاب الٰہی سے ثمود کے تنومند افراد ایسے نیست ونابود ہوئے جیسے وہ کانٹوں کی باڑ کا چورا!

۳- اہلِ مدین | مکذبین حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ان کو عذاب سے ایسا نیست ونابود کر دیا کہ گویا وہ کہیں بسے ہی نہیں تھے، الذین

کذبوا شعیبًا کان لم یغنوا فیہا (پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۱۱)

۴ قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کرکے شام آگئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سدوم اور اس کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ اب ذرہ ان لوگوں کا حال سنئیے!

اس بداطوار وسیہ کار قوم پر عذاب الٰہی کی شدت اور سختی حد انتہا کو پہونچ گئی دوسری جس قوم پر بھی اللہ کا عذاب آیا۔ ایک نوعیت کا آیا۔ مگر اس ناہنجار و بدکردار قوم پر تین قسم کا شدید عذاب آیا۔

سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدکرداروں کو لواطت سے باز رکھنے کی انتہائی سعی فرمائی۔ اور اس شنیع و شرمناک حرکت اور خلاف فطرت روش سے ان کا رُخ موڑ کر انہیں جادۂ فطرت پر گامزن کرنے کی پوری کوشش کی، اور انہیں لڑکوں سے منہ کالا کرنے کی بجائے عورتوں سے نکاح کرنے اور اپنی بیویوں کی طرف التفات و توجہ کی ترغیب دی، مگر وہ کج فطرت اور بدبخت، بدمست اور اندھے ہورہے تھے، حضرت لوط علیہ السلام کی بات کب سننے تھے، اُلٹا لگے کہنے! اے لوط! اگر تم اس قسم کی باتوں سے باز نہ آئے

توضرور (ان بستیوں سے) نکال دئے جاؤ گے۔
قالوالئن لم تنتہ یالوط لتکونن من المخرجین ۝ (پارہ ۱۹ سورہ شعرا ع ۹)
یہ سلسلۂ اصلاح و تبلیغ یک قلم بند کردو۔ اور امربالمعروف ودعوت الی الحق سے یک سر باز آجاؤ۔ ورنہ ہم تمہیں اپنی ان بستیوں سے جلا وطن کر دیں گے۔
جب ان بدبختوں کا پیمانۂ ظلم و جفا لبریز ہو گیا۔ قساوت قلبی کی حد ہو گئی، اور انہوں نے اپنی اصلاح کی بجائے پیغمبر خدا کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی تو تاریخ انسانی کا بینظیر عذاب ان پر نازل ہو گیا۔

تاریخ انسانی کا شدید ترین عذاب

پہلے اللہ تعالےٰ نے ہولناک آواز کا عذاب نازل فرمایا۔ اس سے اکثر مر مٹ گئے۔ مگر اللہ تعالےٰ کا غضب ٹھنڈا نہ ہوا۔ پھر ان بستیوں کو الٹ پلٹ کر زیر و زبر اور تہ و بالا کر ڈالا۔ ان ملعونوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ زمین کی جس سطح پر یہ بے حیائی ہوتی تھی وہ سطح ہی باقی نہ رہی مگر پھر بھی ان کے کرتوتوں کے سبب اللہ تعالےٰ کا غصہ فرو نہ ہوا اور ان پہ تیسرا عذاب نازل کیا۔ سنگ باری فرمائی، پتھر کنکر برسائے فرمایا:۔

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون ٥ فاخذتهم الصیحۃ مشرقین ٥ فجعلنا عالیہا سافلہا وامطرنا علیہم حجارۃ من سجیل ٥ ان فی ذلک لآیت للمتوسمین ٥

(پارہ ۱۴ سورہ حجر ع ۵)

(اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی جان (پاک) کی قسم! وہ اپنی بدمستی میں مدہوش ہو رہے تھے۔ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ہولناک آواز نے آپکڑا۔ پھر ہم نے ان بستیوں کے اوپر (کی سطح) کو نیچے کر دیا۔ اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے بلاشک اس واقعہ میں اہل بصیرت و) فراست کے لئے (عبرت کے) بہت سے نشان ہیں۔

یوں تو کئی اعتبار سے یہ واقعہ درس عبرت ہے۔ لیکن سب سے بڑا سبق اس سے ملتا ہے کہ فعل بد کا نتیجہ ہمیشہ بد ہوتا ہے۔ عمل جتنا گندہ ہوگا۔ سزا بھی اتنی شدید ہوگی۔ چونکہ اس بدکار قوم سے پہلے لواطت کا وجود نہیں تھا جیسا کہ حضرت لوطؑ نے ان سے فرمایا:۔ اتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بھا من احد من العالمین ٥

(پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۱۰)

کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں سے کسی نے نہیں کیا، اس ملعون و ناپاک فعل کے موجد

اور اولیں مرتکب تم ہی ہو۔

چونکہ ان بدذاتوں نے اس بدکاری کی بنا ڈالی، ان خبیثوں سے پہلے اس خباثت کا ارتکاب کسی نے نہیں کیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا بھی ایسی سنگین دی جو ان سے پہلے کسی کو نہیں دی۔

چونکہ تاریخ عالم میں ان سے پہلے اس بدمعاشی و فحاشی کی نظیر اور اس روسیاہی و بدقماشی کی مثال نہیں ملتی اس لئے جو عذاب ان پر نازل ہوا تاریخ انسانی میں اس کی بھی مثال اور نظیر نہیں ملتی۔

جرم و عقوبت میں مماثلت و مشاکلت!

ایک سبق اس واقعہ سے یہ ملتا ہے کہ معصیت و عقوبت اور گناہ و سزا میں مماثلت ہوتی ہے۔

جن بدکاروں کی نظر حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کو دیکھ کر ـــــ جو دراصل ملائکۃ اللہ تھے لیکن بظاہر حسین و خوبرو لڑکوں کی شکل میں تھے ـــــ میلی ہو گئی۔ اور جنہوں نے لپک کر بہ ارادۂ بد ان پر ہاتھ ڈالنا چاہا ان کی نظر اچک لی گئی اور وہ اندھے ہو گئے۔

فرمایا:۔ ولقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینھم فذوقوا

عذابی ونذر ہ (پارہ ۲۷ سورہ قمر)
تو جو لوگ نشہ مستی و شہوت پرستی سے اندھے ہو رہے تھے، انہیں اندھا کر دیا گیا۔ اور جن کی آنکھیں بصیرت سے محروم تھیں انہیں بصارت سے بھی محروم کر دیا گیا، اور جن کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان کی آنکھیں کور و بے نور ہو کر رہ گئیں، العیاذ باللہ!

حضورؐ اکرم و اشرف خلائق ہیں!

اللہ تعالےٰ نے اس سلسلہ میں اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قسم کھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کا ارشاد ہے کہ "خدا تعالےٰ نے دنیا میں کوئی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اکرم و اشرف پیدا نہیں فرمائی۔ میں نے (قرآن میں) کہیں نہیں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کی جانِ عزیز کے سوا کسی اور جان کی قسم کھائی ہو" سبحان اللہ حضورؐ کی شان کے کیا کہنے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

۵۔ قوم سبا اہل سبا پر عذاب الٰہی کی شدت ملاحظہ ہو۔ فرمایا:۔ وظلموا انفسہم فجعلناھم احادیث ومزقناھم کل ممزق (پارہ ۲۲ سورہ سبا ع ۲)
اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا

اور انہیں تتر بتر کر دیا۔

۶۔ اصحاب فیل ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ گو وہ ہاتھیوں پر چڑھ کر کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے آئے تھے۔
مگر خدائے قدیر نے ان پر ننھے ننھے پرندوں کا لشکر بھیج دیا۔ جس نے ان پر ذرہ ذرہ سے کنکر پتھر پھینک کر انہیں کھائے ہوئے (پس ماندہ) بھوسے کی طرح (پامال اور چورا چورا کر دیا۔ وارسل علیھم طیرًا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول (سورۂ فیل)

حضورؐ کی پیدائش سے پیشتر ابرہہ نے جو یمن میں نجاشی شاہ حبش کا گورنر تھا۔ چالیس ہزار یا ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر کعبۃ اللہ پر حملہ کیا۔ لشکر میں ہاتھی بھی تھے۔

"فرنچ پروفیسر سیڈیو نے اپنی کتاب خلاصہ تاریخ العرب میں لشکر حبش کی تعداد چالیس ہزار تحریر کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ جنرل ابرہہ نے صنعا میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا جس کی عمارت نہایت عجیب تھی وہ چاہتا تھا کہ عرب کا سارا ملک اس گرجا کے سالانہ حج کو آیا کرے۔ جیسا کہ کعبہ کے حج کو جاتے ہیں جب اسے دیگر تدابیر میں کامیابی نہیں ہوئی تب کعبہ کے گرانے کو آیا تھا عبداللہ بن زبعری شاعر قدیم اپنے قصیدہ میں اس واقعہ کی بابت کہتا ہے۔

واسئل امیر الجیش عنا ما رائ ولسوف ینبی الجاھلین علیمھا
ستون الفا لم یؤبوا ارضھم بل لم یعش بعد الایاب سقیمھا

ترجمہ :۔ ذرا پوچھو کہ آرمی کے جنرل نے کیا کچھ دیکھا، جسے خبر ہے وہ بے خبروں کو بتا دے گا۔ کہ ساٹھ ہزار میں سے کوئی بھی اپنے ملک کو زندہ نہ گیا تھا، اور اگر کوئی مرتا پڑتا واپس گیا بھی تو وہ بھی نہ بچا تھا۔[1]

"اہل مکہ ان کے ڈر سے گھر بار کو چھوڑکر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہے تھے اور شہر میں ایک بھی حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے والا نہ رہ گیا تھا۔

ہاں ہمہ فوج خستہ و برباد ہوئی، سب کے لاشے مکہ سے چار کوس پرے سڑ رہے تھے۔

جب ابرہہ کا لشکر مکہ کی سرحد پر آ اترا۔ تو انہوں نے اہل مکہ کے مویشی جو جنگل میں چر رہے تھے۔ پکڑ لئے۔ ان میں عبدالمطلب کے بھی سو اونٹ تھے یہ خود حبشیوں کے لشکر میں گئے۔ ابرہہ کو ملے، اس نے تعظیم دی، برابر بٹھایا اور پوچھا کس طرح تشریف لائے؟

عبدالمطلب نے کہا ہمارے مویشی آپ کی فوج نے پکڑ لئے

---

[1] ۔ رحمتہ للعالمین جلد اول ص ۱۶۲ حاشیہ،

ہیں، براہ مہربانی ان کے چھوڑ دینے کا حکم دیجئے۔
ابرہہ۔ جب آپ آئے تھے تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت پیدا ہوئی تھی، لیکن آپ کی باتیں سن کر اب وہ وقعت قائم رہی نہ عزت!
عبد المطلب ۔ یہ کیوں؟
ابرہہ ۔ دیکھو میں اس لئے آیا ہوں۔ کہ تمہارے اس عبادت خانے کو گرادوں۔ جس کے سامنے میرے تعمیر کردہ کلیسا کی وقعت وعزت عرب کی نگاہ میں اب تک کچھ بھی نہیں ہوئی تم اپنے اس مقدس مکان کے بچاؤ کا ذرہ بھی ذکر نہیں کرتے، اور اپنے مویشیوں کو اس سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہو۔
عبد المطلب ۔ نہیں بات یہ ہے کہ میں مویشیوں کا مالک ہوں اور مجھے ان کی فکر ہے، اور اس گھر کا مالک ایک اور ہے اسے اپنے گھر کا خود ہی خیال ہوگا مجھے اس کے فکر کی ضرورت نہیں [1]، بہرحال جس ملعون ومغرور قوم پر بھی اللہ کا عذاب آیا وہ انتہائی شدید والیم تھا۔ رب العزت ہم سب کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے (آمین)

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد اول ص ۱۶۳ - ۱۶۴ کچھ ترک وتغیر کے ساتھ (بخاری)

۲۔ استیصال و استہلاک میں عموم و اجماع!

پھر یہ تعذیب و ہلاکت اس درجہ عمومی و اجماعی ہے کہ کسی معذب قوم کا کوئی فرد بھی اس سے نہیں بچ سکا۔ یہ قاعدہ اس حد تک کلیہ ہے کہ اس میں کوئی بھی استثنار نہیں۔

۱۔ قوم نوح کے متعلق فرمایا:۔ انھم کانوا قوم سوءٍ فاغرقناھم اجمعین۔ (پارہ ۱۷ سورہ انبیار ع ۶)

۲۔ قوم عاد سے متعلق فرمایا: فھل تریٰ لھم من باقیہ (پارہ ۲۹ سورہ الحاقہ ع اول) سو کیا تجھے ان میں سے کوئی باقی نظر آتا ہے؟

۳۔ ثمود کا بھی یہی حشر ہوا۔ فرمایا:۔ وانہ اھلک عادن الاولیٰ وثمود فما ابقی (پارہ ۲۷ سورہ نجم ع ۳) اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی (کہ ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

۴۔ فرعونیوں کے متعلق ارشاد فرمایا: ـــــ فلما اسفونا انتقمنا منھم فاغرقناھم اجمعین (پارہ ۲۵ سورہ زخرف ع ۵)

خویش و اقارب انبیار کی تعذیب و ہلاکت

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

قدرت کا یہ قاعدہ اس قدر کلیہ اور سنت اللہ اس درجہ اجماعی

ہے کہ حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خویش و اقربا، اعزہ و احبا اور اکابر و اصاغر تک اس سے مستثنیٰ نہیں کیے گئے۔ انہیں بھی ہدفِ تعذیب و نشانہ عقوبت بننا پڑا۔

الیسر نوحؑ کی غرقابی! اے صحبتِ بد میں نوحؑ کا بیٹا، شانِ پیغمبری کی کھو بیٹھا! سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے لختِ جگر کا قصہ تو زبان زد ہر خاص و عام ہے وہ بدکردار، پیغمبر کی سفارش کے باوجود عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکا۔ اور قہرِ ربانی کے شکنجے میں بُری طرح کسا گیا۔

نزولِ عذاب کے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کفار کا ساتھ چھوڑنے اور اپنے ساتھ کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی۔ جو اس نے رد کر دی، اور کہا میں کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ اور طوفان سے بچ جاؤنگا۔

حضرت نوحؑ نے فرمایا آج عذابِ الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں۔

ابھی باپ بیٹے کی گفتگو منقطع نہیں ہوئی تھی۔ سلسلۂ کلام جاری تھا۔ کہ غیرتِ حق کو جوش آ گیا۔ بے نیاز خدا کو پیغمبر باپ اور کافر بیٹے کی باہمی گفت و شنید پسند نہ آئی۔ موج کو حکم دیا وہ درمیان میں حائل ہو گئی اور رشتۂ تکلم قطع

ہو گیا ارشاد فرمایا:۔ وحال بینھما الموج فکان من المغرقین[1] باپ کی کشتی اہل ایمان کو لے کر طوفان میں تیر گئی، اور نافرمان بیٹے کو طوفان کی بپھری ہوئی فلک پیما لہریں خس وخاشاک کی طرح بہالے گئیں۔

حضرت نوحؑ نے اپنے لختِ جگر کو اپنے سامنے غرق ہوتے دیکھا تو محبتِ پدری نے جوش مارا، بارگاہِ خداوندی میں عرض کی رب ان ابنی من اھلی[2] پروردگارا یہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے۔

قال ینوح انہ لیس من اھلک ج انہ عمل غیر صالح ق فلا تسئلن مالیس لک بہ علم ط انی اعظک ان تکون من الجاھلین[3]

فرمایا اے نوح! یہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے (کیونکہ) یہ بدکار ہے، سو مجھ سے اس چیز کی درخواست مت کرو۔ جس کی تم کو خبر نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ) نادانوں کی سی باتیں نہ کہنا!

حضرت نوح جلالِ ربانی کے سامنے لرزہ براندام ہو گئے۔
قال رب انی اعوذبک ان اسئلک مالیس لی بہ علم ط

---

[1] [2] [3] ۔ پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۴۔

والا تغفرلی وترحمنی اکن من الخسرین ۰ (پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۴)

عرض کیا اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ کہ (آئندہ) آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں جس کا مجھے علم نہ ہو اور اگر آپ (گزشتہ لغزش پر) میری مغفرت نہ فرمائیں گے، اور مجھ پر رحم نہ فرمائیں گے تو میں تو بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔

اللہ اللہ! رب العزت کا جلال وجبروت دیکھو جس کی بارگاہِ صمدیت میں اولوالعزم اور ممتاز رسولوں کے سر نیاز جھک جاتے ہیں۔ اور جس کے حضور برگزیدہ ترین بندوں کی زبانیں وقفِ توبہ و تعوذ اور صرف استغفار و استرحام ہو جاتی ہیں۔ جلّ جلالہٗ!

جس قدر عبدیت کامل ہو گی، اسی قدر بارگاہِ سبحانی میں عجز و نیاز کامل ہو گی، عبد کا کمال یہی ہے کہ معبود کی عبادت و غلامی میں حد انتہا اور نقطۂ کمال کو پہونچ جائے۔

شفاعت یہاں شفاعت کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ:۔

۱۔ خدا کے اذن و ارشاد کے بغیر کون ہے جو اس کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت کرے۔

۲۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں کہ قبول شفاعت پر مجبور ہو۔ وہ بے نیاز ذات اچاہے غیر نبی کی قبول فرمالے۔ چاہے اولوالعزم

نبی کی رد فرما دے۔

۳۔ خدا کی رضا و اجازت سے شفاعت مومن کی ہو سکتی ہے، کافر و ظالم کی نہیں،

نسب یہاں حسب و نسب کی بھی جڑ کٹ گئی۔ جب عبداللہ نبیؑ تک کی ابنیت سے کوئی فائدہ نہیں تو ما و شما سے قرب و رشتہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام نے نسل و نسب اور ذات پات کے بتوں کو نہایت بری طرح پاش پاش کر دیا ہے۔ دین فطرت میں شرافت و کرامت اور فلاح و نجات کا مدار صرف ایمان و یقین اور اعمال صالحہ پر ہے۔

ذرہ دیکھو تو مومن و مسلم مصلّی اور جولاہے تو نبیؑ کے ساتھ ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اور نبی کا بے ایمان و بدکار لختِ جگر خون آشام موجوں کے تھپیڑے کھا کھا کر نذرِ طوفان و تلاطم ہو رہا ہے۔

فی نفسہٖ یہ نظارہ جتنا الم ناک و حسرت آگیں ہے۔ اس سے کہیں زیادہ پرستارانِ نسل و نسب کے لئے عبرت انگیز اور سبق آموز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین فطرت کی حدود کے اندر نسلی غرور و تفاخر اور نسبی استکبار کے لئے قطعاً کوئی جگہ نہیں! ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بہرحال حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا عذاب الٰہی سے نہ بچ سکا، اور غرق ہو گیا۔

۲۔ امراۃ لوطؑ کی ہلاکت

اب حضرت لوط علیہ السّلام کی کافرہ بیوی کا حال ملاحظہ ہو۔

اس کے متعلق حکم ہوا:۔

انہ مصیبہا ما اصابہم (پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۷)

بلاشبہ اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی۔

حضرت لوطؑ علیہ السّلام کے ذکر میں فرمایا:

فانجیناہ واھلہ الا امرءۃ کانت من الغابرین (پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۱۰)

ہم نے لوط (علیہ السّلام) کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا۔ سوائے ان کی بیوی کے! کہ وہ وہاں رہ کر معذب ہو) جانے والوں میں رہ (کر ہلاک ہو) گئی۔

۳۔ ابنِ عم حضرت موسیٰؑ کا خسف فی الارض

اب ذرا حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے چچا کے بیٹے قارون کا حشر ملاحظہ ہو:۔ ارشاد فرمایا:۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغیٰ علیھم و اٰتیناہ من

الکنوزما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ...
فخسفنا بہ و بدارہ الارض ۔ (پارہ ۲۰ سورہ قصص ع ۸)
قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا پھر ان کے مقابلہ میں شرارت کرنے لگا۔ اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دئے تھے، کہ ان کی کنجیاں طاقت ور جماعت کو تھکا دیتی تھیں۔ ... پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔

قارون تھا تو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی، لیکن فرعون نے اسے بنی اسرائیل کے خلاف اپنا آلۂ کار بنا لیا تھا۔ اس نے اس دوران میں اس قدر سرمایہ فراہم کیا کہ خزانہ کے صندوقوں کی کنجیاں تک طاقتور اور زور آور مردوں کی ایک جماعت بھی بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ جب خزانوں کی کنجیوں کی گراں باری کا یہ حال ہے تو مال و دولت کا اندازہ آپ خود کرلیں ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

فرعون کی ہلاکت و غرقابی کے بعد یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت و رسالت، عزت و وجاہت اور قیادت و سیادت پر حسد کرنے لگا اور آتش غیظ میں جلنے لگا۔ بادۂ دولت سے نمور و سرشار اور نشۂ زر سے مدہوش و بدحواس نہ ہونا جوہر مردانگی ہے۔

باده با خوردن و با ہوش نشستن سہل است
گر بہ دولت برسی مست نہ گردی مردی!

اور دورِ عیش و تنعم میں منعم حقیقی کی یاد سے غفلت شعاری شیوۂ آدمیت نہیں ہے

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

قارون جوہر مردانگی اور روح آدمیت سے یک سر محروم و بے بہرہ تھا، وہ دھن دولت پر اکڑنے اترانے لگا۔ اپنے محسن خدا کو بھلا کر کسبِ دولت اور طلب زر کے علم و ہنر پر فخر و ناز کرنے لگا۔ اور نشۂ دولت میں بدمست ہو کر ملک میں فساد برپا کرنے لگ گیا۔ قوم نے اسے اس اکڑ فوں اور شرارت و فساد انگیزی سے روکا بھی مگر وہ نہ رکا، اس والوں نے اسے احسان و انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ مگر وہ انانیت کے نشہ میں چور چور تھا۔ آخر جب اس کا مرض متعدی ہونے لگا، اور دوسرے لوگ اس کے کر و فر اور تزک و احتشام سے مرعوب و متاثر ہونے، اس کے مال و زر پر رشک کرنے اور حبّ دولت، حرص مال اور زر پرستی کے مرض میں مبتلا ہونے لگے، ادھر اس کے ظلم و فساد کا جام لبریز ہو گیا۔ تو خدائے قدیر نے اسے پکڑ کر اپنے عذاب کے شکنجے میں جکڑ لیا۔

ایک دن جب وہ زرق برق لباس پہن کر اس سج دھج اس زیب و زینت اس شان و شوکت اس استکبار و تبختر اور اس ناز و انداز سے قوم کے سامنے آیا کہ اس چمک دمک سے ظاہر بینوں اور دنیا پرستوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں تو اللہ تعالےٰ نے اسے اس کے مایۂ ناز سرمایہ سمیت جیتا جاگتا زمین میں دھنسا دیا۔ العیاذ باللہ! ؎

ہے فضول نمائشِ جاہ و حشم ہے عبث یہ ذخیرۂ سیم و طلا!
جو ترے نہ ہوئے تو وہ کچھ نہ ہوئے جنہیں تو نہ ملا انہیں کچھ نہ ملا

۴۔ ابولہب کی ذلیل ترین ہلاکت

اب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب اور چچی ام جمیل کا حال بھی سُن لیجئے:۔

—— عبد العزیٰ بن عبد المطلب المعروف بہ ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا، یہ بعتبار رشتے میں حضور سے قریب ترین تھا اتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن و مخالف بلکہ بدرجۂ اتم معاند تھا۔

اس شقی ازلی نے روزِ اول سے حضور کی مخالفت اور دعوت حق کی مزاحمت میں پوری قوت صرف کردی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں تشریف لے جا کر پیغام حق سناتے یہ بھی وہاں پہونچ جاتا۔ اور حضور کے حق میں بدگوئی

کر کے لوگوں کو ایمان لانے سے منع کرتا۔ اور بعض دفعہ تو نوبت سب وشتم سے بڑھ کر سنگ باری تک پہونچ جاتی، اور یہ بدبخت رحمۃ للعالمین کے وجود اقدس واطہر پر پتھروں کا مینہ برسا دیتا۔

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ کے سوق المجاز میں کھڑا تھا۔ اتنے میں ایک شخص وہاں آیا۔ جو پکار پکار کر کہتا تھا:——

یاایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا —— لوگو! لاالٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤگے۔ ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ جو کنکریاں اسے مارتا تھا۔ اور کہتا تھا:۔

یاایھا الناس لاتصدقوہ فانہ کذاب۔ لوگو! اسے سچا نہ سمجھو یہ تو جھوٹا شخص ہے۔ میں نے دریافت کیا یہ کون کون ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بنی ہاشم میں سے ایک ہے جو اپنے آپ کو رسول اللہ سمجھتا ہے، اور یہ دوسرا اس کا چچا عبدالعزیٰ ہے [1]

ابولہب کی بیوی بھی حضور کی عداوت وایذا رسانی میں اس سے کچھ کم نہ تھی۔ یہ کم بخت باوجود مالدار ہونے کے محض اپنی

---

[1] رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۲۲۷ بحوالہ زاد المعاد ص ۹۳ م۔

عفریتی ذہنیت سے مجبور ہو کر بغض و کینہ کے کمینہ جذبات کی تسکین کے لئے خود جنگل سے خاردار لکڑیاں چن کر لاتی اور ان کے کانٹے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں بچھاتی تھی۔ ان ہر دو معاندین و مکذبین رسول کا قدرت کے منتقم ہاتھوں سے جو انجام ہوا وہ ملاحظہ ہو۔

ارشاد فرمایا:۔ تبت یدا ابی لھب وتب ہ ما اغنی عنہ ماله وماکسب ہ سیصلی نارا ذات لھب ہ وامراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد ہ (سورۂ لہب پارہ ۳۰)

ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے، اور وہ ہلاک ہو گیا، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، عنقریب وہ شعلہ زن آگ میں داخل ہو گا اور اس کی بیوی بھی! جو لکڑیاں اٹھا کر لاتی ہے۔ اس کی گردن میں مونج کی رسی ہے۔

بخاری شریف مسلم شریف وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر سب کو پکارا جب آپ کی دعوت پر سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، اس پر ابو لہب نے کہا:۔
تبالك سائر الیوم الھذا جمعتنا یعنی تو برباد ہو جائے

کیا تونے ہمیں اسی بات کے لئے جمع کیا۔
اس پر غیرتِ حق جوش میں آئی اور یہ سورت نازل ہوئی۔
یہ سورۃ ابتدائی دور کی ہے، اور مکہ میں نازل ہوئی مگر اس میں رب العزت نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ ہجرت کے بعد سنہ ۲ ہجری میں حرف بحرف پوری ہو کر رہی، یہ دشمن خدا عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر بری طرح ہلاک ہوا۔ اور اس کا مال متاع اسے عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔
یہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھا۔ جب مکہ میں اسے اپنی روح فرسا شکست کی خبر ملی تو غیظ و غضب کی آگ میں جل بھن گیا، غزوۂ بدر کے صرف سات روز بعد اس کے ناپاک جسم پر طاعون کا متعدی قسم کا دانہ نمودار ہوا۔ مرض پھیلنے کے خوف سے گھر والوں نے ایک طرف سب سے الگ ڈال دیا۔ کس مپرسی کی حالت میں وہیں ہلاک ہو گیا۔ تین روز تک لاش پڑی سڑتی رہی، کوئی قریب نہ آیا۔ جب متعفن ہو گئی تو حبشی مزدوروں سے اٹھوائی انہوں نے اسے ایک گڑھے میں لکڑی سے دھکیل دیا، اوپر پتھر پھینک دئے۔ جو لعین کل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشق سنگ باری کر رہا تھا آج اس کے نجس و خبیث لاشے پر پتھر پڑ رہے ہیں۔ کل اس شعلہ رو کا ایک

ہانہ حضور پر پتھر برساتا تھا، آج اس کی گلی سڑی نعش پر کئی کالے کلوٹے حبشیوں کے ہاتھ پتھر برساتے ہیں۔

رہی اس کی بیوی! وہ بھی عداوتِ رسول کی پاداش میں واصل بہ جہنم ہوگی جہاں اس کی گردن میں آگ کے طوق و سلاسل ہوں گے، اور یہاں دنیا میں بھی اس بد بخت کی ہلاکت اسی رسی سے ہوئی۔ لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں پڑی۔ دم گھٹ گیا مر گئی!

غرض عذاب و عقابِ الٰہی سے اعدائے رسل اور معاندین و مزاحمین دعوتِ حق کا کوئی فرد بھی باقی نہیں بچا۔ خواہ وہ نبی کا اصل تھا یا فرع چچا تھا یا بیٹا، اور خواہ بیوی تھی یا چچی!

تکرار و اعادہ! قرآن کریم میں جس تکرار و اعادہ کے ساتھ یہ مضمون تعذیب آیا ہے شاید ہی کوئی اور مضمون آیا ہو۔ یہ چند حوالے تو بطور نمونہ مشتے از خروارے ہیں اور اہل فکر و دانش و ارباب عقل و بصیرت کے اعتبار و اطمینان کے لئے کافی ہیں ؎

دریائے خوں بہانے سے اے چشم فائدہ!
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

سوا ہزار سے زائد آیات قرآنی میں یہی مضمون آیا ہے،

قرآن کریم کا پانچواں حصہ ہر دور میں منکرین و مکذبین انبیاؑ
ورسلؑ پر نازل شدہ عذاب وعقاب کی تفصیلات سے
لبریز و معمور ہے کتاب اللہ کے ہر حصہ میں اسی سنت اللہ
اور قانونِ قدرت کے نفاذ و اجراء کے حالات مذکور و مسطور
ہیں کلام اللہ کا شاید ہی کوئی پارہ ایسا ہو جس میں رب العزت
کی صفت جبّاری و قہاری کا مظاہرہ نہ ہو، عموماً ہر پارہ میں
شان جلالی کی جلوہ گری ہے۔

یوں تو بیشتر سورتوں میں یہ مضمون بہ تکرار و اعادہ
موجود ہے، لیکن کئی سورتوں کا تو موضوع ہی یہی ہے، اور
یہ اکثر و بیشتر مقہور و مغضوب اقوام اور معتوب و معذب
امم کے قصص و حالات اور ان سے سبق و عبرت کی
مقدس و موثر تعلیمات پر مشتمل ہیں[1]۔

بعض سورتوں کے معتدبہ حصہ میں منکرین و
مکذبین کی تعذیب کے وجوہ و اسباب اور استہلاک
کی کیفیات و تشریحات کا بیان ہے[2]۔ توحید و رسالت

---

[1] مثلاً سورۂ ہود پارہ ۱۲۔ سورہ شعراء پارہ ۱۹۔ سورۂ مومن پارہ ۲۴۔ سورۂ قمر پارہ ۲۷
سورۂ نوح پارہ ۲۹۔ سورہ بروج پارہ ۳۰۔ سورۂ شمس پارہ ۳۰۔ سورہ فیل اور سورۂ لہب

[2] مثلاً سورہ اعراف پارہ ۸،۹ سورہ یونس پارہ ۱۱ سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶۔ سورہ قصص پارہ ۲۰

حشر و نشر ایمان و عقائد اور اخلاق و اعمال سے متعلق کسی عنوان پر بھی قرآن کریم نے براہِ راست اس قدر تفصیل و تطویل سے بحث نہیں کی۔ جس قدر اس عنوان پر کی ہے گو خود یہ بحث مذکورہ بالا اہم عنوانات ہی کے سلسلے میں ہے اور اس میں توحید و رسالت دین و ایمان اور حشر و نشر کے منکروں اور ظالم و بدکار لوگوں کا انجام بد دکھلا کر درس عبرت و تذکیر دیا گیا ہے۔

بہر حال قرآن کریم کی تقریباً تیرہ سو آیات[۱] میں اس سبق آموز و عبرت انگیز عنوان پر بصیرت افروز و اثر آفریں بحث کی گئی ہے۔

---

[۱] سورہ بقرہ رکوع ۶ آیت ۴۷ سے رکوع ۸ آیت ۶۶ تک (۲۰ آیات)
سورۂ انعام رکوع اول آیت ۵ سے آیت ۱۱ (۷ آیات)
سورۂ اعراف رکوع ۸ آیت ۵۹ سے رکوع ۲۱ آیت ۱۶۷ تک (۱۰۹ آیات)
سورہ یونس رکوع ۸ و ۹ آیت ۷۱ سے ۹۲ تک (۲۲ آیات)
سورہ ہود رکوع ۳ آیت ۲۵ سے رکوع ۹ آیت ۱۰۲ تک (۷۸ آیات)
سورہ ابراہیم پہلے ۳ رکوع آیت ۵ سے ۱۵ تک (۱۱ آیات) سورہ حجر رکوع ۴ آیت ۵۱ سے رکوع ۶ آیت ۸۴ تک (۳۴ آیات) سورہ طٰہٰ رکوع ۱ آیت ۹ سے رکوع ۵ آیت ۹۷ تک (۸۹ آیات) باقی اگلے صفحہ پر۔

انتباہ! سوال یہ ہے کہ آخران طویل قصص قرآنی کا مقصد کیا ہے؟
آخراس عنوان پر اس لمبی بحث سے منظور و مطلوب کیا ہے؟
ظاہر ہے کہ قرآن افسانوی ادب نہیں نہ یہ حکایتوں اور کہانیوں کا

(بقیہ صفحہ سابقہ) سورہ مومنین رکوع ۲/۲ آیت ۲۳ سے ۴۸ تک (۲۶ آیات) سورہ فرقان آیت ۳۵ سے ۴۰ تک (۶ آیات) سورہ شعراء کامل (۲۲۷ آیات) سورہ نحل رکوع اول آیت ۷ تا ۱۴ (۷) ورکوع ۹ آیت ۵۴ تا ۵۸ (۱۴) کل (۲۱ آیات) سورہ قصص پہلے چار رکوع ۴۲ آیات رکوع ۸ ۷ آیات کل (۴۹ آیات) سورہ عنکبوت رکوع ۳/۴ آیت ۲۸ سے ۴۰ تک (۱۳ آیات) سورہ یسین آیت ۱۳ سے ۳۲ تک (۲۰ آیات) سورہ مومن سالم (۸۵ آیات) سورہ زخرف رکوع ۵ (۱۱ آیات) سورہ دخان رکوع اول (۱۳ آیات) سورہ احقاف رکوع ۳/۴ آیت ۲۱ سے ۲۸ تک (۸ آیات) سورہ ذاریات رکوع ۲ آیت ۲۴ سے ۴۶ (۲۳ آیات) سورہ نجم آخری رکوع ۶ آیات، سورہ قمر سالم ۵۵ آیات سورہ الحاقہ پہلی (۱۲ آیات) سورہ نوح سالم (۱۸ آیات) سورہ نازعات پہلا رکوع (۱۲ آیت) سورہ بروج سالم (۱۲ آیت) سورہ فجر رکوع اول (۹ آیات) سورہ شمس کامل (۱۵ آیات) سورہ فیل کامل (۵ آیات) سورہ لہب کامل (۵ آیات) میزان (۱۰۷۱ آیات) ان سورتوں کے علاوہ متفرق مقامات پر کم و بیش (۲۰۰ آیات) میزان کل ۱۲۷۱ آیات۔

مجموعہ ہے ۔ کتاب اللہ کا موضوع داستان سرائی اور قصہ خوانی بالکل نہیں، کتاب اللہ تو سراپا درسِ حیات اور سراسر صحیفۂ ہدایت ہے اس کا موضوع ہے خلق اللہ کی ہدایت و رہنمائی! اس کے قصوں میں بھی عالم انسانیت کے لیے حصہ ہے اس کے قصص و امثال سرمایۂ بصیرت مصدر پند و موعظت اور مخزن تذکیر و عبرت ہیں۔

اس عنوان پر جتنے قصے بار بار قرآن میں آئے ہیں اور جو طویل بحث کتاب اللہ میں کی گئی ہے۔ اس سے مقصد عہدِ رسالت مآب کے کفار و مشرکین کی تذکیر و ہدایت ہے۔ گزشتہ معذب اقوام و اقران کی دردناک ہلاکت و بربادی بیان کر کے کفار عرب کو انتباہ کیا گیا ہے کہ دیکھ لو ان معاندین حق و مخالفین حق کا یہ حشر ہوا۔ ان کے حالات سے سبق و عبرت اور پند و نصیحت حاصل کرو اور ٹھیک ہو جاؤ۔ اور اگر تم کفر و شرارت اور عناد و عداوت سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔

بعض مقامات پر یہ انتباہ اشارتاً اور اکثر مقامات پر صراحتہً فرمایا، مثلاً سورۂ قمر میں مشرکین کے اعراض و انکار اور کفر و تکذیب کا ذکر فرما کر بصراحت فرمایا:——

ولقد جاءهم من الانباء ما فيه مزدجر——

اور ان کے پاس (گزشتہ معذب قوموں کی) خبریں آچکی ہیں، جن میں تنبیہ (وعبرت) ہے۔

پھر مشہور معذب قوموں پر نازل شدہ دردناک عذاب وعبرت آموز ہلاکت کی کیفیت بیان فرماکر تقریباً ہر قوم کے تذکرہ کے اختتام پر فرماتے ہیں:۔ فهل من مدكر۔ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

پہلے دو رکوع میں ایک ایک معذب قوم کے تذکرہ کے بعد پانچ بار یہ ارشاد فرمایا اور چھٹی بار تیسرے رکوع میں فرمایا ولقد اهلكنا اشياعكم فهل من مدكر۔ اور بلاشبہ ہم تم جیسے لوگوں کو ہلاک کرچکے ہیں پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟ اس طرح پوری سورت میں ایک دو بار نہیں پورے چھ بار دعوت عبرت و نصیحت دی ہے پھر اس پر بس نہیں فرمایا بلکہ سب معذب قوموں کے تذکرۂ تعذیب وہلاکت کے بعد نہایت وضاحت سے فرمایا أكفاركم خير من اولئكم ام لكم براءة فى الزبر ام يقولون نحن جميع منتصر سيهزم الجمع ويولون الدبر

کیا تمہارے کفار ان سب سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں لکھی ہے (؟) یا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری

زبردست) جمعیت ہے ، بدلہ لینے والی! (مگر یاد رکھو ان کی) یہ جماعت بھی عنقریب شکست کھائے گی ، اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ۔

خلاصہ:۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ مکذبین رسل اور مخالفین دعوتِ حق شدید عذاب خداوندی سے ہلاک و مستاصل ہوئے ۔ اور نہایت بری طرح ہلاک و مستاصل ہوئے !

۲ ۔ یہ عذاب خداوندی اس درجہ ہمہ گیر و ہمہ رس ہوتا تھا کہ مغضوب و معذب قوم کا کوئی فرد خواہ وہ نبیؑ کا عزیز و قریب کیوں نہ ہو ــــ اس کی گرفت سے نہ بچ سکا۔ سب ہلاک و برباد ہو گئے۔

۳ ۔ یہ قانون قدرت صرف امم ماضیہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس امت پر بھی اس کا نفاذ و اجراء ہوگا ۔ مخاطبین قرآن میں سے جس نے بھی خدا اور رسولؐ کی سچی اطاعت نہ کی ، اس کا یہی حال ہوگا ۔

۴ ۔ چنانچہ اس امت کے کفار و مشرکین کا یہی حشر ہوا ، وہ قانونِ قدرت اور سنت اللہ کے موافق بدر وغیرہ غزوات میں اصحابؓ رسولؐ کے ہاتھوں بہزار ذلت و رسوائی لقمہ اجل ہوئے ۔ اور اگر کوئی دشمن رسول جنگ

میں شریک نہ ہوا تو جہاں بھی وہ تھا وہیں قدرت کے منتقم پنجہ نے اس کو بری طرح دبوچ لیا۔ بہرحال سب معاندین حق ہلاک و برباد ہو گئے ان کا کوئی فرد بھی نہ بچ سکا خواہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا بھی تھا۔

اِدھر۔ ان کے سوا آنے خلاف اصحابؓ رسولؐ نہ صرف خود بفضلہ تعالےٰ عذاب الٰہی سے محفوظ اور ہلاکت آسمانی سے مصون رہے بلکہ الٹا ان کے ہاتھوں اہل باطل موردِ عذاب و ہلاکت بنے۔ خلفائے ثلاثہؓ کے عہد میں کفر کی دنیا اجڑی اور دنیا اسلامیوں سے آباد ہوئی۔

ایک سوال۔ ان سینکڑوں قرآنی آیات اور تاریخی حقائق وواقعات کے پیشِ نظر ان اصحاب کو جنہیں قدرت نے عقل و فہم اور دانش و بینش کی فراواں دولت بخشی ہے۔ صحابہؓ رسولؐ کی صداقت و امانت اور امامت و خلافت میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

ہاں! وہ صاحبان جنہیں ضد اور تعصب سے بہرۂ وافر ملا ہے ان سے ہمارا ایک سوال ہے کہ:۔

جب پہلے کسی ظالم و مکذب قوم کا کوئی ایک کافر و معاند فرد بھی قہر الٰہی سے نہیں بچا تو اس امت کے (معاذاللہ) ہم و غاصب اور دشمن خدا و رسول افراد عقوبت خداوندی

سے کیسے بچ گئے ؟ جب آج تک سیدنا نوحؑ کا بیٹا، سیدنا حضرت موسٰیؑ کا برادر عمزاد حتیٰ کہ خود حضورؐ کا چچا پاداش کفر میں ہدفِ تعذیب و ہلاکت بن گئے تو آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور داماد معاذ اللہ نشانہ استہلاک و عقوبت کیوں نہ بنے ؟ اگر یہ بھی مخلص مومن اور سچے صحابی اور دست و بازوئے نبوت نہ تھے !۔

جب سیدنا حضرت لوط علیہ السلام کی اہلیہ سزائے کفر سے نہ بچ سکی اور بے ایمانوں کے ساتھ عذاب الٰہی سے ہلاک ہوگئی تو معاذ اللہ اہل بیتؓ رسولؐ کب اس دنیا میں مواخذۂ خداوندی اور گرفت ربانی سے بچ سکتی تھیں اگر ان کے قلوب نورِ ایمان و اخلاص سے منور نہ ہوتے !

آخر یہ کیا تماشہ ہے کہ دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے مکذبین و مخالفین تو ذلت کی موت مریں اور حضورؐ کے (العیاذ باللہ) مخالف و معاند اور منافق عزت کی زندگی بسر کریں اور مسند امارت و خلافت پر متمکن ہوں، قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت ان کی مقدس جوتیوں میں ہوں۔ اور وہ عرب و عجم کے کفار و مفسدین اور منافقین و مرتدین کی اکڑی ہوئی گردن مروڑ کر رکھ دیں،

آخر اللہ کی سنت اور اصول و آئین فطرت میں یہ تفاوت و دورنگی

کیوں ؟ -
ہمیں بتلایا جائے کہ اگر یہ حضرات خدا اور رسولؐ کے سچے اطاعت شعار نہیں تھے اور (العیاذ باللہ) دعوتِ حق سے عناد و عداوت رکھتے تھے تو پھر تیرہ۱۳ سو آیاتِ قرآنی کے مطابق ہدفِ تعذیب و ہلاکت کیوں نہ بنے! مواعیدِ ربانی اور قرآنی پیشگوئیاں ان کے حق میں (معاذ اللہ) سچی ثابت کیوں نہ ہوئیں ؟ ہمارا ایمان ہے خدا سچا ہے، خدا کے وعدے سچے ہیں۔ خدا کا قرآن سچا ہے لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچے ہیں ان کی صداقت میں کسی فردِ بشر کو ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ وہ خدا اور کلامِ خدا پر ایمان رکھتا ہو۔
بحمد اللہ قرآن کریم کی چھٹی شہادت سے صداقت صحابہؓ اور خلافت راشدہ ثابت ہو گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷

کتابُ اللہ کی ساتویں شہادت

اہلِ حق کا تمکن واستخلاف

قصر و ایواں ہوں مبارک تم کو اے محنت کشو
عیش کے بندے بہت ہونے کو ہیں بے خانماں

حالی مرحوم

سنت اللہ ـــــــ اہل باطل کی تعذیب و ہلاکت اور فاسد و ناقص اجزار و عناصر کی پامالی و بربادی ـــــــ کا مقصد و منشار اہل حق کی بقا و سلامتی اور ارض اللہ پر اہل اللہ کی تمکین و آبادی ہے، فطرت خود حسین ہے۔ حسن و جمال کو پسند کرتی ہے، حسن افروز ہے، حسن آرار ہے۔ اس کی ہر صناعی میں رعنائی و زیبائی کی فراوانیاں اور اس کی ہر تخلیق میں تحسین و تجمل کی کارفرمائیاں ہیں۔

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن ، آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن
حُسن کوہستاں کی ہیبتناک خاموشی میں ہے ، مہر کی ضو گستری شب کی سیہ پوشی میں ہے
چشمۂ کہسار میں، دریا کی آزادی میں حسن ، شہر میں صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حسن (اقبالؒ)

فلسفۂ تخریب و تعمیر

حسن و جمال تعمیر و آراستگی میں ہے تخریب و شکستگی اور فساد و برہم زدگی میں نہیں ! لہٰذا حسن نواز و جمال آفریں فطرت کو تخریب و فساد منظور نہیں ، تعمیر و تحسین مطلوب ہے لیکن اگر اس تحسین و تعمیر میں کوئی مزاحم و حائل اور مائل بہ تخریب و آمادہ بہ فساد ہو تو پھر قدرت اسے معاف نہیں کرے گی اور اسے راہ سے ہٹانے میں قطعاً تامل نہیں کرے گی اور قدرت کا یہ عمل خود اس کی تعمیر پسندی و حسن آرائی کی دلیل ہوگا نہ کہ تخریب و فساد کی !

جب تم جرّاح کو ناسُور پر نشتر چلاتے، زہریلے پھوڑے کو چیرتے پھاڑتے اور فاسد مواد کو خارج کرتے دیکھتے ہو تو کیا اس پر تخریب و فساد کا الزام عائد کرتے ہو؟ نہیں ! تو پھر فطرت کو بھی انسانیت کی اصلاح و تعمیر کے لئے کبھی کبھی فاسد اجزاء و عناصر پر عمل جراحی کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا فشار ظلم نہیں ہوتا۔ رحم ہوتا ہے اور اس سے مقصود و مطلوب تعمیر ہوتی ہے نہ کہ تخریب ! کوئی تعمیر ہو ہی نہیں سکتی جب تک پہلے کسی کی تخریب نہ ہو ایک کا بناؤ ممکن نہیں جب تک

دوسرے کا بگاڑ نہ ہو۔ اس فلسفۂ تخریب و تعمیر پہ حالی مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے :۔

ہے یہ قوموں کی ترقی اور تنزل سے عیاں — خود تنزل میں ہے سرچشمہ ترقی کا نہاں
ایک کا جو ہے تنزل دوسرے کا ہے عروج — اسکا بکتا ہے مکاں تب اسکی چلتی ہے دکاں
کوئی یاں بنتا نہیں جبتک نہ بگڑے دوسرا — گھاس کھد جاتی ہے جب پڑتی ہے تب کھیتی میں جاں
ہوتے ہوتے خشک جب دریا سے خاک اڑنے لگی — تب ہوئے نہروں سے جنگل غیرت باغ جناں
پہلے مرغ چمن کو تب ہوئے جاکر نصیب — کرچکا کیڑے مکوڑے جب ہزاروں نوش جاں

قدرت۔ اپنی سرزمین کو اپنے مومن وصالح افراد سے بھر دینا چاہتی ہے لیکن فاسد و بے ایمان اشخاص ان کی آبادی وسکونت میں مزاحم ہوتے ہیں تب قدرت پہلے ان کا پتہ کاٹ دیتی ہے پھر اہل حق وہدایت کی تسکین و تعمیر کرتی ہے۔

غرض اہل باطل کی تعذیب و ہلاکت کا مقصد و منشاء اور ثمرہ و نتیجہ اہل حق کا تمکن و استخلاف ہوتا ہے۔

باطل کے مقابلہ میں اہل حق کی فتح و نصرت، حزب الشیطان پر حزب اللہ کا غلبہ و تسلط عذاب عمومی کے وقت انبیاء ورسلؑ اور اصحاب رسل کی نجات وحفاظت اور مومنین صالحین کا استخلاف و تمکن سب اسی مقصد و منشا کے سلسلۂ تکمیل کی کڑیاں ہیں۔

....

۱۔ اہلِ حق کی فتح و نصرت

۱۔ غلبہ حزب اللہ کا حق ہے ارشاد فرمایا فان حزب اللہ هم الغالبون ۝ (پارہ ۶ سورۂ مائدہ ع ۸) بلاشبہ اللہ ہی کی جماعت غالب رہنے والی ہے۔

۲۔ مومنین کی نصرت و حمایت فرمایا ولقد ارسلنا من قبلك رسلا الی قومهم فجاءوهم بالبینٰت فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقا علینا نصر المومنین ۝ (پارہ ۲۱ سورہ روم ع ۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر پہنچے۔ (مگر کفار نے انکار کیا) پس ہم نے ان مجرمین سے انتقام لیا اور مومنین کی (مدد و نصرت) ہم پر لازم تھی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور عادت یہی ہے کہ مجرمین و مکذبین سے دنیا ہی میں انتقام لیتے ہیں یعنی انہیں عذاب سماوی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتے اور مومنین کاملین کو اپنی مدد و معاونت اور نصرت و حمایت سے سرافراز کر کے اعدائے دین پر غالب و منصور کرتے ہیں۔

۳۔ اہل ایمان کی مدد و نصرت

فرمایا:۔ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشہاد ۰ (پارہ ۲۴ سورہ مومن ع ۶)

بے شک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں۔ دنیوی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جب کہ گواہ کھڑے ہوں گے۔

دنیا و آخرت میں نصرتِ ربی اور مدد الٰہی اہل ایمان کا ساتھ دیتی ہے اور جس کا حامی و ناصر اور مددگار و معاون خود رب العزت ہو اس کی فتح و سرفرازی اور اس کے دشمن کی ہزیمت و روسیاہی میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟

۴۔ اہل حق منصور و مظفر رہیں گے

فرمایا:۔ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۰ انھم لھم المنصورون ۰ وان جندنا لھم الغالبون ۰ (پارہ ۲۳ سورہ والصافات آخری رکوع)

اور ہمارے (خاص) بندوں کے حق میں جو رسول ہیں ہمارا حکم پہلے سے ہو چکا ہے کہ بے شک انہی کو مدد دی جاتی ہے۔ اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہنا ہے۔ اعدائے دین کے مقابلہ میں بالآخر حضرات انبیاء علیہم السلام منصور و مظفر رہتے ہیں اور منکرین کے مقابلہ میں مخلصین ہی کو غلبہ

تسلط نصیب ہوتا ہے۔ یہ قدرت کا اٹل فیصلہ ہے اور فطرت کا محکم ترین قاعدہ!

۵۔ حزب اللہ کیلئے غلبہ و فلاح مقدر ہے

فرمایا:- کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز ٥ ـــــــ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ٥ (پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ آخری رکوع)

اللہ تعالےٰ لکھ چکے ہیں کہ بہر حال میں غالب رہوں گا اور میرے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا زبردست ہے۔ ۔۔ خوب سن لو کہ بیشک اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے!

ان آیات ربانی سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے اور اس میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ :۔

حق و باطل کی کش مکش اور کفر و اسلام کی معرکہ آرائی و جنگ آزمائی میں :۔ رب العزت کی مدد و نصرت اہل حق ہی کے ساتھ ہوتی ہے فتح و ظفر ان کے قدم چومتی ہے۔ مآل کار وہی غالب و فتحیاب ہوتے اور نجات و فلاح پاتے ہیں۔

استدلال :۔ ان حقائق و معارف قرآنی کے پیش نظر ماشاء اللہ

خلفائے راشدین اور اصحاب رسولؐ رضی اللہ عنہم کی حقانیت وصداقت آفتاب عالمتاب کی طرح ثابت ہوگئی۔ جبکہ دوست و دشمن اور کافر و مسلم سب کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ رب العزت نے ان قدوسیوں کو ہر میدان میں منصور ومظفر فرمایا۔ کفر و باطل کے مقابلہ میں انہیں غلبہ عطا فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی یہ اہل کفر و باطل پر غالب و مسلط رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو یہ اعدائے دین پر قہر و غضب کی بجلی بن کر گرے، روم و فارس کی قدیم ترین فولادی حکومتوں کو زیر و زبر کر ڈالا، عرب و عجم میں بساط کفر الٹ دی، دنیائے کفر کو متاصل خراب و برباد کر ڈالا اور ع

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

دین کا عَلَم لہرا دیا۔ شرق و غرب میں اسلام کو غالب کر دیا، کفر کو پاؤں تلے مسل ڈالا اور حق کا بول بالا کر دیا اور باطل کا منہ کالا! رضی اللہ عنہم و رضو عنہ!

اگر العیاذ باللہ اصحابؓ رسول اور خلفائے راشدینؓ، دین کے دشمن و بدخواہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف و معاند ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے ارشادات کے خلاف انہیں دنیا میں فتح و نصرت، عزت و عظمت اور

دشمنوں پر غلبہ و تسلط سے کیوں سرافراز فرماتے۔؟ وہ ہر میدان میں فاتح و غالب کیوں رہتے۔؟

درحقیقت یہ حضرات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سچے جانشین و خلیفہ، مخلص و وفادار صحابی اور مسلم کامل و مومن صادق تھے، جبھی تو کفر و باطل کے مقابلے میں ہر جگہ کامیاب و سرافراز رہے۔ اور ہر میدان میں نصرت ربانی و مدد الٰہی نے ان کا استقبال کیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ!

۲۔ انبیاؑ و رسلؑ اور اصحابؓ رسل کی نجات و حفاظت

اہل باطل کے مقابلہ میں اہل حق کی نصرت وحمایت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عذابِ الٰہی و عتابِ خداوندی کے وقت اہل حق کو نجات دی جاتی ہے۔ اور وہ ہلاکت و بربادی سے بچا لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ اقوام کی تعذیب و عقوبت کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔

ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذالک حقا علینا ننج المؤمنین ۰ (پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۴)

پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو بچا لیتے ہیں، ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں، یہ ہمارے ذمہ ہے۔ اہل ایمان کی نجات کو رب العزت نے اپنا ذمہ قرار دے کر

اس اٹل اصول اور غیر مبدّل سنت اللہ کو اور زیادہ موثق و مؤکد فرما دیا ہے ۔ اور اس میں اشارہ فرما دیا ہے ۔ کہ اس امت کے کفار و مشرکین جب عذابِ الٰہی سے ہلاک و برباد ہوں گے، تو مومنین و مخلصین محفوظ رہیں گے ۔ یہ اجمال تھا اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۲۔ سیدنا حضرت نوحؑ اور اصحابِ نوحؑ کی نجات !

ارشاد فرمایا:۔ فکذبوہ فانجینٰہ والذین معہ فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا باٰیتنا انھم کانوا قوما عمین ؁

(پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۸)

ان لوگوں نے (حضرت) نوحؑ کو جھٹلایا۔ پس ہم نے (حضرت) نوح اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے سب کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی، انہیں غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔

تو طوفانِ نوحؑ کے وقت مکذبین و مخالفینِ رسالت کو غرق کر دیا اور سیدنا حضرت نوح علیہ السلام اور اصحاب نوحؑ کو غرقابی کے عذاب سے نجات عطا فرمائی !

۳۔ سیدنا حضرت ہودؑ اور اصحابِ ہودؑ کی نجات

ارشاد فرمایا:۔ وَلَمَّا جَاءَ

امرنا نجینا هودا والذین آمنوا معه برحمة منا
ونجینٰهم من عذاب غلیظ ٥ (پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۵)
اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا۔ ہم نے ہود (علیہ السلام)
اور ان کے اہلِ ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات
دی اور ان کو سخت عذاب سے بچا لیا۔
جہاں قوم عاد عذابِ الٰہی کا نشانہ بنی وہاں سیدنا حضرت
ہود علیہ السلام اور اصحابِ ہود کو رحمت و عنایتِ
خداوندی نے اپنے دامن تلے ڈھانپ لیا۔ اور وہ تعذیب
و ہلاکت سے نجات پا گئے۔

۴۔ سیدنا حضرت صالحؑ اور اصحابِ صالحؑ کی نجات!

فرمایا:۔ فلما جاء امرنا نجینا صلحا والذین امنوا معه
برحمة منا ومن خزی یومئذ ط ان ربك هو القوی
العزیز ٥ (پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۶)
پس جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا ہم نے صالح (علیہ السلام)
اور جو اہلِ ایمان ان کے ساتھ تھے سب کو اپنی رحمت سے
(عذاب) اور اس دن کی (ذلت و) رسوائی سے بچا لیا۔
بے شک آپ کا رب ہی بڑی قوت والا غالب ہے۔
قوم ثمود کے کفار و ظالمین تو ذلت و رسوائی کے ساتھ

عذاب الٰہی سے ہلاک ہو گئے، اور سیدنا حضرت صالح علیہ السلام اور اصحابِ صالح کو نجات ملی۔

۵۔ سیدنا حضرت شعیبؑ اور اصحابِ شعیبؓ کی نجات!

فرمایا:۔ ولما جاء امرنا نجینا شعیبا والذین امنوا معه برحمة منا واخذت الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیارھم جاثمین ہ (پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۸)

کافر و ظالم اہلِ مدین تو عذاب الٰہی کے شکنجے میں کسے گئے اور اپنے گھروں میں منہ کے بل اوندھے گر کر مر گئے، لیکن سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام اور اصحاب شعیب کو رحمت الٰہی نے عذاب ہلاکت سے بچا لیا۔

۶۔ سیدنا حضرت لوطؑ اور اصحابِ لوطؑ کی نجات!

ارشاد فرمایا:۔ اذ نجیناہ واھله اجمعین الا عجوزا فی الغابرین ہ (پارہ ۲۳ سورہ والصافات ع ۴)

قوم لوط عذاب شدید سے بے نام و نشان کر دی گئی۔ مگر سیدنا لوط علیہ السلام اور ان کے جمیع متعلقین کو رب العزت نے عذاب استیہلاک سے نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے وہ اپنے کفر کی پاداش میں باوجود حضرت لوط علیہ السلام کی

زوجہ ہونے کے معذب و معتوب لوگوں کے ساتھ ہدف تعذیب و عقوبت بنی!

یہ حقیقت واضح اور منکشف ہوگئی کہ جس طرح عذاب الٰہی ہمہ رس ہوتا ہے، اور عقوبت خداوندی کی گرفت سے کفار کا کوئی فرد بچ نہیں جاتا خواہ وہ پیغمبر کی بیوی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح رحمت ربانی کی وسعت بھی ہمہ گیر ہوتی ہے اور جمیع اہل ایمان و اصحاب نبی عذاب الٰہی سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کا کوئی فرد ضائع نہیں ہوتا۔

۷۔ سیدنا حضرت موسیٰ اور اصحاب موسیٰ کی نجات!

اسی طرح فرعونیوں کی غرقابی و ہلاکت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اصحاب موسیٰ کے فرد فرد کو نجات عطا فرمائی:-

فرمایا: —— وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین ۵

ثم اغرقنا الآخرین ۵ (پارہ ۱۹ سورہ شعراء ع ۴)

دستور ربانی کا اطلاق سوال یہ ہے کہ کیا اس قانون قدرت اور سنت اللہ کا اطلاق اس امت پر بھی ہوتا ہے، یا یہ امت اس سے مستثنیٰ ہے؟ ع

بہار میرے لئے اور میں تہی دامن!

یہ امت اس دستور و معمول سے مستثنیٰ کیسے ہو سکتی ہے، اس نوعیت کے جمیع ارشادات قرآنی و بشارات ربانی اسی امت ہی کے لئے تو ہیں، جہاں اس قسم کی متعدد و مکرر آیات فرقانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین و مخالفین کے لئے انتباہ و درس عبرت ہے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی رسول کے لئے نجات و بقا کی بشارت عظمیٰ ہے! چنانچہ سورۂ محمدؐ میں بصراحت تمام فرمایا:۔

یا یھا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم ۔ والذین کفروا فتعسا لھم و اضل اعمالھم ۔ ذالک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم ۔ افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ۔ دمر اللہ علیھم و للکفرین امثالھا ۔ (پارہ ۲۶ رکوع اول)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور (بمقابلۂ کفار) تمہارے قدم جمادے گا۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے۔ اور اللہ نے ان کے اعمال کو کالعدم کر دیا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے نازل کردہ (کلام و احکام) کو ناپسند کیا۔

پس اللہ تعالےٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کردیا۔
کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھیں جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا انجام کیسا (برا) ہوا اللہ تعالےٰ نے ان پر (ہلاکت و) تباہی ڈالی اور (یاد رکھو) ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کی تباہی ہونے کو ہے!
چنانچہ ا۔ کفار و مشرکین منزل من اللہ تعلیم دین سے عناد و خلاف کی بنا پر دارین میں خائب و خاسر ہوئے۔ دنیا میں اللہ تعالےٰ نے اصحابِؓ رسولؐ کے ہاتھوں مختلف غزوات میں انہیں بری طرح اکھاڑ پچھاڑ مارا۔ مجاہدین اسلام نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ اور آخرت میں بھی فقدان اعمال صالحہ کے باعث واصل بہ جہنم ہوں گے۔
۲۔ ادھر یارانِ رسول کی رب العزّت نے مدد و نصرت فرمائی اپنی رحمت و مہربانی سے ان کے قدم زمین میں جما دئے اپنے فضل و کرم سے ان کی جڑیں ملک میں مضبوط و مستحکم کر دیں۔

ان ارشاداتِ ربانی و واقعات زمانی کی روشنی میں اہل فکر و بصیرت کے لئے اصحابِؓ رسول کی صداقت و خلافت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

سوال یہ ہے۔ کہ اگر معاذ اللہ صحابہ کرام رض حضور محمد مصطفےٰ اور ما نُزِّل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ومعاند تھے تو پھر مکذبین رسالت مآب کی طرح ان کو بھی بیخ وبن سے کیوں نہ اکھاڑ پھینکا گیا، اور یہ خود عذابِ ہلاکت کا نشانہ بننے کی بجائے الٹا کفار ومشرکین کے لئے موجبِ تعذیب وبربادی کیوں بنے؟ اور ان کی شمشیر براں سے معاندین حق واعدائے دیں ہلاک وتباہ کیوں ہوئے؟ جب سنت اللہ ہے کہ:-

۱- مکذبین رسول کا کوئی فرد بھی بربادی وہلاکت سے نہیں بچ جاتا سب کے سب تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں۔

۲- یارانِ نبیؐ اور اصحابِ پیغمبرؐ کا کوئی فرد ضائع نہیں ہوتا۔ سب کے سب ہلاکت وعذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور

۳- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی یہی سنت اللہ قائم وبرقرار اور یہی قانونِ قدرت کارفرما وجاری ہے۔

تو پھر اصحابِ رسولؐ کی صداقت اور خلافتِ راشدہ کی حقانیت میں کسی انسان کو ادنیٰ سا تردد وتامل بھی باقی نہیں رہتا۔

بشرطیکہ وہ نور بصارت کے ساتھ نور بصیرت سے بھی

محروم نہ ہو گیا ہو، جس طرح اصحاب نوح، اصحاب ہود، اصحاب صالح، اصحاب شعیب، اصحاب لوط اور اصحاب موسیٰ علیہم السلام کو تعذیب و ہلاکتِ عامہ سے محفوظ فرما کر بقا و قیام عطا فرمایا گیا۔ اسی طرح اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہلاکت و بربادی سے بچا کر استقرار و تمکن فی الارض کے شرف سے مشرف فرمایا گیا اور انہیں خلافت و اقتدار کا تاج بھی پہنایا گیا۔

رب العزت نے جس طرح حضرت نوح والذین معہ[1] حضرت ہود والذین معہ[2] حضرت صالح والذین معہ[3] حضرت شعیب والذین امنوا معہ[4] حضرت موسیٰ ومن معہ[5] کو اپنی رحمت سے نجات عطا فرما کر قائم و ثابت اور برقرار رکھا اسی طرح محمد رسول اللہ والذین معہ[6] کو بھی اپنے فضل و کرم سے کفر پر غالب فرما کر بقا و استحکام اور تمکن و استخلاف عطا فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم!

. . . .

---

[1] پارہ ۸ سورۂ اعراف ع ۸ [2] ایضاً ع ۹ [3] پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۶ [4] ایضاً ع ۸ [5] پارہ ۱۹ سورۂ شعراء ع [6] پارہ ۲۶ سورہ فتح آخری رکوع۔

۳۔ مومنین صالحین کا استخلاف و تمکن!

فطرت جب خشک و زرد پتوں کو جھاڑ کر حسن کو نکھارتی ہے، نئی کونپلوں، نئے شگوفوں کو نکال، تازہ غنچوں، کلیوں کو چٹکا، برگ و بار کو ابھار کر زیب گلزار بناتی ہے اور چمن کا ذرہ ذرہ لہکاتی اور باغ کا گوشہ گوشہ مہکاتی ہے تو اُسے فصل بہار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور باغ عالم میں جب قدرت ننگ انسانیت افراد و دشمن روحانیت اشخاص کو کاٹتی، چھانٹتی مضرد مفسد اجزاء و عناصر کو تباہ و برباد کرتی اور ان کی جگہ مفید و نافع اقوام و امم کو جاگزیں و متمکن کرتی ہے، اور انہیں ملک میں بقاء و استقرار سے سرفراز فرماتی ہے اسے وحی ربانی و اصطلاح آسمانی میں استخلاف و تمکن فی الارض کہا جاتا ہے۔ اسی قانون قدرت کے جلوؤں اور اسی سنت اللہ کے مظاہر کو کتاب اللہ میں استخلاف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلافت | خلافت مصدر ہے، اس کا مادہ ہے خلف خلف قدام آگے کی ضد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم [1]

---

[1] آیۃ الکرسی وغیرہا۔

جو کچھ خلقت کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں تو خلف کے معنے ہوئے پیچھے!

ارشاد ہوتا ہے فالیوم ننجیك ببدنك لتکون لمن خلفك آیۃ[1] اللہ تعالےٰ نے فرعون ملعون سے ڈوبتے وقت فرمایا جبکہ اس نے ایمان و اسلام کا اقرار کرکے نجات طلب کی، نجات مطلوبہ کا وقت تو نہیں رہا۔ اب نجات کہاں، ہاں!

"آج ہم تیری لاش کو (فنا ہونے سے) بچالیں گے۔ تاکہ تو ان لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں، موجب عبرت ہو"! ——— تو خلف کے معنی ہوئے، پیچھے آنے والا۔ پیچھے رہنے والا۔ قائم مقام!

بیٹے کو بھی خلف الصدق اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ باپ کے بعد اس کا جانشین و قائم مقام ہوتا ہے۔

رات اور دن کو خلفۃ اسی لئے کہا گیا ہے کیوں کہ یہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ باہم دگر قائم مقام ہیں قال اللہ تعالےٰ وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ[2] خلیفہ کے معنی بھی پیچھے آنے والا، قائم مقام اور جانشین!

---

[1] پارہ ۱۱ سورہ یونس رکوع ۹ [2] پارہ ۱۹ سورہ فرقان رکوع آخر۔

۱۔ قوم نوحؑ کی غرقابی و بربادی کے بعد قوم عاد کو زمین پر آباد کیا گیا، سیدنا حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد سے خطاب فرماتے ہیں:۔

واذکروا اذ جعلکو خلفاء من بعد قوم نوح۔

(پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۹)

(یاد کرو جب کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد (زمین میں) آباد کیا۔

۲۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کو فرمایا جو قوم عاد کی جانشین تھی واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عادٍ وبواکم فی الارض (ایضاً ع ۱۰)

(ارشاد فرمایا امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکو خلفآء الارض ط (پارہ ۲۰ سورہ نمل ع ۵)

(ذرا بتلاؤ تو سہی) بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا (قبو)ل کرتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے۔ اور (اس کی) (مص)یبت کو دور کر دیتا ہے، اور تم کو زمین میں (ساکن و (جا)نشین بناتا ہے؟

(تو)حید | خدائے سمیع و قدیر کے سوا اور کون ہے جو درماندہ و عاجز۔ بیچارہ و مضطر بے کس و (بے)بس اور پریشان و مضطرب انسان کی فریاد و پکار

سُنے اس کی درخواست و دعا قبول کرے اور اس کی بلا و سختی دور کرے، یہ کام صرف اللہ تعالیٰ رب العزت کا ہے۔ اس میں اس کا اور کوئی شریک و سہیم نہیں۔

جو لوگ کسی مشکل کے وقت اللہ کے سوا کسی اور کو مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ توحید کے صحیح تصور سے ناآشنائے محض ہیں توحید اسی چیز کا نام ہے کہ بندہ حالتِ اضطرار و اضطراب میں اپنے مولا کے در پر عجز و نیاز سے فریاد و دعا کرے، وہی حاجت روا ہے وہی مشکل کشا ہے، اور وہی دافع البلاء

مسلمان کی شان یہی ہے کہ انتہائی پریشانی و بے چارگی اور شدید ترین ابتلاء و مصیبت کے عالم میں بھی اللہ کا در چھوڑ کر کسی غیر کا رُخ نہ کرے ؎

رفت عرفی خوش کہ نگشودند گر در بر رخش

بر در نگشودہ ساکن شد، در دیگر نہ زد!

توخلفاء کے معنے ہوئے وہ لوگ جو کسی قوم کے بعد آباد ہوں رفتہ و گزشتہ امت کی جگہ لینے والی امت۔ ایک قوم کے پیچھے جانشین اور اس کے قائم مقام لوگ!

خلفاء جمع ہے خلیف کی اور خلیفہ کی جمع خلائف ہے۔ قرآن میں خلائف بھی کئی جگہ آیا ہے۔

۴۔ فرمایا:۔ فکذبوہ فنجینٰہ ومن معہ فی الفلک وجعلنٰہم خلٰئف واغرقنا الذین کذبوا بایٰتنا ج

(پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۸)

ان لوگوں نے (حضرت) نوح (علیہ السلام) کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے (حضرت) نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے سب کو بچا لیا، اور انہیں (مکذبین کی غرقابی و ہلاکت کے بعد زمین پر) آباد کیا۔ اور مکذبین آیات الٰہی کو غرق کر دیا۔

۵۔ سورہ انعام کی آخری آیت میں بھی ایسا ہی فرمایا:۔ فرمایا وھو الذی جعلکم خلٰئف الارض،

۶۔ اور سورۂ فاطر (پارہ ۲۲) میں فرمایا ھو الذی جعلکم خلٰئف فی الارض،

مقصد استخلاف

اب ذرا دیکھ لیجئے کہ اس استخلاف کا مقصد کیا ہے؟

ایک کافر قوم کا پتہ کاٹ کر اور اس کی جگہ نئی قوم کو آباد کر کے اللہ میاں یہ دیکھتے ہیں کہ اب یہ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔

۱۔ ارشاد فرمایا:۔ قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ٥

(پارہ ۹ سورہ اعراف ع ۱۵)

سیدنا حضرت موسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا:——
امید ہے تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا۔
اور ان کی جگہ زمین میں تمہیں آباد کرے گا، پھر تمہارا طرزِ عمل
دیکھے گا۔

تو مقصدِ استخلاف جہاں امتحان کے بعد ایک ظالم قوم
کو ہلاک و برباد کرنا ہے وہاں دوسری مستخلف قوم کا
امتحان لینا ہے۔

جیسا معاملہ یہ قوم کرے گی، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا
معاملہ کریں گے۔ اگر یہ خدا اور رسول کی اطاعت کرے گی تو
آباد و شاد رہے گی۔ اور اگر اعراض و انحراف اور کفر و انکار کرے
گی تو اس کا پتہ بھی کاٹ دیا جائے گا، اور پھر اس کی بجائے دوسرے
لوگوں کو آباد کیا جائے گا۔

۲۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد سے فرمایا اگر
تم اعراض و روگردانی کرو گے تو ویستخلف ربی قوماً غیرکم
ولا تضرونہ شیئا ان ربی علی کل شیء حفیظ ہ

(پارہ ۱۲ سورہ ہود رع ۵)

میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو زمین میں آباد کر دے گا۔ اور
تم اس کا ذرہ بھر نقصان نہیں کر سکو گے، بلاشبہ میرا پروردگار
ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اس اُمت پر اس دستور و معمول کا اطلاق

پھر قدرت کا یہ دستور و معمول اور اللہ تعالےٰ کی یہ سنت و عادت اقوام گزشتہ و امم سابقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، اس امت دعوت پر بھی اس سنت اللہ کا اطلاق ہوتا ہے اور مخاطبین قرآن میں سے جو لوگ خدا اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے انہیں دنیا سے ذلت و رسوائی کے ساتھ ہٹا مٹا کر ان کی جگہ اور لوگوں کو آباد کیا جائے گا۔

۳۔ ارشاد فرمایا ثم جعلناکم خلائف فی الارض... تعملون
(پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۲)

ظالم و کافر قرون سابقہ کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کر کے فرمایا "پھر ان کے بعد ہم نے تم کو دنیا میں آباد کیا تاکہ ہم دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو!"

یہاں پوری امتِ خطاب کو قرونِ سابقہ اور امم ماضیہ کا خلیفہ یعنی دنیا میں ان کا قائم مقام و جانشین فرمایا گیا ہے، اور مقصد استخلاف ان مخاطبین قرآن کی کارکردگی و کارگذاری کا نظارہ و معائنہ ہے صرف نظارہ و معائنہ؟ نہیں! بلکہ قدرت اعمال کے مطابق نتائج و ثمرات بھی مرتب کرے گی۔

حسنِ عمل پر استخلاف فی الارض و تمکین دین کے خلعت فاخرہ

سے سرفراز کئے جائیں گے، اور بدکار کفار کا پتہ کاٹ دیا جائے گا۔

۴۔ ارشاد فرمایا:۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ـــــــ لاتحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض ج وماوٰھم النار ط ولبئس المصیر ٥ (پارہ ۱۸ سورہ نور ع ۷)

(اے امت دعوت!) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیکوکار ہیں ان سے اللہ تعالےٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ انہیں ضرور ملک میں (کفار و فساق کو ہلاک و برباد کر کے ان کے پیچھے) آباد کرے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو زمین میں آباد کیا تھا۔ .. ..(اے رسول مقبولؐ!) آپ یہ خیال بھی نہ کیجئے کہ یہ کفار (ہمارے عذاب ہلاکت سے بھاگ کر ہم کو) زمین میں عاجز کر دیں گے، (یہ دنیا میں بھی ہلاک و برباد ہوں گے) اور (آخرت میں بھی) ان کا ٹھکانا نار (دوزخ) ہے۔ بہت ہی بُرا ٹھکانا!

چنانچہ یہ وعدہ الٰہی وارشاد ربانی حرف بہ حرف پورا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے تمام لوگوں اور جمیع مخاطبین قرآن (امت دعوت) میں سے جن لوگوں نے دعوت حق کو قبول نہ کیا۔ انہیں روئے زمین سے نہایت بڑی طرح

نیست و نابود کر دیا گیا اور وہ رب قدیر کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔
اور جن قدوسیوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہا عقائد و اعمال
ایمان و کردار دونوں اعتبار سے ہدایت کا کامل اتباع کیا۔
انہیں (امت اجابت کو) استخلاف فی الارض سے نوازا گیا۔
اور نہ صرف کفار بدکردار کو انہیں مومنین کاملین کے ہاتھوں
فی النار کر کے ان کے پیچھے انہیں ملک میں آباد کیا گیا۔ بلکہ انہیں
منصب حکومت پر بھی فائز کیا گیا، اعدائے دین کے بعد
انہیں صرف زمین میں جانشینی و سکونت ہی نہیں بخشی گئی بلکہ
عرب و عجم کی فرماں روائی و سلطنت بھی عطا فرمائی گئی۔
صدق الله العلی العظیم و رسوله النبی الکریم ونحن
علی ذلك من الشاهدين۔

امت اجابت پر اس قانون قدرت کا اطلاق

یہ قانونِ قدرت اور سنت اللہ

نہ صرف امم ماضیہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
دعوت پر جاری ہے بلکہ امت دعوت کی طرح امت
اجابت (اہل ایمان) پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۵۔ ارشاد فرمایا:۔ الا تنفروا یعذبکم عذابًا الیمًا ه
ویستبدل قومًا غیرکم ولا تضروه شیئًا ط والله
علی کل شیءٍ قدیرہ (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۶)

اہل ایمان کو پکار کر فرمایا ——— اگر تم جہاد کے لئے نہ
نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب (ہلاکت وبربادی)
دے گا۔ اور (تمہاری جگہ) تمہارے سوا دوسری قوم بدل
لائے گا۔ اور تم اس کا ذرہ بھر نقصان نہ کر سکو گے، اور اللہ
ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں ذرا ان الفاظ کو ایک نظر پھر دیکھ لو جو سیدنا حضرت
ہود علیہ السلام نے اپنی کافر و بے ایمان قوم سے فرمائے۔
فرمایا:۔ اگر تم اعراض کرو گے تو: ——— یستخلف ربی
قوما غیرکم ولا تضرونہ شیئا ان ربی علی کل
شیء حفیظ ۔

اور یہاں عہد رسالت مآب کے مومنوں مسلمانوں سے فرمایا گیا:۔
اگر تم جہاد کو نہیں نکلو گے تو یستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ
شیئا واللہ علی کل شیء قدیرہ الفاظ میں برائے نام
فرق ہے لیکن مضمون بالکل واحد ہے۔

یہاں یہ حقیقت آفتاب عالمتاب سے زیادہ
روشن ہو گئی کہ:۔

۱۔ استخلاف و استبدال بالکل ایک چیز ہے اور استخلاف
کے معنی محض ایک قوم کو بدل کر اس کی جگہ دوسری
قوم کو لانا ہے۔ مطلق قائم مقامی اور جانشینی!

۲۔ یہ سنت اللہ اس درجہ ہمہ گیرو ہمہ رس ہے کہ جس طرح سابقہ کفار پر اس کا اجبار ہوا ہے۔ اسی طرح موجودہ مومنین پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ اس قانون قدرت کی گرفت سے جس طرح منکرین ہوڈ نہیں بچ سکے اسی طرح اصحابِ رسولؐ بھی نہیں بچ سکیں گے فرض کرو اگر ان پروانگانِ شمع رسالت نے بھی ایثار وفدائیت جاں بازی وجاں سپاری اور جہاد و قربانی سے دریغ کیا تو یہ بھی پہلی مغضوب و معذب اقوام کی طرح معاذاللہ مورد تعذیب وہلاکت بنیں گے۔ اور ان کی جگہ دوسرے لوگ لے لیں گے۔

۶۔ سورۂ محمدؐ کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا:۔

وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم ہ (پارہ ۲۶)

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور بخل کی مذمت کرکے فرمایا:۔ (اے اصحابِ رسولؐ فرض کیجئے) اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تعالےٰ تمہاری جگہ دوسرے لوگ بدل دے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

یہاں یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ مستخلف قوم مستخلف عنہ قوم جیسی نہیں ہوتی بلکہ وہ بہرطور اس سے

بہتر ہوتی ہے۔

اگر جانشین لوگ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح اطاعت سے قاصر ہوں اعراض و روگردانی کریں تو پھر استخلاف و استبدال بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا۔ ایک قوم کو ہٹا کر جب اس کی جگہ دوسری قوم کو برپا کیا جائے گا تو وہ لازمی طور پہ خدا اور رسول کی مطیع و فرماں بردار ہو گی جبھی تو وہ پہلی قوم کی جگہ لینے کی مستحق ہو گی۔

بہر حال قانونِ فطرت میں کوئی لچک نہیں ضابطہ قدرت اور سنت اللہ سب کے لئے یکساں ہے۔ اس میں کسی سے رو رعایت نہیں اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں استخلاف و تمکن کسی کی جاگیر نہیں نہ یہ کسی قوم کے نام ہمیشہ کے لئے مقدر ہے جو اس نعمت کا مستحق نہیں ہو گا اس سے چھین لی جائے گی اور جو مستحق ہو گا، اسے دے دی جائے گی ؎

آسماں سے بن کے خواں آتا نہیں اقبال کا ہے وہی اک چیز کل مہماں تھی جو آج واں

میزباں کی دیکھتی ہے آنکھ جب بدلی ہوئی واں سے اٹھ کر دوسرا جا ڈھونڈتی ہے میزباں

اگر (معاذ اللہ) اصحاب رسول بھی اطاعت سے منہ پھیر کر مبتلائے معصیت ہوں گے تو (خدا نخواستہ) انہیں ہٹا اور ہٹا دیا جائے گا اور ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لایا جائے گا۔

الحمدللہ! کہ یارانِ نبی نے اطاعتِ خدا و رسول میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ان کا پیمانۂ حیات جوشِ عمل اور جذبۂ ایثار و قربانی کے بادۂ جاں فزا سے لبریز تھا ان کی پوری زندگی تسلیم و تعمیل کا بے نظیر و بہترین نمونہ اور ایمان و حسنِ عمل کا شاندار و بے مثال مظاہرہ تھی، اس لئے ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ نہ ان سے بہتر کوئی قوم تھی نہ لائی گئی۔

جس طرح اللہ کے محبوب رسول انبیاء و مرسلین میں انتخاب و بے مثال ہیں اسی طرح محبوبِ خدا کے محبوب صحابہؓ بھی انبیاء کے سوا ساری دنیا میں انتخاب و بے مثال ہیں،

نہ صرف یہ کہ اب سے ابد تک ان سے بہتر لوگ پیدا نہیں ہوں گے، بلکہ ازل سے آج تک بھی نقاشِ قدرت نے صفحۂ دہر پر ان سے بہتر نقش نہیں کھینچا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ!

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے:
خلاصہ! جو ہے راہِ عمل پر گامزن محبوبِ فطرت ہے

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

قدرت کا اٹل قانون اور اللہ کی غیر مبدل

سُنّت ہے کہ:۔

۱۔ کفار بدکردار کا پتہ کاٹ دیا جاتا ہے اور اُن کی جگہ بہتر لوگ آباد کئے جاتے ہیں۔

۲۔ پھر اس نئی جانشین قوم کی کارگزاری دیکھی جاتی ہے اگر یہ خدا اور رسول کے سچے اطاعت شعار ہوتے ہیں تو انہیں آباد و برقرار رکھا جاتا ہے، اگر مبتلائے معصیت ہوتے ہیں تو ان کا بھی وہی حشر ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالٰے کی اس سنت قدیمہ کا اطلاق نہ صرف حضورؐ کی امت دعوت پر ہوتا ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت (مسلمان) بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، ان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۴۔ چنانچہ عہد رسالت مآب کے کفار و مشرکین کا پتہ کاٹ دیا گیا۔

اِدھر اصحاب رسولؐ وعدۂ استخلاف کے مطابق حجاز مقدس میں صرف آباد ہی نہ رہے۔ بلکہ عرب وعجم ان کے زیر نگیں تھے۔ نہ صرف ان کی جگہ اور لوگ نہیں لائے گئے، بلکہ انہوں نے شرق وغرب سارے عالم

میں دوسرے لوگوں کی جگہ لی۔ ع

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

ان کی جولان گاہ تھی۔ کفر کی پوری دنیا ان کے تصور سے لرزہ براندام تھی انہوں نے قیصر و کسریٰ کی منظم اور قدیم ترین حکومتوں کو درہم برہم کر ڈالا اور ساری دنیا پر چھا گئے ؎

لہرائے عَلَم ملتِ بیضا کے جہاں میں!

معدوم انہوں نے کیئے باطل کے شرارے

نتیجہ! ان حقائق و نتائج کی روشنی میں اصحاب رسول کی صداقت و خلافت میں کسی منصف مزاج انسان کو ادنیٰ سا تردد و تامل بھی باقی نہیں رہتا۔

ایک سوال اگر معاذ اللہ یہ حضرات بھی امتحان خداوندی میں ناکام رہے اور معیار الٰہی پر پورے نہ اُترے تو پھر سنت اللہ کے مطابق ان کی بساط کیوں نہ الٹ دی گئی؟ تعلیمات قرآنی و ارشاداتِ ربانی کے پیشِ نظر مطلق ان کا استخلاف و استقرار ان کی بقا و تمکین ان کا قیام و دوام اور استحکام و عدم استبدال ہی ان کی صداقت و حقانیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ صرف اتنی ہی

بات کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں شرف استخلاف عطا فرمایا ان کے مومن کامل اور عامل صالح ہونے کی اٹل دلیل ہے اور

محض اتنی سی بات کہ انہیں رب العزت نے استہلاک و استبدال سے محفوظ رکھا ان کے اطوع واسلم اور ابدیٰ و اصلح ہونے کا محکم ثبوت ہے۔ اور کسی انسان کو انکی امانت و دیانت اور امامت و خلافت میں قطعًا کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا بشرطیکہ وہ کتاب اللہ پر ایمان کامل رکھتا ہو، اور ارشادات ربانی میں اسے شک و شبہ نہ ہو!

مسئلہ خلافت اس بحث کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ خلافت جسے کج بحثی سے معرکۃ الآرا مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ درحقیقت انتہائی سادہ مسئلہ ہے۔ مناظرانہ ذہنیت نے اسے الجھا کر جتنا مشکل مبحث بنا دیا ہے۔ در اصل یہ اتنا بلکہ اس سے بھی زیادہ آسان مبحث ہے ؎

تری ہر ادا میں بل ہے، تری ہر نگہ میں الجھن
مری آرزو میں لیکن کوئی پیچ ہے نہ خم ہے!

اللہ تعالےٰ نے کفار و مشرکین کو مٹا مٹا کر جن قدوسیوں

کو اپنے محبوبؐ کے جلو میں زندہ سلامت آباد و شاد رکھا وہ سب متاعِ استخلاف سے متمتع اور دولت ایمان و احسان سے مالا مال ہیں۔ اور اس پر مستزاد جن خاص الخاص حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند امارت و امامت پر متمکن فرمایا۔ وہ حضورؐ کے خلیفہ و جانشین اور امیر المومنین و امام المتقین ہیں۔ برقرار رہے اور مدتوں برسر اقتدار! پوری ربع صدی سے بھی زائد مدت مسند آرائے خلافت و فرمانروائے عرب و عجم رہے رضی اللہ عنہم اجمعین ہ

مطلق استخلاف و استقرار اور بقار و قیام کے ثبوت کے بعد یارانِ نبیؐ خصوصًا خلفائے راشدین کے ایمان و حسن عمل پر جرح کرنا اپنے ایمان پر آپ جرح کرنا ہے۔ اور ان کی خلافت کو جائز و برحق تسلیم نہ کرنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے۔

قرآن کریم نے ایک ایسی کسوٹی ہمارے ہاتھ میں دے دی ہے جس پر ہر انسان کو پرکھا جا سکتا ہے۔ جو دشمن، خدا و رسولؐ تھا مٹ گیا، اور جو مومن کامل و مسلم صالح تھا وہ باعزت و شان باقی و برقرار رہا۔ جو خار تھا فی النار ہو گیا۔ جو یار تھا وہ باغ و بہار تھا۔

ابوجہل خار تھا فی النار ہوا۔ ابوبکر یار غار تھا۔ باغ و بہار رہا اور سدا بہار ہے۔ عتبہ اور شیبہ امیہ بن خلف وغیرہم خار تھے انتہائی ذلت ورسوائی سے داخل فی النار ہوئے۔ حضرت عمرؓ۔ اور حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ وغیرہم یار وفادار تھے۔ تہ تول مسندِ خلافت پر جلوہ گر رہے۔

رَضِیَ اللہ تعَالیٰ عنہُم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

⑧
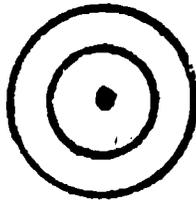
کتاب اللہ کی آٹھویں شہادت

حضورؐ کی شانِ تنویر

نفس نفس پہ رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں — جدھر جدھر کو وہ شفیعِ عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک — وہیں وہیں ہے سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

●

سنتِ نبویہ و سیرتِ طیبہ:۔ عام استشہاد کے بعد اب کتاب اللہ سے سنتِ نبیؐ اور سیرت رسول کی روشنی میں استشہاد کیا جاتا ہے۔ اس استشہاد سے پیشتر یہ عرض کر دینا موزوں معلوم ہوتا ہے کہ دین میں حضور کی سنت و سیرت کا کیا درجہ و مقام ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول میں باہم کیا نسبت ہے۔ قرآن کریم اور

صاحبِ سنتؐ میں باہمی اتحاد و یگانگت کی کیا کیفیت ہے اس کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے جس شان سے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تذکرہ" میں بیان فرمایا ہے۔ اس سے بہتر بہت مشکل ہے۔ میں اس باب میں حضرت مولانا کے اس بیان کے بعد قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اور آپ ہی کے اس مفصل بیان کا ضروری خلاصہ پیش کر دینے پر قناعت کرتا ہوں۔

مولانا لکھتے ہیں:——

"علم و بصیرت کا اصلی سرچشمہ صرف حیات نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے جس کو قرآن حکیم نے "الحکمت" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ومن یوتی الحکمۃ اوتی خیرا کثیرا کیونکہ دنیا میں "حکمت صادقہ" کا اس "حکمت" سے الگ کوئی وجود ہی نہیں۔ "حکمت" یا تو خود منہاج و سنت نبوت ہے۔ یا علم و عمل کی ہر وہ بات جو اس سے ماخوذ اور صرف اس پر مبنی ہو۔ یعنی "خیر کثیر" مبداء جمیع خیرات و برکات ارض و نوع ہے اور صرف اسی نسخہ شفا سے دل اور روح کی ساری

بیماریاں دور ہوسکتی ہیں۔ خواہ شکوک وارتیاب کی
بیماری ہو۔ خواہ اوہام و انکار کی خواہ ادعار اوریہ
کا ہیجان ہو۔ خواہ حیرانی و سرگردانی لاادریہ کا خمار

زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہید

کوئی بیماری ہو دوا صرف ایک ہی ہے۔

یکے دواست بدارالشفا میکدہ ہا

باقی یا تو اسمار مختلفہ ہیں اور مسمیٰ وہی ایک ہے۔ مثلاً
"سنتہ وسیرت" کی جگہ "قرآن وکتاب" کا لفظ
بول دیا جائے کہ نام دو ہوگئے۔ مگر حکایت شہد
وعسل سے زیادہ نہیں۔ یعنی بات وہی ایک رہی
ولالتہ وتسمیتہ میں تعدد ہوا۔ مدلول ومسمیٰ میں نہیں۔

عبارا تنا شتیٰ وحسنک واحد

یا پھر اسی نسخہ کے اجزاء وتوابع جیسے آثار وسیرت
صحابہ وسلف امت اور معارف وبصائر ماخوذ و
مکتسبۂ کتاب وسنتہ کہ گو اشکال واسمار میں تفرقہ
وامتیاز ہوا مگر بحکم "علیکم بسنتی وسنتہ خلفار الراشدین"
اور وآخرین منھم لما یلحقو بھم اور فاولئک
مع الذین انعم اللہ علیھم اور ما انا علیہ
واصحابی معنًا وحکماً جزو کل، اصل وفرع، مصدر

وشتق، یا شمس وکواکب سا معاملہ واقع ہوا ہے۔
روشنی صرف ایک ہی ہے۔ اور ایک ہی کی ہے۔
اگرچہ چاند سے بھی بل جائے اور چمکیلے ستاروں
سے بھی۔

بحریست متحد کہ باشکال مختلف
باران قطرۂ و صدف و گوہر آمدہ
عشق چونیک دیدنگری عین حسن دوست   لیکن در صفات ظاہر خود مضمر آمدہ

اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں تو پھر جو کچھ ہے۔ نہ
تو علم ہے اور نہ شفا، بلکہ خود جہل ہے۔ اور مرض،
اگرچہ افسوس کہ اس دنیا میں زیادہ حصہ انہی مریضوں
کا بستا ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ طلب مرض کو طلب
شفا سمجھا ہے اور سم قاتل سے امید حیات
رکھی ہے......،

"حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب
تک دنیا باقی ہے۔ صاحب قرآن کی سیرت و
حیات مقدس کے مطالعہ سے بڑھ کر نوع انسانی
کے تمام امراض قلوب وعلل ارواح کا اور کوئی علاج
نہیں، اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجتہ البالغہ
قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن

کی سیرت ہے اور در اصل قرآن اور حیات نبوت معنًا ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح قرآن علم ہے۔ اور سیرت اس کا عمل۔ قرآن صفحات و قراطیس ما بین الدفتین اور فی صدور الذین اوتوا العلم میں ہے۔ اور یہ ایک مجسم و ممثل قرآن تھا۔ جو یثرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کما قالت الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "وکان خلقہ القرآن"

ما دو جانے آمدہ دریک بدن
من کیم؟ لیلیٰ، و لیلیٰ کیست! من .....‘‘

"پس اگر حضرات صوفیائے کرام نے تمام قرآن کو اسی ایک حسن اکمل و جمال بے ہمتا کی حکایت شمائل و شرح سراپا کہا۔ تو قطع نظر فسحت میدان اشارت کے ویسے بھی یہ کیوں موجب قدح و شک ہو حق یہ ہے کہ "قرآن" اور "صاحب سنت" کی باہمی یگانگت و اتحاد کے باب میں جو کچھ بھی اور جس قدر بھی کہا جائے، اس سے بہت کم ہے، جس قدر کہنا چاہئے۔ للہ در ما قال:

ما شئت قل فیہ، فانت مصدق فالحب یقضی والمحاسن تشہد .....‘‘

"اگر خاص طور پر اس معاملہ کو دیکھا جائے تو فی الحقیقت یہ چیز بھی منجملہ خصائص قرآن وصاحب قرآن کے ہے آج تمام ادیان حاضرہ عالم میں کوئی دین بھی ایسا نہیں جس کی کتاب الٰہی اور صاحب وحامل کتاب کے باہمی علاقہ وحدت کا یہ حال ہو۔ اور دونوں میں سے ہر وجود ہر ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ و ملحق اور باہم دگر شاہد ومشہود کا تعلق رکھتا ہو کہ کتاب حامل کتاب کی صداقت پر دلیل و شاہد ہو۔ اور حامل کتاب اصل کتاب کی صداقت پر۔

ایں دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند ......"

"حیات وسیرت کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں ہے۔ جس کے لئے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں اور پھر نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت بلکہ صحابہ کرام کے حالات وخصائص کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے، صحابہ کی جماعت درس گاہ تزکیہ وتعلیم نبوت سے نکلی ہوئی مومنون الاولون کی اولین جماعت تھی۔ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم اس لئے ان کے سوانح وایام بھی سیرت نبویہ ہی کے مختلف اجزاء ہیں۔ بلکہ ہدایت قرآنی و

حکمت نبوی کے عملی و مجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیات نبوت کے حکم میں داخل، پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی۔ اگر ان کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح و تفصیل سے نہ ملتے، ......"

"اور پھر جب اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ آج دنیا میں شہرت و تواتر نقل و حفظ روایت اور توارث اسناد و قراۃ و تعامل کروڑ ہا نفوس عالم نسلاً بعد نسل وحین بعد حین، و تلاوت اوقات خمسہ لیل و نہار (فضلاً عن تلاوۃ و تدبرہ فی کل حین و آن) کے اعتبار سے صرف یہی ایک کتاب قطعی و یقینی اور محفوظ و غیر مبدل ہے ......"

"اور اسی لئے علی وجہ الارض اسم علم "الکتاب" کا مستحق اور کوئی نہیں۔ اور پھر ظاہر ہے کہ جس وجود و شخصیت اور اس کی حیات و سیرت کا اثبات و اعلام اس کتاب کے اندر ہوگا۔ اس کے وجود و سیرت سے بڑھ کر سمار دنیا کے نیچے اور کونسی انسانی ہستی قیامت تک کے لئے اثبت و اقوم ہو سکتی ہے۔ اور دنیا اپنی ہدایت کے لئے اگر کسی انسان کے آگے جھک سکتی ہے۔ تو اس انسانیت کبرای و عبدیت

اعلیٰ و بشریت واحدہ کے سوا اور کون انسان ہے۔ جس پر آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہمیشہ یقین کیا جا سکتا ہے۔ اور جس پر ایمان لانے کے لئے پچھلی امتیں اور نسلیں بھی پہلوں کی طرح قطعی ویقینی روشنی رکھتی ہیں؟ اور پھر جس وجود کی سیرت وحیات قیامت تک کے لئے اس طرح محفوظ و ثبت کر دی گئی ہو۔ علاوہ ان نقوش غیر فانی کے جو صفحۂ عالم پر ثبت ہیں۔ اور جس کی زندگی کے وقائع طیبہ کو اس طرح سورج کی دائمی روشنی اور ستاروں کی یکساں سیر و حرکت کے دامن سے باندھ دیا ہو۔ کیوں نہ اس خاکدان جسم و زمان میں اس کی موت وحیات یکساں ہو اور کیوں اس کی دائمی حیات و قیام کے عقیدے سے انسان کے تاریک دلوں کو انکار اور غافل روحوں کو گریز ہو؟

فی الحقیقت یہی معنی ہیں۔ دیگر صدہا معانی وحقائق ثابتہ کے ساتھ اس رفع ذکر کے کہ ..... ورفعنا لك ذكرك ......"

اور اسی لئے قرآن حکیم نے صرف اسی وجود کو "العبد" سے تعبیر کیا۔ کہ ساری عبودیتیں آنی ووقتی

ہیں۔ مگر صرف یہی وہ عبودیت کاملہ و واحدہ ہے۔ جو ہمیشہ عباد و معبود میں واسطہ ہدایت اور ہمیشہ عبد کو معبود سے واصل کر دینے کے لئے حی و قائم ہے۔ وقال العارف البوصیری۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ

فجوہر الحسن فیہ غیر منقسم ......"

دنیا میں جس قدر بھی ہدایت و تعلیم کی قومیں تھیں سب کے لئے تغیر و تبدل ہوا۔ حتے کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں۔ لیکن اللہ اکبر مقام محمدی کی محفوظیت و مصئونیت کہ اس کی سیرت طیبہ اور حیات حیہ و قائمہ کی لوح محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہو سکا۔ اور قرآن محفوظ وکتاب مسطور فی رق منشور اور فی صدور الذین اوتوا العلم میں اس کا ایک ایک حرف ایک ایک لفظ اس طرح نقش و ثبت ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ جس طرح قلم ازل نے اول صبح تعین کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن کے بعد اگر کوئی اور ثانی لوح محفوظ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی روح اعظم و خاتمہ ہے۔ جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنی آغوش حفظ و صیانت میں ہمیشہ کے لئے

لے لیا ہے۔ حضرت سید العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے"

افلت شموس الاولین، وشمسنا
ابداً علی افق البقاء لاتغرب" | "تذکرہ"

حضرت امام الہندؒ کا یہ بیان کسی تشریح و تبصرہ کا محتاج نہیں درحقیقت علم و بصیرت کا اصلی مصدر اور فوز و فلاح کا ابدی سرچشمہ حضور کی سنت مقدسہ ہے۔ قیامت تک نوع انسانی کی نجات و ہدایت قرآن اور "صاحب قرآن کی سیرت طیبہ" ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔

دو قرآن یا دو رسولؐ | دراصل قرآن پاک اور حضورؐ کی سیرت پاک میں کوئی فرق نہیں۔ معناً یہ دونوں ایک ہیں۔ اللہ تعالٰے نے امت مسلمہ کو ازرہِ فضل و رحمت دو قرآن مرحمت فرمائے ہیں ایک یہ جو ہر گھر میں سبز غلاف کے اندر موجود ہے۔ اور ایک وہ جو سبز گنبد مدینہ کے اندر اُم المومنین حضرت صدیقہؓ کے گھر میں استراحت فرما! یا اللہ تعالٰے نے ہمیں دو رسول عطا فرمائے۔ ایک وہ جو تیس برس تک عرب کی مقدس سرزمین میں جلوہ فگن

رہے اور ایک یہ جو عرب و عجم میں آج بھی جلوہ فرما ہیں۔ ان کی دید کا شرف صحابہ کرام رضؓ کو نصیب ہوا۔ اور اس کی زیارت کا شرف قیامت تک ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ پورا قرآن سیرت پاک کا بیان ہے۔ قرآن حیاتِ رسول کا مبین ہے اور حیاتِ رسول قرآن کی مبین! کتاب اسر سیرۃ النبی کی تفسیر ہے۔ اور سیرۃ النبی کتاب اسر کی تفسیر! گویا اب "دو قرآنوں" سے اصحاب رضؓ رسول کی صداقت و امامت پر استشہاد کیا جاتا ہے۔

حضور کی شان تنویر یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا و مبشرا و نذیرا ۝ وداعیا الی اللہ باذنہٖ وسراجا منیرا (پارہ ۲۲ سورۃ احزاب ع ۶)

اے نبی! ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا۔ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا، اور آفتابِ عالمتاب (بنا کر) بھیجا ہے۔

عام طور پر سراجاً منیرا کا ترجمہ روشن چراغ کیا جاتا ہے۔ اور باعتبار لغت یہ صحیح ہے۔ لیکن لغتِ قرآن میں سراج کے معنی سورج کے ہیں[1]۔ قرآن کریم نے

---

[1] لغت میں بھی سراج کے معنے سورج ہیں۔ قاموس میں ہے السراج الشمس۔

سراج کو عموماً سورج ہی کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً

(۱) تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا (پارہ ۱۹ سورہ فرقان)

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔ اور اس میں سورج اور اجالا کرنے والا چاند بنایا۔

(۲) وجعل القمر فیہن نورا وجعل الشمس سراجا (پارہ ۲۹ سورۃ نوح)

اور ان (آسمانوں) میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو سراج بنایا۔

(۳) وجعلنا سراجًا وھاجا (ابتداء پارہ ۳۰)

اور ہم نے (آسمان میں) جگمگاتا آفتاب بنایا۔

غرض قرآن میں عموماً سراج سورج کے لئے آیا ہے۔ چراغ کے لئے قرآن مصباح کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح (پارہ ۱۸ سورۃ نور ع ۵) اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک طاق! اس میں ایک چراغ ہے۔ تو حضور کریم آفتاب ہدایت ہیں۔ جن سے ساری دنیا استفادہ نور و اکتساب ضیا کرتی ہے۔

فساد فی سبیل اللہ!

دینِ مومن فی سبیل اللہ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد (اقبالؒ)

بعض غرض کے بندوں نے اپنے ذاتی مفاد و نفسی اغراض کی خاطر سادہ لوح بندگانِ خدا میں افتراق و انشقاق پیدا کرنے کے لئے جن فضول عنوانات کا انتخاب کر رکھا ہے ان میں سے ایک "نور یا بشر؟" بھی ہے۔ یعنی حضورؐ سراپا نور، نور ہیں یا بشر؟

اس عنوان پر ہنگامہ خیز جلسے ہوتے ہیں۔ دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں۔ گرماگرم بحث ہوتی ہے۔ بےخبر عوام کے جذبات میں ہیجان و اشتعال پیدا کیا جاتا ہے۔ نوبت بحث و مباحثہ سے مجادلہ تک عموماً اور کہیں کہیں مقاتلہ تک پہنچ جاتی ہے۔ انا للہ!

ذرا پوچھو تو

آخر وجہ نزاع کیا ہے۔ اور یہ ہنگامہ کیوں برپا ہے؟
بحث و تکرار اور اصرار یہ ہے کہ حضورؐ بشر نہیں!

(۱) عبدالمطلب کے پوتے اور بشر! حضرت عبداللہ کے لختِ جگر اور بشر! حضرت آمنہ کے لال اور بشر! حضرت حلیمہ سعدیہ کی گود میں برسوں دودھ پئیں اور بشر! بھلا یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ وغیرہا گیارہ ازواج مطہراتؓ سے بیاہ کریں۔ پھر بھی بشر؟ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے داماد ہیں پھر بھی بشر! اور حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علیؓ المرتضٰے کے خسر ہیں پھر بھی بشر! لاحول ولاقوۃ،

غضب خدا کا! حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا چار صاحبزادیوںؓ اور حضرت قاسم حضرت طیب حضرت طاہر حضرت ابراہیم چار صاحبزادوںؓ کے باپ اور پھر بھی بشر! اور حضرت علی بن ابی العاص حضرت امامہ بنت ابی العاص[1] حضرت عبداللہ[2] بن عثمان حضرات حسنین کریمین، حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم[3] کے نانا اور پھر بھی بشر! رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بھلا کوئی بھلا آدمی یہ باور بھی کر سکتا ہے کہ

حضورؐ حضرت عبداللہ کے گھر پیدا ہوں اور پھر بھی

---

[1] حضرت زینبؓ کی اولاد [2] حضرت رقیہؓ کے صاحبزادے۔
[3] حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد۔

بندے، حضرت عائشہؓ کے گھر وصال فرمائیں پھر بھی بندے!
روضۂ انحضر و مزار انور میں قیامت تک استراحت
فرما ہوں پھر بھی بندے! اور ظلم وستم کی کوئی حد نہیں
رہی کہ بندوں کی طرف مبعوث ہوں اور پھر بھی بندے!
کتنی المل بے جوڑ بات ہے!

(۲) ان بندگانِ خدا سے ذرا پوچھو تو سہی! کہ تم خود بندے
ہو کہ نہیں!

اجی ہماری بندگی میں کیا شک ہے۔ ہم تو بندے
ہیں، مگر حضورؐ بندے نہیں، ہم بھی انسان اور حضورؐ بھی
انسان! تاریخ انسانیت میں اس سے بڑا ظلم نہ کبھی
ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

جنابِ والا! اگر یہ بات ہے تو پھر آپ کو یوں
فرمانا چاہیئے کہ "ہم انسان نہیں" کون کہتا ہے کہ ہم انسان
ہیں، ہم انسان نہیں، انسانیت کی توہین ہیں۔ انسانیت
کا مقام بہت بلند ہے۔ اور انسان بننا بہت مشکل!
غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

بسکہ مشکل ہے ہر اک چیز کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

ع ہر چیز جو چمکے ہے وہ سونا نہیں ہوتی

اور ہر آدمی انسان نہیں ہوتا، انسانوں کی شکلیں صورتیں تو بہت سی ضرور ہیں۔ مگر انسان بہت کم ہیں، مولانا حالیؒ کا شعر ہے ؎

آنچہ پر جستیم و کم دیدیم و بسیار است و نیست
نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیار است و نیست

وہ تو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے شکلوں کے مسخ ہونے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور بدکرداریوں کے باعث آدمیوں کا بندر و خنزیر بن جانا بند ہوا ورنہ ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم انسان ہیں یا کیا!

وہ انسان پست ہیں نہ کہ انسانیت

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ انسانیت کا مقام کوئی معمولی اور فروتر مقام ہے۔ تو یہ آپ کے فہم و فکر کا قصور ہے۔ اور عقل و دانش کا فتور! ورنہ انسانیت کا مقام تو سب سے اعلیٰ اور فرشتوں سے بھی بالا ہے۔ ہاں اس مقام تک پہنچنے اور یہ درجہ حاصل کرنے کے لئے ذرا محنت کرنی پڑتی ہے ؎

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا!
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اگر تم بشریت کو پست و ذلیل ترین مقام دیتے ہو

اور اس بنا پر حضورؐ کو بشر کہنے میں حضورؐ کی توہین سمجھتے ہو تو یہ آپ کا احساسِ کمتری ہے۔ تمہیں بشریت کے مقامِ اعلےٰ وارفع کی خبر نہیں۔ لوگ اپنے کردار کی پستی اور اخلاق کی فرو ماندگی پر نظر کرتے ہیں۔ تو انسانیت کو ذلیل سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ انسانیت تو نہایت اشرف وافضل چیز ہے ؎

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست، خلق
تحسیں کند او خجل زپائے زشتِ خویش

خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیمؒ ذوق نے کیا خوب کہا ہے ؎

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اس کی فروتنی ہے
وگرنہ قندیل عرش میں بھی اسی کے جلوے کی روشنی ہے

تو اس صورتِ حال کے پیشِ نظر یوں فرمائیے کہ ہم انسان نہیں مکمل انسان اور عبدِ کامل اگر ہیں تو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔

عبدِ کامل اگر ہم عبد ہیں تو ایسے عبد جن کے کرتوت سے عبدیت شرمائے اور انسانیت اپنے دامن میں منہ چھپالے۔ اور محمدؐ مصطفےٰ عبدِ کامل ہیں تو ایسے جن کا ذکر خالقِ اکبر اس انداز سے فرماتا ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ
اقبالؒ نے سچ کہا ہے ع
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ہم بندے ہیں تو ایسے جن پر بندگی کو عار آئے اور حضور ایسے بندے ہیں جن کے وجود باجود سے رخ بندگی وعبدیت پر تابندگی ودرخشندگی چھا گئی۔ اور بشریت وانسانیت کو چار چاند لگ گئے ؎
کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید
کہ سایۂ بسرش کرد چوں تو سلطانے

مصدر حُسن وجمال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسن کامل وجمال بے ہمتا ہی نہیں بلکہ مصدر حسن وجمال اور مخزن رعنائی وزیبائی ہیں۔ آپ کی ذات ستودہ صفات ہی سراپا حسن ومجسم جمال نہیں بلکہ انسانیت نے آپ ہی سے حسن وزیبائی پائی ہے۔ آدمیت کے چہرے پر اگر درخشانی ہے تو آپ کے حسن کی تابانی ہے! اور رخسار انسانیت پر جہاں بھی سرخی ولالی بشاشت وشادمانی اور تازگی وشگفتگی نظر آتی ہے۔ وہ حضور ہی کے انوار وتجلیات کا عکس وپرتو ہے ؎
روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست ⁂ منتِ خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

غرض حضور کی ذاتِ پاک غازۂ رخسار آدمیت ہے اور گلگونۂ عارضِ انسانیت ! ازل سے ابد تک جہاں بھی کوئی حسن نظر آتا ہے۔ اس کا مصدر و مبدار آپ ہی کی ذات پاک ہے ؎

داستانِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی !
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

جب حضور کی شان یہ ہے تو ہر انسان کا فرض ہے۔ کہ حضور کو انسان ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اگر معاذ اللہ حضور سراپا نور نوع بشر سے نہ بھی ہوتے تو بھی ہر فرد بشر کو حضور کو بشر بنانے کی کوشش کرنی واجب تھی تاکہ یہ نعمتِ عظمےٰ اور رحمتِ کبریٰ ان کے حصے میں آئے اور یہ مجسم حسن و جمال ان کا سیہ خانہ روشن کرے ؎

اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت !
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا

مگر یہ کیسے انسان ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تو احسانِ عظیم و فضلِ عمیم فرمایا۔ حضورؐ کو نوع بشر سے تخلیق فرما کر نوع انسانی کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا،

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم اور یہ حضور کو دائرہ انسانیت سے خارج کرنے

کی کوششوں میں شب و روز مصروف و منہمک ہیں۔
اس قسم کی مساعی سے معاذ اللہ حضور تو انسانیت کے
اعلیٰ و ارفع مقام سے کیا ہٹائے اور اٹھائے جائیں گے!
خطرہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہیں اپنے آپ کو دائرہ انسانیت
سے خارج نہ کر دیں۔ اگر انہیں انسانیت سے ہمدردی
ہوتی تو حضورؐ فخر انسانیت کو انسانیت سے خارج
کرنے کی کوشش نہ کرتے"

مقامِ بشریت

واضح ہو کہ خلق خدا میں بشریت کا درجہ
سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ جنس مخلوق
کی کوئی نوع ایسی نہیں جو انسانیت سے افضل و برتر ہو،
خواہ نوری ہی کیوں نہ ہو۔
ملائکہ نور ہیں لیکن حضور ان سے بھی افضل ہیں
ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ کا شعر ہے ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

تو گردونِ گرداں بھی مقامِ بشریت سے فروتر ہے
اور حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ارضی و فرشی
کی طرح مخلوق سمائی و ملاءِ اعلےٰ سے بھی افضل و اشرف
ہیں۔ غرض ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

افسوس کہ انسان اپنی قدر و قیمت نہ جان اور اپنے آپ کو نہ پہچان سکا۔ ترجمان حقیقت نے کتنی صحیح ترجمانی کی ہے ؎

تو مرد میداں تو میر لشکر نوری حضوری تیرے سپاہی
کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی یہ بے سوادی یہ کم نگاہی

انسان کو در اصل اپنے مقام کا علم نہیں ؎

نہیں تجھ کو خبر اے مرد مومن تجھے فطرت نے کیا عظمت عطا کی
ترا رتبہ ہے برتر قدسیوں سے ہو تجھ میں گر یقیں کی سوزناکی

رب العزت نے خلق لکم ما فی الارض جمیعا فرما کر اسے بتلا دیا کہ ؎

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

در اصل پورے نظام تخلیق سے مقصود و مطلوب ہی انسان ہے ؎

ہے گرمیٔ آدم سے ہنگامۂ عالم گرم سورج بھی تماشائی تارے بھی تماشائی

ارض و سما سب اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ؎

زمیں خاکِ درِ میخانۂ ما فلک یک گردشِ پیمانۂ ما
حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است جہاں دیباچۂ افسانۂ ما

نگار خانۂ کائنات انسان ہی کیسے آراستہ و پیراستہ کیا گیا ہے ؎

جو خانۂ ہستی میں ہے انساں کیلئے ہے — آراستہ یہ گھر اسی مہماں کیلئے ہے (ذوق)

مگر انسان اپنی حقیقت سے بے خبر ہے کاش کہ یہ اپنی حقیقت سے آشنا ہوتا۔

غرض ساری دنیا حضرت انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان سے فروتر ہے حتیٰ کہ ملائکتہ اللہ بھی!

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو — فروغ دیدۂ افلاک ہے تو

ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور — کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تو

مسجودِ ملائک

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے امر و ارشاد سے پہلے دن بارگاہِ آدم میں جبینِ ناز جھکا کر انسانیت کی برتری کا عملاً اقرار کر لیا۔ حکم ربانی سے جمیع ملائکہ بحضورِ آدم سرنگوں ہو گئے۔ صرف ایک ابلیس لعین نے تعمیل ارشاد سے سرتابی و روگردانی کی اذ قلنا للملئکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس وہ آدم کے سامنے نہیں جھکا اور اس جرم کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مارا گیا۔ اس نے آدم کی برتری و عظمت اور افضلیت کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا تو خدا کا مقرب بھی نہ رہ سکا۔

ایک نکتہ یہاں ذرا غور فرمائیے کہ شیطان انسان کا سجدہ نہ کرے تو ملعون اور انسان رحمٰن کا سجدہ نہ کرے تو؟

وفا و جفا خدا کی وفا ملاحظہ ہو کہ اس ذات پاک نے ہمارے لئے ہمارے باغی کو اپنی بارگاہ قرب سے دھتکار کر نکال دیا۔ اور ہماری جفا دیکھو کہ ہم پھر بھی اس کی بارگاہِ معبودیت میں سربسجود ہو کر اس کا تقرب حاصل نہ کر سکے۔

متمرد انسان بخدا شیطان تمرد و سرکشی میں اس آدمی کا مقابلہ کہاں کر سکتا ہے۔ جس نے بارگاہ احدیت و صمدیت میں سر جھکانے سے انکار کر دیا ہے اور بھولے سے بھی خالق اکبر کے سامنے جبین نیاز نہیں جھکاتا ؎

شیطاں ہزار مرتبہ بہتر ز بے نماز ... کاں سجدہ پیش آدم و ایں پیش حق نکرد

ذرا اندازہ تو فرمایئے کہ ایک مقرب بارگاہِ الٰہی آدمی کا سجدہ نہ کر کے مردود و مغضوب ہو جاتا ہے۔ تو ایک آدمی الٰہ العالمین کا سجدہ نہ کر کے کس مقام پر پہنچ جائیگا۔؟

قدرت انتقام لیتی ہے قدرت بڑی منتقم ہے وہ کسی کو معاف نہیں کرتی، واللہ عزیز ذوانتقام۔ اس نے اپنے سرکش اور باغی اور بے نماز بندے سے دنیا ہی میں لطیف و عجیب انتقام لے لیا۔ کس طرح؟

وہ اس طرح کہ اپنے باغی بندے کو ہر چوکھٹ پر جھکا کر

ذلیل کیا۔ جس بے نماز نے ایک اللہ کے آگے سجدہ سے ابا وانکار کیا۔ اسے ہر ہر در پر سجدہ ریز کیا۔ فلسفی اسلام علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ ایک سجدہ ، جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر انسان ایک خدا کے سامنے سر عجز و نیاز جھکا کر سجدہ کر لیتا تو اسے ہزار "خداؤں" کی پوجا پاٹ سے نجات مل جاتی۔ اگر وہ ایک در پر جھک جاتا تو اسے در در کی خاک نہ چھاننی پڑتی۔ جو بندۂ خدا بارگاہِ خدا میں سجدۂ تعبد ادا نہیں کرے گا۔ اسے سینکڑوں بتوں کے سامنے سجدہ تعظیم کرنا ہی پڑے گا ؎

غم اگرچہ جانگسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

اگر انسان چاہتا ہے کہ اس کی پیشانی جگہ جگہ ذلیل نہ ہو تو اسے بے چون وچرا خدائے واحد کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے ؎

زمانے بھر کے غم یا اک ترا غم
یہ غم ہوگا تو کتنے غم نہ ہوں گے

پھر یہ سودا مہنگا بھی نہیں کہ بندہ ایک خدا کا سجدہ کرے سارے بتوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔

؎ وہی سجدہ ہے لائقِ احترام!
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

اللہ اللہ! دستِ قدرت کی انتقام گیریاں! انسان نے خالق اکبر کی عبادت سے اعراض و انحراف کیا تو اسے مخلوق کے سامنے جبیں سائی کرنی پڑی۔ یہ کتنے اونچے اور اعلیٰ مقام سے کتنی عمیق پستی اور قعر مذلت میں گر گیا۔ ثم رددناہ اسفل سافلین ۔

زِسگاں خوار تر! اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس ننگِ انسانیت کے لئے جو مقام تجویز کیا ہے وہ ملاحظہ ہو؎

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد — گوہرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تر است — من ندیدم کہ سگے پیش سگے سرخم کرد

کُتا بھی ——— باغیرت کتا ——— ایک کا ہو کر رہتا ہے۔ وہ بھوک سے مر تو جائے گا۔ لیکن اپنے آقا کا در چھوڑ کر غیر کے گھر نہیں جائیگا۔ وہ جئے گا تو یہیں اور مرے گا تو یہیں! کتوں سے بھی ذلیل کیوں نہ ہو وہ آدمی جو اپنے خدا کا در چھوڑ کر ہر چوکھٹ پر سر دھرتا ہے۔ جب یہ ذلیل انسان اپنے داتا خدا سے مانگنے کی بجائے در در کی گدائی کرتا ہے۔ تو وہ باغیرت کتا اس کی اس پستِ فطرت و ذلیل حرکت کے

خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ ~

ہیچ میدانی کہ سگ راچیست غوغا باگدا
منع سازد جنذ درِ حق بر درِ دیگر میا

یہ کتا جو گداگر کو بھونک رہا ہے یہ گداگر کو بھونک نہیں رہا۔ اسے درس غیرت دے رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ او بے غیرت! ذرا دیکھ تو سہی میں کتا ہو کر ایک آقا کے دروازہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا اور تو انسان ہو کر اپنے آقا و مولا کو چھوڑ کر غیر کے در پر دست سوال دراز کر رہا ہے! میں کتا ہوں میرا مالک مجھے مارے یا چمکارے، کھلائے پلائے یا فاقوں مارے، گوشت روٹی دے یا ہڈی پھینکے۔ میں بہرحال اس کا ہوں اور اسی کے در پر پڑا ہوں۔ تو کیسا انسان ہے! کہ اپنے قادر و داتا خدا کو چھوڑ کر عاجز و محتاج بندوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے،

ہاں تو بحث یہ تھی کہ مخلوقات میں بشریت کا مقام سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ نور سے بھی اعلیٰ و بالا! بشریت، ملکیت پر بھی تفوق و فضیلت رکھتی ہے۔ حالانکہ ملک نور ہیں

جبریلؑ امین کے پَر جلتے ہیں

معراج معلّٰے سے اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ جہاں نورانیت کی انتہا ہے۔ وہاں بشریت کی ابتدا!

جہاں مدارج نور اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ وہیں مراتبِ بشر آغاز پذیر! دیکھئے حضرت جبریل علیہ السّلام نور ہیں۔ شب معراج حضور کے ساتھ ہیں۔ مگر سِدرۃ المنتہیٰ کے بعد ایک مقام ایسا آجاتا ہے جہاں جبریلؑ امین رسول کریم کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اِس مقام سے آگے مخلوق کی پرواز ممکن نہیں۔ یہاں حضرت جبریل رک جاتے ہیں۔ اور مولانا رومی رحمہ اللہ کے الفاظ میں رفاقت سے معذوری کا یوں اظہار فرماتے ہیں ؎

اگر یک سر موئے بالا پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

تو غور فرمائیے جہاں نور کے پَر جلتے ہیں وہاں بشر کی پرواز جاری ہے۔

سیّد الملائکہ جبریل امین تشریف فرما ہیں اور سیّد البشر حضور کریم تشریف لئے جا رہے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

حضور کو نور اور بشر کہنے کی بحث سے پہلے یہ بحث کر لینی چاہیئے۔ کہ

خلق خدا میں نور افضل ہے یا بشر، اس کا اندازہ اسی سے کر لو کہ ملائکہ نور ہیں اور آدمؑ بشر اور آدمؑ مسجود ہے۔ اور ملائکہ ساجد! سیّد الملائکہ کی منزل ختم ہے اور سیّد البشر کا

سفر جاری! جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ تخلیقات ربانی کا شاہکار آدم ہے۔ ملک نہیں! بشر ہے نور نہیں! تو اب تو حضور کو بشر کے مقابلے میں —— نور کہنا حضور کی توہین کے مترادف ہوگا، نہ کہ حضور سراپا نور کو بشر کہنا موجب توہین، معاذ اللہ!

حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ سید البشر بھی ہیں اور نور بھی، بشریت و نورانیت میں باہم کوئی تضاد و تعارض اور منافات و تناقض نہیں کہ ان میں اجتماع محال ہو، حضور کریم ذات کے اعتبار سے جنس بشریت میں سے ہیں اور صفات کے لحاظ سے اللہ کے نور! نور ہی نہیں نورٌ علیٰ نور، مصدر نور، منبع نور، مخزن تجلیات!

قرآن آپ کو سراج منیر کہتا ہے، آفتاب عالمتاب، دنیا کو منور کرنے والا سورج! منوّر اور منیر میں فرق ہے۔ منور وہ جو خود روشن اور تابدار ہو اور منیر وہ جو دنیا کو جگمگا دے۔

تو حضور نور ہی نہیں منیر بھی ہیں۔ اور ساری دنیا آپ سے مستنیر! حضور خود ہی منوّر نہیں دنیا کو بھی منوّر کرنے والے ہیں۔ اس لحاظ سے حضور کے نور ہونے میں جو بھی شک کرے گا۔ کلام الٰہی کا منکر ہو گا۔ اور دائرہ اسلام سے

خارج ! نور ہونا تو بجائے خود ! جو حضور کی شانِ تنویر سے انکار کرے گا۔ دنیا کو نور بنانے والا دھرتی کو منور کرنے والا اور روئے زمین کو جگمگانے والا نہیں جانے گا۔ وہ بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔

شکمی بحث جس طرح حضور نور ہیں۔ اسی طرح سید البشر بھی ہیں۔ آپ کے نور ہونے میں کلام ہے نہ بشر ہونے میں۔ لہٰذا نور و بشر کی بحث کوئی علمی بحث نہیں یہ دراصل "شکمی" بحث ہے۔ اور اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے دنیا کو بُدھو بنایا جاتا ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں یہ مسلمانوں کے عقل و شعور سے تلعب و تمسخر ہے۔ عامۃ الناس کے ذہن و فکر کی توہین و تضحیک ہے۔ کاش کہ عوام بیدار ہو کر اپنی اس توہین کی اجازت نہ دیتے۔ ان پیٹ کے دھندوں کی حوصلہ افزائی نہ کرتے۔ مسلمانوں میں افتراق انگیزی اور تفرقہ اندازی کی اس ناپاک مہم کے خلاف آواز بلند کرتے تو اس قسم کے "شکمی" مسائل پیدا ہی نہ ہوتے، ان فضول مباحث اور تفریق بین المسلمین کا سدِ باب و استیصال ہو جاتا۔ در حقیقت عوام کے ذہن کو پست فکر کو مردہ اور شعور کو خوابیدہ سمجھ کر اس قسم کے فضول و فرسودہ مسائل و مباحث چھیڑ لئے جاتے ہیں ۔

اللہ کے کچھ بندے معبود ہی بن بیٹھے
لوگوں میں نظر آئی جب خم تے جبیں سائی

نورِ نبوّت کا ظرف قلب بشری ہے

آج مسلمان حضور سید الانبیاء امام المرسلین کی بشریت کا انکار کر رہے ہیں اور وہ ظرفِ بشریت کو نعمت نبوّت کے قابل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ بارِ نبوّت و رسالت کا متحمل اگر ہو سکا تو قلبِ آدم! ؎

متحمل نہ ہوا ظرف دو عالم جس کا!
بھر دی ساقی نے وہی مے مرے پیمانے میں

ملائکۃ اللہ کو منصب نبوّت پر فائز نہیں کیا گیا!

ارض وسماوات اور جبال تک جس بارِ امانت کے تحمل کا تصور تک نہ کر سکے انسان نے اسے ہنسی خوشی اٹھا لیا۔ ملائکہ مقربین —— اللہ تعالےٰ کی نورانی مخلوق —— اِس بارگراں کو اپنے کندھوں پر لینا چاہتے تھے مگر خدائے علیم و حکیم نے ان میں اس کی صلاحیت واہلیت کا فقدان پایا۔ اور اس امانت عظمیٰ کو ان کے حوالے نہ فرمایا۔ ان کو دوسری نوعیت کی خدمات تفویض فرمائیں اور اپنی خلافت ونیابت ——

بوت و رسالت ——— کے لئے سیدنا حضرت آدمؑ اور بنی آدم کو چن لیا ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا!
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

آج اور کل

بہرحال آج مسلمان بشریت کو منصبِ رسالت و مقامِ نبوت کے منافی سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ کل کفار یہی سمجھتے تھے۔

کفار و مشرکین نے بشر کو کبھی نبی تسلیم نہیں کیا۔ آپ یہ جان کر شاید سراپا حیرت بن جائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفار و مشرکین مکہ نے بھی اسی بنار پر حضور کی نبوت کا انکار کیا اور حضور سے پیشتر جتنی قومیں آئیں ان سب نے بھی بر بنائے بشریت حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور اس کی پاداش میں عذاب الٰہی کے شکنجے میں کسی گئیں۔

خودی کی موت!

ان کی خودی مٹ چکی تھی اور ان کا احساس کمتری اس حد تک بیدار اور تیز ہو چکا تھا کہ ایک اپنے ہم جنس انسان کے اتنے بلند ترین منصب پر قائم ہونے کا تصور بھی ان کے دل و دماغ پر بارِ گراں تھا وہ اتنا ذلیل ہو گئے تھے کہ اپنے

جیسے انسان کا اتنا بڑا اعزاز ان کے فہم و فکر میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ ان کا ذہن یہ تھا کہ اس عہدۂ جلیلہ و منصب عظیمہ کے مستحق اگر ہیں تو ملائکہ!

عہدِ رسالت امم ماضیہ و اقوام سابقہ کی طرح عہد رسالت کے کفار و مشرکین نے بھی اپنے میں سے ایک بشر کے دعویٰ نبوت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔

کفار بشر کو نبی نہیں مانتے نوعِ بشر کا ایک فرد خلعتِ فاخرہ نبوت سے سرافراز ہو اس کو ان کا عقل و خرد اور فہم و فکر کبھی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے خلاف عقل و دانش سمجھتے اور اسی بنا پر ایک انسان کے دعویٰ نبوت کو دیوانگی سے تعبیر کرتے تھے۔

اور مسلمان نبی کو بشر نہیں مانتے آہ! انسانیت ابتدائے آفرینش سے عہدِ رسالت مآب تک جس ضلالت و گمرہی جس گراوٹ اور پستی اور جس احساس کمتری میں مبتلا رہی۔ آج بھی اسی میں مبتلا نظر آتی ہے۔ سیدنا حضرت نوح سے لے کر حضور خاتم النبیین تک جمیع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اعداء و مخالفین اور منکرین و مکذبین نے جس بشریت کی بنا پر ان حضرات

کی تکذیب کی۔ آج اسی بشریت کا انکار عہد حاضر کے مسلمان فرما رہے ہیں، وہ بھی بشریت کو گرا پڑا مقام دیتے اور منافیٔ نبوت جانتے تھے اور یہ بھی بشریت کو معمولی چیز سمجھتے اسے منافی نبوت جانتے، اور نبی کو بشر کہنے میں نبی کی توہین تصور کرتے ہیں۔ ع

تعجب پر تعجب ہے اچنبھے پر اچنبھا ہے

اللہ اللہ! کہاں تو عند اللہ انسانیت و بشریت کا یہ بلند و بالا مقام! کہ ملائکۃ اللہ کو جو منصب نبوت تفویض نہیں فرمایا جاتا اس کا اہل صرف بشر کو پایا جاتا ہے اور وہ بشر کو عطا فرما دیا جاتا ہے۔

اور کہاں عند الناس بشریت کی یہ ذلت و بے توقیری کہ حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کی طرف اس کی نسبت کرنا بھی کفر تصور کیا جاتا ہے۔

آج تک مخلوق کی طرف سے خالق کی بغاوت، اور انسانیت کی طرف سے انسانیت کی توہین و تذلیل اور عناد و عداوت کا یہ عبرت انگیز منظر چشم فلک نے روئے زمین پر شاید کبھی نہ دیکھا ہو، متحدہ بغاوت و عداوت! جس طرح کل کفار و مشرکین نبوت و بشریت کا اجتماع محال جانتے تھے، اسی طرح آج بعض مسلمان

اس اجتماع کو محال مانتے ہیں ۔ اور ظرفِ بشریت میں نعمتِ رسالت و نورِ نبوت کی سمائی کے تصور کو کفر یقین کرتے ہیں ۔ انا للہ !

جنات وغیرہ غیر جنس کی طرف سے انسانیت کی اگر یہ اہانت و تذلیل ہوتی تو قابلِ افسوس نہ تھی مگر آہ کہ انسانیت کی یہ توہین و تضحیک مدعیانِ انسانیت کی طرف سے ہو رہی ہے ؎

خندۂ اہلِ جہاں کی مجھے پرواہ کیا ہے
تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی

شیطان نے انسانیت کا احترام اور آدمیت کی تعظیم نہ کی۔ کوئی غم نہیں۔ مگر انسان انسانیت کا استخفاف کریں اس کی صحیح قدر نہ کریں اس کا واقعی مقام تسلیم نہ کریں یہ ستم کیسے برداشت کیا جائے ؟

نہیں غم کہ دشمن ہے سارا زمانہ
مگر آہ ! تم نے بھی اپنا نہ جانا

مظلوم انسانیت بچاری فریاد و فغاں کر کے کہتی ہو گی ؎

دورِ گردوں میں کسی نے اپنی غمخواری نہ کی
دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی

سِرَاجًا مُّنِیْرًا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیرا فرمایا گیا ہے حالانکہ حضورؐ اپنی جمالی شان کے پیش نظر قمراً منیراً ہیں چاند میں ٹھنڈک ہے، اور نور بھی، حسن بھی ہے اور جمال بھی! سورج میں تپش ہے اور گرمی، شدّت ہے اور جلال، چاند کی چاندنی پیاری پیاری، میٹھی میٹھی اور کیف انگیز و روح افزا ہے۔ سورج کی روشنی میں شدّت ہے اور تیزی، چاند جمال ہی جمال ہے، اور سورج جلال ہی جلال! اِدھر حضور مصدر جمالیات ہیں مگر خدائے علیم و حکیم نے اپنے حبیب جمیل کو قمر نہیں فرمایا سراج فرمایا ہے۔ کیوں؟

۱۔ سائنس کی تحقیقات کے مطابق سورج کا نور وہبی ہے کسبی نہیں۔ سورج صرف خدائے واحد سے لیتا ہے اور ساری دنیا کو نور دیتا ہے۔ رات ہو یا دن چاند ہو یا ستارے؟ سب سورج سے مستنیر و مستفیض ہیں۔ سورج سب کو روشنی دیتا ہے لیتا کسی سے نہیں، لیتا ہے تو صرف اپنے خالق سے۔ ساری دنیا اکتساب نور و استحصال ضیا کے لئے سورج کی محتاج ہے۔ لیکن سورج کسی کا بھی محتاج نہیں اگر محتاج ہے تو صرف ایک خدا کا!

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی وہبی ہے،

کبھی نہیں۔ ساری دنیا آپ سے نور ہدایت حاصل کرتی ہے۔ آپ کسی سے بھی حاصل نہیں کرتے۔ اپنے خدا سے حاصل کرتے ہیں۔ ساری دنیا آپ کی محتاج ہے آپ کسی کے محتاج نہیں، سوائے ایک اللہ کے۔ جس طرح سورج خدا اور خلق خدا کے درمیان واسطہ ہے۔ خالق سے نور لیتا اور پوری دنیا کو دیتا ہے اسی طرح حضور بھی خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ خالق سے نورِ ہدایت حاصل کرتے اور مخلوق کو عطا فرماتے ہیں۔ انما انا قاسم واللہ یعطی چاند میں یہ بات نہیں وہ تو خود سورج کا محتاج ہے اس کا نور اصلی نہیں فضلی ہے۔ وہبی نہیں کسبی ہے وہ گو دنیا کو دیتا ہے لیکن سورج سے لیتا ہے۔ مخلوق کا محتاج ہے، اس لئے رب العزت نے اپنے محبوب جمال مجسم کو باوجود رشکِ قمر ہونے کے قمر نہیں فرمایا۔ سراج فرمایا ہے۔

۲۔ چاند کی روشنی ہمہ گیر اور ہمہ رس نہیں، چودھویں کا چاند ہو رات کے بارہ بجے ہوں۔ سر پہ چمک رہا ہو۔ ساری دنیا روشن ہو گی، مگر کمرے کے اندر اندھیرا ہو گا۔ وہاں بجلی، لیمپ، چراغ، موم بتی کسی نہ کسی چیز کی ضرورت ہو گی۔ کائنات نور سے معمور ہے۔ باہر

چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ لیکن اگر کوئی بندۂ خدا مٹی کے بدبودار تیل کی چمنی یا دھیلے پیسے کی موم بتی روشن کرکے گھر میں بیٹھ رہتا اور کہتا ہے کہ تمہارا چاند تمہیں مبارک میرے گھر کے اندر تو اندھیرا ہے ؎

مرے گھر میں اب تک شب تار ہے!
زمانے میں کب کی سحر ہو گئی!

میں تو بدبودار چمنی یا مٹی کے دئے کا محتاج ہوں، میں تو موم بتی ضرور جلاؤں گا، تم مجھے نہیں روک سکتے۔

فرمائیے آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

لیکن اگر کوئی بندۂ خدا دن کے بارہ بجے جبکہ آفتاب نصف النہار پوری کائنات کو منور کر رہا ہے۔ اپنے گھر کے اندر کوئی دیا، موم بتی وغیرہ جلاتا ہے، تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا دماغ خراب ہے۔ سورج کی روشنی پوری دنیا کو روشن کر رہی ہے، کوئی تاریک گوشہ کونہ بھی ایسا نہیں جو سراج منیر سے مستنیر نہ ہو رہا ہو۔ کمرہ ہو یا کوٹھڑی بالاخانہ ہو یا تہ خانہ! کوئی بھی جگہ ایسی نہیں، جہاں سورج کا نور نفوذ نہ کر رہا ہو۔ اس لئے اگر کوئی خدا کا بندہ سورج کی عملداری میں مٹی کے تیل کا متعفن اور دماغ سوز چراغ جلاتا ہے تو بس سمجھ لو کہ اس کا دماغی توازن برقرار

نہیں رہا، اور اب اس کا صحیح مقام پاگل خانہ ہے، خواہ
اسے دعویٰ مسندِ نبوت و مقام رسالت کا کیوں نہ ہو
سراجِ منیرِ رسالت کے طلوع! اور آفتابِ عالمتاب
نبوت کے ظہور کے بعد اب کسبِ نور ہدایت و حصول
ضیاء کے لئے کسی موم بتی یا متعفن چراغ کی کوئی ضرورت
نہیں، اب عرب و عجم سارا عالم حضورؐ کے سراج منیر
سے منور ہے۔ اب اگر کوئی بندۂ خدا خلق خدا کی ہدایت
کے لئے اپنی یا اپنے باوا جان کی "نبوت" کا دعویٰ کرتا
ہے۔ تو اس کا دماغ خراب ہے اور اس کا صحیح مقام
لاہور سے باہر نہیں بلکہ لاہور ہی کا ایک "گوشہ" ہے۔
۳۔ سورج کامل ہے، گھٹتا بڑھتا نہیں، بخلاف اس
کے چاند کبھی کامل ہے کبھی ناقص، بلکہ اکثر و بیشتر ناقص
رہتا ہے۔ اور کمتر کامل ہوتا ہے۔ کامل ہوتے ہی اس میں
نقص آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور بعض راتیں تو ایسی بھی
ہوتی ہیں کہ نہ کامل ہوتا ہے نہ ناقص، لیکن سورج میں
یہ بات نہیں، یہ ہمیشہ کامل اور دائم قائم ہے۔ یہ
کبھی رو بہ زوال و انحطاط اور نقص پذیر نہیں ہوتا۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی کامل مکمل ہے۔ یہاں
نقص و زوال اور عدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرمایا گیا ہے۔ قمر منیر نہیں فرمایا۔

قرآن نور ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت ہیں اسی طرح قرآن کریم بھی نور ہدایت ہے۔ ارشاد فرمایا:-

یاایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا ٥ (پارہ ٦ آخر سورۂ نساء)

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل (کامل) آچکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف ایک نور واضح نازل کیا ہے۔

۲۔ فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ لا اولئک ھم المفلحون ٥ (پارہ ۹ سورۂ اعراف ع ۱۹)

سو جو لوگ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے۔ اور ان کو قوت دی اور ان کی مدد کی، اور اس نور (کامل قرآن کریم) کا اتباع کیا۔ جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ یہی لوگ ہیں (دارین میں) پوری فلاح پانے والے۔

ظاہر ہے کہ اس کا مصداق اصحابؓ نبیؐ ہیں اور یہ یاران رسول کی شان بیان ہو رہی ہے۔

ایک نکتہ:-

سبحان اللہ قرآن کریم بھی حضور کا ساتھی اور صحابہ کرام رض بھی حضور کے ساتھی ! قرآن انزل معہ تو صحابہ کرام ارسل معہ محمد رسول اللہ والذین معہ

۳- فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا ہ
(پارہ ۲۸ سورہ تغابن)

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل کیا۔

حضورؐ اور قرآن کی نور افشانیاں اور عالم افروزیاں !

حضور کی ذات پاک سراپا نور، اور آپ پر قرآن کریم نور، نازل ہو گیا۔ اب دیکھئے یہ نورٌ علیٰ نور کس طرح ظلمت کدۂ عالم کو منور کرتے اور تیرہ و تار دھرتی کو کس طرح چمکاتے اور جگمگاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:—

۱- آلرا کتب انزلناہ الیک لتخرج النا س من الظلمت الی النور ۵ (پارہ ۱۳ آغاز سورہ ابراہیم)

یہ (قرآن کریم) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ تاکہ آپ (اس کے ذریعے) لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالیں۔

جہاں دو نور مل جائیں وہاں ظلمت کا کیا کام! جہاں محمد مصطفےٰ اور قرآن مل کر ضوباری فرمائیں وہاں اندھیرا کہاں باقی رہ سکتا ہے۔!

۲۔ قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین ہ یھدی به اللہ من اتبع رضوانه سبل السلام ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنه ویھدیھم الی صراط مستقیم ہ (پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۳)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے۔ اور ایک کتاب واضح جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو رضائے الٰہی کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں! اور ان کو اپنے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں۔ اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہتھیار قرآن مجید ہے اسی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفر و شرک اور نفاق و فسق کی تاریکیوں کو ہٹا اور مٹا کر حق و صداقت اور دین و ایمان کا اجالا ہی اجالا کر دیتے ہیں۔

۳۔ ھو الذی ینزل علی عبدہٖ ایٰت بینٰت لیخرجکم من الظلمٰت الی النور ط وان اللہ بکم لرؤف

رحیم ۔ (پارہ ۲۷ سورۃ حدید ع اول)
وہ (اللہ) ہے۔ جو اپنے (خاص) بندے (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالےٰ تم پر بڑا شفقت کرنے والا نہایت مہربان ہے۔
واشفقت ورحمت سے اپنے محبوب کریم اور قرآن کریم کے ذریعہ سے دنیا کو کفر وجہل کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق وہدایت میں لاتے ہیں۔

۴۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا ہ رسولاً یتلوا علیکم ایٰت اللہ مبینٰت لیخرج الذین آمنو وعملوا الصلحٰت من الظلمٰت الی النور (پارہ ۲۸ سورۃ طلاق ۲۶)
بے شک اللہ تعالےٰ نے تمہاری طرف نصیحت (کی کتاب) نازل کی ہے (ساتھ ہی) ایک رسول (بھی) جو تمہیں اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ اہل ایمان اور نیک لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں۔

۵۔ وکذالک اوحینا الیک روحًا من امرناط ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورا نھدی بہ من نشآء من عبادناط وانک لتھدی الی صراط مستقیم ۔ (پارہ ۲۵ خاتمہ سورہ شوریٰ)

(اے رسول معصوم) اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی قرآن بھیجا اپنے حکم سے! (اس سے پیشتر) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان (کا انتہائے کمال یا اعمال ایمانیہ کی تفصیلات) کیا چیز ہے۔ ولیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ آپ سیدھی راہ ہدایت کر رہے ہیں۔ ۔۔ ۔۔ تو ذریعہ ہدایت قرآن اور حضور دونوں ہیں۔ اللہ تعالےٰ حضور پہ قرآن نازل فرماتے ہیں اور حضور نور قرآن سے دنیا کی تاریکیوں کو پھاڑتے کفر و جہالت کی ظلمتوں کو ہٹاتے اور دنیا کو منور فرماتے ہیں۔

یہاں قرآن کریم کو روح فرمایا ہے کیونکہ یہ مردہ افراد و اقوام کو نئی زندگی بخشتا ہے۔ اور مردہ قلوب میں اس کی تاثیر سے تازہ روح پیدا ہو جاتی ہے۔

ملائکۃ اللہ بھی! کتاب اللہ اور حضرت رسول اللہ کے بعد اب ملائکۃ اللہ کا نمبر آتا ہے اور فرشتے بھی اسی میدان میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

۲۔ ھوالذی یصلی علیکم وملٰئکتہ لیخرجکم

من الظلمت الی النور ؕ وکان بالمؤمنین رحیما ہ

(پارہ ۲۲ سورۃ احزاب ع ۶)

(اللہ) وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے۔ اور اس کے فرشتے بھی (دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے اور وہ ایمان والوں پہ نہایت مہربان ہے اللہ میاں خود بھی! دیکھئے اللہ خود بھی اپنے بندوں کو کفر و جہالت کے اندھیروں سے خارج کرکے ایمان و تقوی اور اخلاص و احسان کے اجالوں میں لاتے اور انہیں چاہِ ضلالت سے نکال کر شاہراہِ رشد و ہدایت پہ گامزن فرماتے ہیں۔

۷۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور ؕ والذین کفروا اولیئھم الطاغوت لا یخرجونھم من النور الی الظلمت اولئک اصحب النار ج ھم فیہا خالدون ہ (پارہ ۳ سورۃ بقرع ۳۴)

اللہ ایمان والوں کا دوست (وکارساز اور حافظ و ناصر) ہے، انہیں اندھیروں سے اجالوں کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست ہیں شیطان! وہ انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کشمکش اور مقابلہ

یہ دنیا تو سفر خانہ اور دار الفنا کی گاہ نہیں یہ میدان کشاکش ہے، جہاں حق و باطل میں ہر وقت ہنگامۂ کارزار گرم رہتا ہے۔ ایک طرف اہل ایمان ہیں اور اللہ ان کے ساتھ ہے، دوسری طرف اہل کفر ہیں اور ان کی پشت پر شیاطین ہیں، اور کشمکش ہو رہی ہے۔ مقابلہ ہے بڑے زور کا مقابلہ!

ایک سوال

اب سوال یہ ہے کہ حق و باطل کی اس کش مکش اور کفر و اسلام کی اس رسہ کشی میں میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے، فتح کس کی ہوتی ہے!
یہ کوئی معمولی ہنگامہ اور عام مقابلہ و محاربہ نہیں۔ غیر معمولی مقابلہ اور خاص الخاص ہنگامۂ کارزار ہے۔

ایک طرف:

- ــــــ اللہ رب العزت خود ہیں۔
- ــــــ اللہ میاں کی کتاب قرآن کریم ہے۔
- ــــــ اللہ میاں کے رسول کریم محمد مصطفےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور
- ــــــ اللہ میاں کے ملائکہ ہیں، اور

دوسری طرف:

ــــــ شیطان رجیم و لعین ہے اور اس کی پوری ذریت!

فوج در فوج!

ایک طرف حق تعالیٰ اور پوری حقانی قوتیں ہیں اور
دوسری طرف شیطان مردود اور تمام شیطانی طاقتیں!

فتح کس کی؟

اب سوال یہ ہے کہ اس ہنگامۂ عظیم و مقابلۂ جلیل میں میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے۔ اس کشمکش میں جیت کس کی ہوتی ہے؟

اگر اعدائے صحابہ کا نقطۂ نظر صحیح ہے اور صحابۂ کرام معاذ اللہ سچے مسلمان نہیں اور حضورؐ کے بعد کیا حضور کی موجودگی میں کفر اسلام پر اور باطل حق پر غالب آگیا ہے۔ تو العیاذ باللہ فتح شیطان اور شیطانی طاقتوں کی ہے۔ رب جلیل اور تمام ربانی قوتوں کی شکست ہے، شکست فاش! نعوذ باللہ!

اور اگر مسلکِ حقہ اہل سنت حق ہے۔ اور اصحابؓ رسولؐ مومنین کاملین اور رسول کے سچے جانشین ہیں تو فتح خدا اور خدا کے رسول کی ہے، حق اور اہل حق کی ہے، اور طاغوت اور تمام طاغوتی قوتوں کی شکست ہے۔

الحمد للہ کہ اہل سنت کا مسلک حق ہے، اور اس مسلک حق کے مطابق حق غالب آیا۔ باطل مغلوب ہوا، اسلام کی فتح ہوئی اور کفر مہزوم ہو گیا۔ خدا، حضور محبوبؐ خدا قرآن اور تمام حقانی قوتوں کی جیت ہوئی اور شیطان لعین دُم دبا کر بھاگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ دنیویہ میں حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا اور حضورؐ کے بعد یارانِؓ نبیؐ خصوصاً جانشینانِؓ رسولؐ نے سے

فیضانِ پیمبر کو کیا عام انہوں نے — آفاق میں روشن ہیں ہدایت کے ستارے
لہرائے علم ملت بیضا کے جہاں میں — معدوم انہوں نے کئے باطل کے شرارے
ممنون ہیں دل ان کی مسیحا نفسی کے — از ہمت شاں در چمن زیست بہارے

منطقی بحث اور اصولی طور پر ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ کیوں کہ بعثت رسول اور تنزیل قرآن سے پہلے کفر کا غلبہ اور ظلمت کا دور دورہ تھا، اگر حضور کی تشریف آوری اور نزول قرآن کے بعد بھی کفر غالب اور اندھیرا چھایا رہتا ہے تو حضور کی بعثت اور تنزیل وحی کا فائدہ؟ اندھیرا تو پہلے حاوی تھے اگر طلوع آفتاب کے بعد بھی اندھیرا ہی اندھیرا رہتا ہے تو اس آفتاب کا فائدہ؟ سورج بھی نکل آئے اور اندھیرا بھی باقی رہے ناممکن ہے!

اسی طرح سراج منیر ہدایت طلوع پذیر ہو اور ظلمت کفر و ضلالت بھی برقرار رہے ناممکن ہے! جس طرح سورج کی اولین کرن تہ بہ تہ اندھیروں کا جگر چیر ڈالتی اور ہر سو اجالا ہی اجالا کر دیتی ہے اسی طرح آفتاب عالمتاب ہدایت و رسالت کے ظہور و طلوع سے فوراً کفر و جہالت کی عمیق تاریکیاں پھٹ جاتی ہیں، شرک و

ظلم کے کالے بادل چھٹ جاتے ہیں اور رشد و ہدایت کے
نور سے یہ پوری دنیا معمور ہو جاتی ہے۔

۸۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا
علیھم اٰیتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ
وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ۝

(پارہ ۲۸ آغاز سورہ جمعہ)

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک
رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان کو آیاتِ الٰہی پڑھ پڑھ کر سناتے
ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ و اخلاق فاسدہ سے) پاک کرتے
ہیں، اور ان کو کتاب اور دانش مندی (کی باتیں) سکھلاتے
ہیں، اور بلاشبہ یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے کھلی
گمراہی میں پڑے ہوئے تھے[1]۔

دعوتِ فکر حضور کی تشریف آوری سے پہلے اور
نزول کتاب و حکمت سے پیشتر دنیا
سرتاسر گمراہی میں بھٹک رہی تھی۔ اگر بعد میں بھی العیاذ
باللہ یہی حالت رہتی ہے بلکہ اس سے بھی معاذ اللہ بد تر

---

[1] اس مضمون کی آیت سورہ بقرہ میں دو جگہ اور سورہ آل عمران رکوع ۱۷
میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو!

ہو جاتی ہے کفر منظم ہو کر اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، باطل
کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار آجاتی ہے اور وہ حق کی تمام قدریں
ایک ایک کر کے پامال و برباد کر ڈالتا ہے تو حضورؐ کی
بعثت اور نزول قرآن کا کیا نتیجہ؟ اور حضور کی تقریباً ربع
صدی کی جانکاہ و صبر آزما محنت و مشقت شبانہ روز
تبلیغی مساعی آیات قرآنی کی تلاوت کتاب و حکمت کی
تعلیم اور تزکیۂ نفوس و تصفیۂ قلوب کا کیا حاصل؟
پھر تو عیاذاً باللہ یوں کہنا پڑے گا کہ حضور آوارہ و منتشر
کفر کو منظم و مضبوط کرنے اور باطل کے بے جان عناصر
میں زندگی کی نئی روح پھونکنے آئے تھے۔ معاذاللہ!
عقلی نقطۂ نظر سے بھی حق کو باطل پر اسلام کو کفر پر غالب
آنا، اور نور کو ظلمت پر چھا جانا چاہیے اور وہ واقعی و عملی
طور پہ غالب آیا اور چھایا بھی! اس کشمکش میں فتح خدا رسولِ
خدا اور قرآن کی ہوئی اور شیطان کو شکست فاش! اس
کشکش میں حقانی قوتیں کامیاب و فائز المرام اور منصور و
مظفر ہوئیں اور تمام طاغوتی طاقتیں ناکام و نامراد خائب و
خاسر اور مہزوم و مغلوب ہو گئیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک
حمداً کثیرا۔

خلاصہ۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراج منیر ہدایت ہیں اور قرآن نور رشد!

۲۔ بعثتِ حضور اور نزول قرآن سے پیشتر دنیا پر کفر و جہالت اور ظلم و ضلالت کی تہ بہ تہ تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔

۳۔ قرآن کے نزول اور آفتاب ہدایت و سراج رسالت کے طلوع ہوتے ہی تمام تاریکیاں یک قلم کافور ہو گئیں۔ اور

۴۔ نور حق سے ہر سو اجالا ہی اجالا اور اسلام کا دنیا میں بول بالا ہو گیا۔

اس کے خلاف جو لوگ اصحاب رسول کی نورانیت کے قائل نہیں اور آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد بھی ظلمت کا دور دورہ مانتے ہیں وہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تنویر اور سراج منیر کی نور افشانی و ضیا گستری کا انکار کرتے ہیں اگر حضور کی شان تنویر پر ایمان ہے تو صحابہ کرامؓ کی نورانیت اور صداقت و امانت پر ایمان لانا پڑے گا، اور اگر صحابہ کرامؓ کو معاذ اللہ نور ہدایت سے دور و مہجور اور نشۂ ظلمت میں چور چور سمجھا جاتا ہے تو حضور کی شان تنویر کا انکار لازم آئے گا۔

العیاذ باللہ!

چونکہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور سراج منیر ہدایت ہیں، لہذا ہمارا ایمان ہے کہ جمیع صحابہ کرام رض نور رشد و ایمان سے منور اور خود آسمان ہدایت کے چاند تارے ہیں۔ رضی اللہ عنہم

ب۔ ۱۔ یہ دنیا بازیچۂ طفلاں اور بازیگہ اطفال نہیں، یہ عرصۂ پیکار اور میدان کارزار ہے جہاں حق و باطل نور و ظلمت اور اسلام و کفر میں کشمکش جاری ہے۔ ہدایت و ضلالت میں کشاکش ہے۔ حقانی و طاغوتی اور ربانی و شیطانی قوتوں میں رسہ کشی ہے، ایک طرف خود خدائے قوی و قادر ہیں۔ آپ کے رسول مقبول ہیں۔ آپ کا کلام عزیز ہے اور آپ کے ملائکہ! دوسری طرف شیطان رجیم ہے، اور اس کی فوج در فوج ذریت!

۲۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس جنگ و پیکار میں جیت خدا و رسول کی ہے، اور ہار شیطان کی! اس کشمکش و مقابلہ میں کامیابی حق کی ہے اور شکست باطل کی! اس محاربہ عظیم میں فتح رب اکبر اور ربانی طاقتوں کی ہے اور شکست طاغوت اور طاغوتی قوتوں کی! اور یہ تب ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کامیاب و غالب ہوں۔ اور حضور کے بعد مسند اقتدار و خلافت پر اہل حق و صداقت متمکن و جاگزیں ہوں۔

۳۔ اگر معاذ اللہ حضور بوقت وصال اتنے مجبور و مغلوب ہیں کہ آپ کا کوئی حکم نہیں مانا جاتا۔ طلب و اصرار پر آپ کو کاغذ کا پرزہ تک نہیں ملتا آپ کچھ لکھا پڑھا نہیں سکتے اسکا حکم وامر جاری نہیں فرما سکتے اور بستر نبوت و بیت رسول پر نعوذ باللہ منافقین کا غلبہ و تسلط ہے اور حضور کی وفات کے بعد مسند نبوت و رسالت پر بھی معاذ اللہ اعدائے دین چھا جاتے ہیں، خلافت پر نعوذ باللہ منافقین کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ قرآن عزیز العیاذ باللہ جلا دیا جاتا ہے رسول کی وصیتوں کو عیاذاً باللہ مسترد کر دیا جاتا ہے، حضور کی تحریرات کو پرزہ پرزہ کر دیا جاتا ہے، ابنت رسول حضرت سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کی توہین و تذلیل کی جاتی ہے معاذ اللہ فرمان خدا و رسول کے خلاف آپ کا حق غصب کر لیا جاتا ہے اور سیدنا حضرت علیؓ کو قرآن کے واضح احکامات اور رسولؐ کے مکرر ارشادات و تاکیدی فرامین کے برعکس خلافت سے محروم کر دیا جاتا ہے، ظلم و باطل کا دور دورہ ہوتا ہے اور حق و عدل کا ڈھونڈے سے کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

۴۔ پھر ظلم پہ ظلم ستم پہ ستم اور سب سے بڑا ظلم و ستم یہ ہے کہ کسی کو اس زیاں کا احساس ہی نہیں ہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریباً ربع صدی کے ہزاروں بلکہ لاکھوں تعلیم و تربیت یافتہ انسانوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں ملتا جو حمایتِ حق کے لئے میدان میں نکلتا، اور ظلم و باطل کا مقابلہ کرتا۔

۵۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ خود مظلوم میں ظلم کی مزاحمت و مدافعت کی قوت و سکت نہیں اور خلافت کے مستحق اپنا دعویٰ لے کر بطور امیدوار کھڑا نہیں ہو سکتے گھر سے نکل نہیں سکتے!

۶۔ اگر معاذ اللہ اس "الف لیلائی" قصہ میں صداقت کا تھوڑا بہت حصہ ہے اور اس طویل ترین افسانہ میں ذرہ بھر حقیقت ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ حق کی شکست و موت ہے اور باطل کی فتح و کامرانی خدا اور رسول خدا اور ربانی طاقتوں کی ہار ہے اور شیطان مردود اور شیطانی لشکر کی جیت! معاذ اللہ!

شورج سائنس کی نظر میں

دنیا کے باطل مذاہب سائنس کے انکشافات سے لرزہ براندام ہیں لیکن دینِ حق محو خرام! جوں جوں سائنس اسرار و رموزِ کائنات کی پردہ دری کرتی چلی جائے

گی توں توں دین فطرت کی صداقتیں نمایاں اور سچائیاں بے نقاب ہوتی جائیں گی۔ سائنس کے انکشافات اور حقیقت و ماہیت اشیاء کی نقاب کشائی و رونمائی سے دینی "مشکلات" کی خود بخود عقدہ کشائی ہوتی چلی جائے گی۔ اور کتاب و سنت کے وہ حقائق جن کے ادراک سے عقل انسانی عاجز تھی ــــــ اور وہ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرنے کی بجائے عموماً ان حقائق کا منہ چڑانے لگ جاتی تھی ــــــ آپ سے آپ سمجھ میں یا سمجھ ہی میں نہیں نظر میں آتے جائیں گے، اور گتھیوں پر گتھیاں سلجھتی چلی جائیں گی۔ انشاء اللہ!

سراج منیر کی بحث اوپر گزر چکی ہے۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب کریم کو اقلیم روحانیت کا تاب دار سورج فرمایا ہے۔ کیوں۔؟

بے شمار مصالح میں سے چند ایک کی طرف اس عاجز نے اپنے فہم و فکر کی بنا پر اوپر اشارہ کر دیا ہے، اب ذرا سائنس کی روشنی میں اس حقیقت کو دیکھئے اس مصلحت کو سمجھئے۔ اور سراج منیر ہدایت کی ضو پاشی و نور افشانی کی صلاحیتوں، طاقتوں، اور افادی وسعتوں اور ہمہ گیریوں کا اندازہ کیجئے "سائنس اور کائنات" میں ہے۔

"سورج حرارت کا منبع ہے۔ اور حرارت زندگی کا سرچشمہ!
اور آج اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا۔ کہ سورج کی ان حیات
بخش کرنوں کے بغیر زمین پر زندگی کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔
یہ پر اسرار کرنیں صرف حیوانات و نباتات ہی کی نشوونما نہیں کرتیں،
بلکہ حقیقت میں کوئلہ تیل اور پٹرول بھی ان ہی شعاعوں کے کیمیائی
عمل کا نتیجہ ہے۔ جس طرح حیوانات اور نباتات کی زندگی سورج
کی اس حرارت پر موقوف ہے بالکل اسی طرح موجودہ تہذیب
بھی اسی حرارت کی محتاج ہے۔ اسی حرارت کے ذریعے نہ صرف
لکڑی اور پتھر کا کوئلہ میسر آتا ہے۔ بلکہ زمین کے بست نیچے تیل
اور پٹرول کے ذخیرے بھی حقیقت میں اسی حرارت کے باعث
وجود میں آتے ہیں۔

("سائنس اور کائنات" ص۱۵ از پروفیسر محمد سعید صاحب مطبوعہ قومی
کتب خانہ لاہور) پھر ص۱۷ پر لکھتے ہیں:۔

"سورج کو قدرتی طاقت کا سرچشمہ مانا گیا ہے۔ اور اس
میں کوئی شک نہیں رہا کہ آج ہم جس قدر طاقت مشینوں کے ذریعہ
خرچ کرتے ہیں وہ اصل میں سورج ہی سے لی گئی ہے۔ کوئلہ صرف
سورج ہی کی طاقت سے بنتا ہے۔ چنانچہ ہم جس وقت کوئلے
کو جلا کر بھاپ (سٹیم) وغیرہ کی مشینی طاقت پیدا کرتے ہیں تو
دوسرے لفظوں میں ہم صرف سورج ہی کی طاقت کو کام میں لاتے

ہیں۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ڈھلان کی طرف بہتے ہوئے پانی اور تیز ہواؤں میں بھی جس قدر طاقت موجود ہے وہ بھی سورج ہی کی محتاج ہے اگر سورج ہر قسم کی تری اور پانی کو بخارات کی صورت میں آسمان کی طرف نہ کھینچتا اور پھر اسے بارش کی شکل میں دوبارہ زمین پر نہ بھیجتا تو صاف ظاہر ہے کہ دریا اور ندی نالے بھی نہ ہوتے۔ جن کی مدد سے ہم کئی قسم کی مشینیں چلا کر اپنی ضرورتوں کے لئے بجلی وغیرہ ایسی ضروری طاقت پیدا کرتے ہیں۔ اگر سورج زمین اور زمین کے اردگرد پھیلے ہوئے فضائی کرہ کو گرم نہ کرتا تو ہوا کی پیدا نہ ہوتی۔

تو سوال یہ ہے کہ پھر ہوتا کیا!

- ــــ حیوانات و نباتات کی نشو و نما کرے تو سورج
- ــــ کوئلہ تیل اور پٹرول بنائے تو سورج
- ــــ بھاری مشینیں چلائے تو سورج
- ــــ دریا اور ندی نالے بہائے تو سورج
- ــــ ہوا کو چلائے تو سورج

تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اگر سورج نہ ہوتا تو پھر کچھ بھی نہ ہوتا اور جس کے بغیر روئے زمین پر زندگی کا تصور محال تھا۔

صاحب لولاک مادی سورج سے متعلق ان تمام حقائق کو اب آپ سراج روحانی پر منطبق

فرمایئے اور بتلایئے کہ ان کے بغیر روحانی دنیا میں ایمانی حیات و زندگی کا کوئی بھی امکان ہے ؟ قطعاً نہیں !

آپ اس شمس کثیف سے سراج لطیف کی افادی حیثیت اور مرکزیت کا اندازہ فرمائیں۔

ع - قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

جب اس سورج کے بغیر اس دنیا میں زندگی محال ہے تو اس سراج منیر کے بغیر روحانی دنیا میں حیات کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے ؟ اور جب یہ حقیقت ہے تو فنی طور پر روایت کے اعتبار سے لولاک لما خلقت الافلاک خواہ محل بحث ہو لیکن معنوی طور پر اس کی حقیقت و صداقت میں کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے ؟ مادی حیات اور دنیوی افلاک کی تخلیق تو محل نظر ہو سکتی ہے لیکن روحانی حیات اور ایمانی افلاک کی خلقت حضورؐ کے بغیر بھلا کیسے ممکن ہے ؟

اور جب تخلیق کائنات سے مقصود و مطلوب ہی معرفت ربانی اور ایمان و روحانیت ہے تو پھر عالم روحانی کی ویرانی اور معرفت ربانی کے فقدان کی صورت میں اس مادی حیات اور ظاہری افلاک کی خلقت سے فائدہ ؟

افاضہ و افادۂ عام | اب ذرا سورج کی افادی حیثیت اور اس کے افاضۂ عام کی شان ملاحظہ ہو :-

تنویرا۔ لکھتے ہیں :—

"سورج ہر روز اس زمین پر جس قدر کرنیں نچھاور کرتا ہے اگر ان کا مشینی طاقت کے پیمانے سے شمار کیا جائے تو آدمی کی عقل دنگ ہو جاتی ہے، یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر ایک مربع میل میں ان کرنوں کی طاقت تقریباً ساڑھے بارہ ہزار گھوڑوں کی طاقت کے لگ بھگ ہوتی ہے جو روئے زمین کے پھیلاؤ کے مطابق کوئی اربوں گھوڑوں کی طاقت تک جا پہنچتی ہے (ص $\frac{18}{19}$)

ب۔ موسیو پیری نے سورج کی کرنوں کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں استعمال کرنے کے لئے ایک عجیب و غریب مشین بنائی ہے۔ اور یہ مشین براعظم یورپ میں بہت سے مکانوں پر لگائی گئی ہے۔

موسیو پیری نے جس حکمت کے ماتحت یہ روشنی حاصل کی ہے۔ وہ نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ کمروں کے ماحول میں ایسی مسرت انگیز، صحت بخش اور روح افزا فضا پیدا کرتی ہے۔ جسے کسی دوسری روشنی کے ذریعے پیدا کرنا ناممکن ہے

لے ایک گھوڑے کی طاقت ۳۳ ہزار فٹ پونڈ ہے۔ یعنی ایک گھوڑا ایک منٹ میں ۳۳ ہزار پونڈ کا وزن ایک فٹ تک کھینچ سکتا ہے۔

اس مشین کا سب سے زیادہ ضروری حصہ چھت پر ہی لگایا جاتا ہے اس سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ روشنی کو ایک مقام پر مرکوز کیا جائے۔ اور اس مقصد کو ایک شیشے کے ذریعے پورا کیا گیا ہے۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ صرف ایک ہی دن میں روشنی کی جس قدر تیز دھار اس شیشے پر مرکوز ہوتی ہے، اس کی مجموعی قوت تیس ہزار معمولی شمعوں کی روشنی کے برابر ہوتی ہے۔ (ص ۲۵/۲۶)

اللہ اللہ! سورج صرف ایک مربع میل میں ایک دن کے اندر ہزاروں گھوڑوں کی طاقت کی کرنیں نچھاور کرتا ہے۔ اور صرف ایک ہی دن میں ایک چھوٹے سے شیشے پر تین ہزار شمعوں کے برابر نور افشانی کرتا ہے۔

جب صرف ایک مربع میل اور ایک شیشے پر ضوباری وضیا پاشی کا یہ اندازہ ہے تو لاکھوں مربع میل روئے زمین پر نور افشانی کا حساب خود کر لیجئے اور جب مادی سورج کے افاضۂ عام کا یہ حال ہے تو روحانی سراج منیر کے فیضانِ تنویر کا اندازہ کون کر سکتا ہے!

پھر جب اس سورج کی کرنیں "مسرت انگیز صحت بخش اور روح افزا فضا پیدا کرتی ہیں" تو سراج منیر کی نورانی شعاعیں ماحول کو کتنا مسرت انگیز صحت بخش اور روح افزا بنائیں گی۔

اور اگر ہمارے علمائے کرام اور مبلغین حضرات ان سے کام لیں تو یہ
ساری دنیا روحانی اعتبار سے صحت و مسرت سے معمور کیوں
نہیں ہو سکتی؟ اور پوری دھرتی کی فضا روح افزا ایمان آفریں
اور دین افروز ہونے میں کیا دیر لگتی ہے! ضرورت صرف ہمارے
اندر ہمارے "موسیو پیری" کے پیدا ہونے کی ہے۔

صحت ا۔ لکھتے ہیں:۔

"قدرت نے اس میں صحت کے لئے بھی بے بہا خزانے
مستور کر دئے ہیں۔ ... سورج کی روشنی اور کرنیں لازمی
طور پر جراثیم کش تسلیم کی گئی ہیں۔ جب ماحول کی ہوا پر سورج کی
کرنیں پڑتی ہیں۔ وہ ہر ایک قسم کے جراثیم غلاظت اور کثافت
وغیرہ سے پاک ہوتی ہے (ص۲۵) پھر ص۲۲۶ پر ہے:۔

"یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ جراثیم کو ہلاک کرنے کے لئے
سب سے زیادہ طاقت ور سورج کی شعاعیں ہیں۔ یہ اس قدر
جراثیم ہلاک کر دیتی ہیں جو مصنوعی طریقوں سے سینکڑوں من
جراثیم کش دواؤں کے استعمال سے بھی نہیں مر سکتے"

جب قدرت نے اس مادی سورج میں صحت کے بے بہا
خزانے مستور کر دئے ہیں اور اس کی کرنیں جراثیم کش ہیں اور
جہاں یہ پڑتی ہیں وہ ماحول ہر ایک قسم کے جراثیم غلاظت
اور کثافت سے پاک ہوتا ہے تو روحانی سراج میں قلبی صحت

کے کتنے خزانے مستور ہوں گے ؟ اور اس کی تعلیمی کرنیں کس قدر جراثیم کش ہوں گی اور یہ جہاں پڑیں گی وہاں کفر و نفاق کے جراثیم شرک کی غلاظت اور ظلم و فسق کی کثافت کا نام و نشان رہ سکتا ہے۔ ؟

ب۔ قوتِ مدافعت (حفظ ماتقدم)

ص۱۶۵ پر لکھتے ہیں:۔

"انسانی بدن کو ان صحت بخش شعاعوں کے نیچے لانے سے نہ صرف حیاتین پیدا ہوتے ہیں بلکہ یہ خون میں بے پناہ مفید تحریک پیدا کرتی ہیں جن کے اثر سے خون میں دق دمہ اور پھیپھڑوں کی تمام ایسی بیماریوں کو روکنے کی قوت بڑھ جاتی ہے"

جب اس سورج کی شعاعوں سے انسان میں دق وغیرہ خطرناک امراض کی مدافعت کی قوت بڑھ جاتی ہے تو سراج روحانی کی ایمانی شعاعوں سے انسان میں کفر کے دق شرک کے دمہ اور نفاق کے ذات الجنب (نمونیہ) کو روکنے کی صلاحیت کیوں پیدا نہیں ہو جائے گی۔ ؟

ج۔ علاج

"حیاتین شمسی سے کئی ایسی چند بیماریاں جو بدن میں محض ایسے حیاتین کی کمی کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں مریض کو سورج کی حقیقی بنفشی شعاعوں کے نیچے بٹھا کر کامیابی کے ساتھ دور کی گئی ہیں۔

جب سے انسان نے یہ معلوم کیا ہے کہ حیاتین کی کمی کے باعث انسان کو جس قدر بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں ان کا علاج ان بنفشی شعاعوں سے کیا جاسکتا ہے اس وقت سے حکمت نے غالباً لاکھوں انسانوں کی جانیں بچائی ہوں گی۔ ان کی برکتوں سے لاکھوں کمزور بچے جن کی صحت اور سلامتی کی کوئی امید نہ تھی انتہائی تندرست اور توانا ہو گئے۔ سورج کی روشنی ہی کے طفیل کھانے پینے کی ہر چیز میں حیاتین پیدا ہوتے ہیں (ص ۱۶۵/۱۶۶)

جب اس سورج کی بنفشی شعاعیں بدن میں حیاتین کی کمی کو پورا کر کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جانیں بچاتی ہیں۔ تو سراج روحانی کی رحمتی شعاعیں کس طرح ایمانی حیاتین پیدا کر کے بدکرداری وبداعتقادی کے سوکھے وغیرہ کا کامیاب علاج نہیں کریں گی؟ اور کروڑوں انسانوں کی روحانی حیات کی بقا کا سامان کیسے مہیا نہیں کریں گی؟

د۔ بنفشی شعاعیں اس دنیا میں بہت سی اشیاء ہیں جن پر سورج کی بنفشی شعاعیں پڑتی ہیں تو ان میں سے ایک عجیب وغریب قسم کی شفاف نیلی روشنی پیدا ہوتی ہے (ص ۱۷۰)

چنانچہ بنفشی شعاعوں کے ذریعہ آسانی کے ساتھ اچھے اور خراب انڈوں گوشت ترکاریوں اور ایسی بے شمار دوسری

چیزوں کی اصلی حالت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ظاہری طور پر ان میں کوئی نقص یا خرابی نظر نہیں آ سکتی اسی طرح اصلی مکھن اور بناوٹی مکھن میں آسانی سے فرق ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ غرضیکہ بنفشی شعاعوں کے ذریعہ ہر چیز میں ملاوٹ کو آن کی آن میں ظاہر کیا جا سکے گا۔ .... حتیٰ کے آٹے میں بھی ملاوٹ وغیرہ کو ظاہر کیا جا سکتا ہے جس آٹے میں ملاوٹ ہو اس میں سے کسی قسم کی روشنی ظاہر نہیں ہوتی، اس کے خلاف گندم کے آٹے سے کسی قدر آسمانی رنگ کی روشنی خارج ہوتی ہے ہلکی اور سستی گندم کے آٹے سے پیلی روشنی نکلتی ہے۔ ان بنفشی شعاعوں کا سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ اگر سینما کی سکرین پر اسے استعمال کیا جائے تو وہ اداکار جن کے دانت مصنوعی ہیں بالکل سیاہ دکھائی دیتے ہیں ص ۱۷۲، ۱۷۳

اللہ اللہ! جب مادی سورج کی بنفشی شعاعیں گندے سڑے ...... انڈے بناوٹی مکھن ملاوٹ والے آٹے اور ہلکی اور سستی گندم کو اچھے انڈے اصلی مکھن خالص آٹے اور عمدہ گندم سے الگ کر کے رکھ دیتی ہیں۔" حالانکہ ظاہری طور پر ان میں کوئی نقص یا خرابی نظر نہیں آ سکتی"۔ تو سراج روحانی کی ایمانی شعاعیں اصلی اور نقلی کھرے اور کھوٹے بندوں کو

الگ الگ نہیں کریں گی! ـــــ جس طرح مادی سورج اصل اور نقل حقیقت اور تصنع میں امتیاز کر دیتا ہے اسی طرح روحانی سورج کھروں اور کھوٹوں مخلصین اور منافقین کو جدا جدا کر دیتے ہیں، اور "نگلے سڑے" انسانوں کو اچھے انسانوں سے چھانٹ کر الگ پھینک دیتے ہیں۔

"حالانکہ ظاہری طور پر ان میں کوئی نقص اور خرابی نہیں آسکتی" آخر یہ کیا قیامت ہے کہ دنیوی سورج تو آن کی آن میں ہر چیز میں ملاوٹ کو ظاہر کر دے لیکن سراج ہدایت ساری عمر کفار کے دل کے روگ اور نفس کے کھوٹ کو ظاہر نہ کر سکے اور آخر دم تک منافقین مخلص مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہیں جب سورج کی بنفشی شعاعیں اداکاروں کے مصنوعی دانتوں کو سیاہ دکھلاتی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ نور نبوت کی لمعاتی شعاعیں ان سیہ دل اور سیہ کار منافقوں کے "مصنوعی" ایمان کا پردہ فاش کر کے ان کے دلوں اور چہروں کو سیاہ نہ دکھلائیں اور انہیں مخلص مسلمانوں سے جدا اور الگ نہ کر دیں ...... " بسا ئنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ شمسی قوت ان ریگستانوں کو شاداب و زرخیز بنانے کے لئے آب پاشی وغیرہ کے ذرائع میں کامیابی سے استعمال ہو سکے گی"، (ص ۳۸) اگر سائنس دانوں کا

یہ خیال ہے تو ہمارا بھی یقین اور ایمان ہے کہ روحانی دنیا کی آبادی اور مذہبی ماحول کی شادابی قیامت تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک و مقدس قدموں سے وابستہ ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۹)
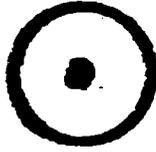
کتاب اللہ کی نویں شہادت

حضورؐ کی شانِ تطہیر!

نفس نفس پہ رحمتیں، قدم قدم پہ برکتیں | جدھر جدھر کو وہ شفیع عاصیاں گذر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک | وہیں وہیں سحر ہوئی، جہاں جہاں گذر گیا

محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود مقدس و مُطَہر ہیں بلکہ حضورؐ مُطَہر بھی ہیں جو چیز بھی حضور کی ذات پاک سے وابستہ ہو گی۔ پاک ہو گی۔ دامن رسالت تلے جو شے بھی آئے گی مُطَہر ہو جائے گی۔

کتاب اللہ میں حضور کی شان تطہیر کی جلوہ ریزیاں و نور افشانیاں ملاحظہ ہوں۔

. . . .

۱۔ تطہیرِ لباس النبیؐ

ارشاد فرمایا:۔ یایھا المدثر ہ قم فانذر ہ وربک فکبر ہ وثیابک فطھر ہ (پارہ ۲۹ آغاز سورہ مدثر)

اے کپڑا اوڑھنے والے (محبوب محمد مصطفیٰ) اٹھو! پھر (لوگوں کو) ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو! یہ سب سے پہلی آیات ہیں جو حضور پر نازل ہوئیں۔ ان سے پہلے سورۂ اقراء کی ابتدائی چند آیتیں نازل ضرور ہوئیں لیکن وہ بطور تمہید و افتتاح ہیں۔ احکام ربانی پر مشتمل یہ اولین آیاتِ قرآنی ہیں گویا سب سے پہلے:۔

- ــــــ انذار و تبلیغ
- ــــــ رب العزت کی تعظیم وکبریائی
- اور ــــــ لباس کی تطہیر

کا حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔

دعوت و تبلیغ کی اوّلیت و اہمیت

گویا یہ سب احکام آغازِ نبوت میں بیک وقت صادر ہوئے اور سب کی اہمیت مسلّم ہے۔ لیکن بیان میں انذار کی

تقدیم۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔
کہ دعوت و تبلیغ کو اسلام میں اولیں درجہ حاصل
ہے، دینِ فطرت میں جو مقام اشاعت اسلام
کا ہے اور کسی عمل کا نہیں،
کیوں نہ ہو جب کہ دعوت و تبلیغ اور انذار و تبشیر مقام
رسالت و منصب نبوت ہے۔

تبلیغ و تسبیح میں نسبت

عام انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت[1] ہے
لہذا عبد کا معراج کمال معبود حقیقی کی تکبیر و تعظیم اور
تسبیح و تقدیس ہے۔ لیکن نبوت[2] کا مقصد اور رسول[3]
کی بعثت کا منشا دعوت و تبلیغ ہے۔

تبلیغ اسلام کی کشور کشائیاں

یہ جو آج تم ملک ملک اسلامی علم لہراتے دیکھتے
ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان آبادیاں نظر آتی ہیں یہ

---

[1] قولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (سورہ ذاریات
پارہ ۲۷) [2] یایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا ونذیرا ۰ وداعیا
الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا ۰ (سورہ احزاب پارہ ۲۲) [3] یایھا الرسول
بلغ ما انزل الیک من ربک (سورہ مائدہ پارہ ۶)

سب سراج تبلیغ کی ضیا گستریاں اور ضو باریاں ہیں جسے آج مغربی معاندین اسلام اقتدار کی ریشہ دوانیاں اور شمشیر کی کارستانیاں کہتے نہیں تھکتے حالانکہ خلافت راشدہ اور عہد صحابہؓ کے بعد عموماً شاہی و سلطنت سے اگر اسلام کو پہنچا ہے تو گزند و ضرر اور نقصان و شر! اور تلوار سے اگر کوئی خدمت دین ہوئی ہے تو وہ ہے حفاظت مسلمین! باقی رہی دنیا کے طول و عرض میں اسلام کی نشر و اشاعت اور چار دانگ عالم میں دین کی توسیع و ترقی! یہ تمام تر اگر رہین منت ہے تو داعیان اسلام کی اور ممنون احسان ہے تو مبلغین دین کی۔ رحمہم اللہ! ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

محض مثال کے طور پر ہندوستان کو لے لو۔ یہاں بیسیوں تاج داران اسلام نے جو جو گل کھلائے انہیں کون نہیں جانتا۔ روح اسلام کو آج بھی ان کے "احسان" یاد آجاتے ہیں تو وہ تھرا اٹھتا ہے اور اسلام دست بستہ ان کی خدمت میں عرض کرتا ہے ع مرا از نفع تو امید نیست شر مرساں

اولیاء اللہ کی تبلیغی سرگرمیاں

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

ادہر ایک مرد خدا، ایک مبلغ دین آیا، آیا اور وسط ایشیا سے پیدل چل کر آیا، کفرستانِ ہند کے مرکز راجپوتانہ کے ریگستان میں ڈیرہ ڈالا، اپنے ہاتھوں سے خس و خاشاک کی جھونپڑی بنائی۔ پانی کا کٹورا پی اور روکھی سوکھی کھاکر ریت کے ٹیلے پر اللہ کا قرآن پڑھا تیرہ زار ہند میں شمع ہدایت روشن کی۔ اور پورے ملک کو جگمگا دیا، کتاب اللہ سنائی اور لاکھوں صنم پرستوں کو قعرِ جہنم سے نکال کر آغوش رحمت اور دامن توحید و رسالت میں لے آیا۔ رحمہ اللہ

صدر بزم تبلیغ حضرت خواجہ اجمیریؒ کا تبلیغی شاہکار!

ایک سید الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے دم قدم سے نوّے لاکھ افراد بت پرستی چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، بت خانے ویران اور صنم کدے سنسان ہوگئے، اور ہندوستان ایک اللہ والے کے فیضانِ صحبت و جوش تبلیغ سے پاکستان بن گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ!

معین الدین آیا تھا تو ایک! اور دنیا سے گیا تو نوّے لاکھ رحمہ اللہ

جلا دیتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی!
الہٰی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اہل حق کا زعم باطل

آج بھی بعض اصحاب اس زعم میں

مبتلا ہیں کہ اشاعت دین و انسداد ارتداد کا ذمہ دار اسلامی اقتدار ہے اور اسی زعم باطل میں آج ان کی تمام تر سرگرمیاں تردید فسق و فجور تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں وہ انسدادِ کفر و ارتداد کو اقتدار کے کھاتے ڈال کر خود استیصال فسق پہ قانع نظر آتے ہیں اور کفر کے جارحانہ حملوں کا جواب تک نہیں دیتے قطعًا۔ کوئی مزاحمت و مدافعت نہیں کرتے اور اس بارے میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا بیٹھے ہیں۔

اسلامی اقتدار اور انسدادِ کفر!

یہ فکر کہ انسدادِ کفر و ارتداد کا ذمہ دار اسلامی اقتدار ہے غیر شعوری طور پر اعدائے اسلام سے مستعار لیا گیا ہے۔ یہ در اصل ان معاندین دین کے ذہن کا چربہ ہے۔ جو کہتے ہیں کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا" اگر وہ فریب کار ہیں تو یہ فریب خوردہ! حقیقت یہ ہے کہ اسلام نہ ماضی میں بزور شمشیر پھیلا۔ اور نہ مستقبل میں بزور اقتدار پھیلے گا ماضی میں اشاعت اسلام منت کش دعوت و تبلیغ ہے اور مستقبل میں بھی یہ کام اگر ہو گا تو نظام تبلیغ ہی سے ہو گا۔

در حقیقت اسلامی اقتدار میں جبکہ ——— ہر مذہب و ملت کی حفاظت و پاسبانی کی تمام تر ذمہ داری اقتدار و حکومت پہ آ پڑتی ہے، حتیٰ کہ اگر غیر مسلمین کے معبد گرجا مندر

وغیرہ کو کوئی گزند پہونچ جائے تو اسلامی حکومت اپنے خرچ پر اس کی اصلاح و مرمت کردیتی ہے ——— تبلیغ دین اور تحفظ ایمان کے لئے مستقل اور مضبوط تبلیغی نظام کی ضرورت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔ اگر کسی بت خانے میں کسی بت کی کمر توڑ دی گئی۔ تو اسلامی حکومت اسے پھر جوڑ دے گی اور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق! یہ بت اگر گریں گے تو کسی داعی الی الحق کی دعوت سے ؟ یہ کفر ٹوٹے گا تو کسی مبلغ کی مخلصانہ تبلیغ سے! اور یہ سر بفلک صنم کدے اگر پابوس ہوں گے تو کسی ولی اللہ کے جذبۂ اشاعت اسلام سے!

بہرحال اللہ تعالےٰ نے حضور کو سب سے پہلا حکم دعوت و تبلیغ کا دیا۔ بعدہٗ اپنی تکبیر اور پھر ثیاب ولباس کی تطہیر اور ہرگونہ تطہیر کا!

۲۔ تطہیرِ ماحول النبیؐ

تطہیر ذات کافی نہیں، بلکہ ماحول کو پاکیزہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب تک گرد و پیش پاک صاف نہ ہو۔ خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے، لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبؐ پاک کو نہ صرف اپنا لباس پاک رکھنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ تطہیر ماحول کا بھی! حکم فرمادیا۔

فرمایا والرجز فاھجر اور پلیدی کو دور کرو! یعنی ہر قسم کی غلاظت و نجاست گندگی و آلودگی سے علیحدگی اختیار کیجئے میل کچیل اور ناپاکی و پلیدی تیرے قدموں سے دور رہے۔ اور آپ بھولے سے بھی کسی نوعیت کی آلائش کے قریب نہ جائیں۔

تطہیر باطنی جب ظاہری صفائی و پاکیزگی کی یہ تاکید اور حسّی و مادّی گندگی و پلیدی سے بُعد و اجتناب کُلّی کا حکم ہے تو خود اندازہ کیجئے کہ روحانی تزکیہ کتنا ضروری ہوگا اور باطنی نجاست و خباثت سے طہارت کس درجہ ضروری ہوگی! ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا!

جب ظاہری طہارت کا یہ اہتمام ہے تو باطنی طہارت کا کیا مقام ہوگا؟ وہ تو بطریق اولیٰ ضروری ہوگی، اور روحانی عروج و ارتقاء کے لئے کفر و نفاق کی نجاست سے دوری اور مشرکین و مرتدین سے علیحدگی اہم ضروری و لابدی ہوگی! چنانچہ ارشاد فرمایا:۔ واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا ۰ ——— (پارہ ۲۹ سورہ مزمل)

اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو۔ اور انہیں بھلی طرح چھوڑ دو! رب العزت نے اپنے حبیب کریم کو کفار و

مشرکین سے بوجہ احسن اعتزال و اجتناب اور جدائی و مفارقت کا یہ حکم بھی ابتدائے نبوت میں دیا۔

ایک اہم نکتہ جب اللہ تعالیٰ نے آغاز رسالت میں اپنے رسول معصوم کو کفار سے ہجر و کنارہ کشی اور ترک صحبت و علیحدگی کا واضح حکم صادر فرما دیا تو اس کے بعد حضور کس طرح ان اشرار کے ساتھ مصاحبت و تعلقات رکھ سکتے ہیں؟ خدا کا یہ کلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اطاعت و جمالِ عصمت جمیع اصحاب و متعلقین رسول کے حسنِ ایمان و عمل کا شاہدِ عدل ہے جو لوگ حضور کے صحابہ رض اور اعزہ و اقارب پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر دراصل حضور کی نبوت کو مجروح کرتے ہیں۔

جب روزِ اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری غلاظت اور میل کچیل سے بُعد و فراق اور کفار و مشرکین سے ہجر و احتراز کا حکم دیا جاتا ہے۔ تو حضور ساری عمر معاذ اللہ کفار و مشرکین کو اپنے قریب کس طرح رکھ سکتے ہیں، اور نہ صرف پوری حیات طیبہ میں ان سے ربط اور تعلق اور قرب و وصل رکھتے ہیں بلکہ بعد رحلت عالم برزخ میں بھی انہیں اپنے سے دور اور الگ نہیں ہونے دیتے۔ روضۂ پاک گنبد خضراء میں بھی اپنی آغوشِ رحمت میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں، العیاذ باللہ

کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ تو پہلے دن حضورؐ کو ہر قسم کی غلاظت و پلیدی سے دور رہنے اور نجاست و گندگی کو اپنے قدموں سے دور رکھنے کا حکم دیں اور حضورؐ عمر بھر بلکہ بعد وصال بھی اس سے احتراز وانفصال نہ فرمائیں۔ انہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھیں! ناممکن ہے ناممکن! جو لوگ اس قسم کا تصور بھی کرتے ہیں وہ بارگاہِ نبوت میں بدترین گستاخی کرتے ہیں۔

اور جو صاحبان وابستگانِ دامنِ رسالت، پروانگانِ شمع نبوت حضراتِ صحابہ کرام کی تقدیس و پاکبازی کے قائل نہیں، وہ دراصل آبگینۂ عصمتِ نبوت کو چور چور بلکہ خود دامنِ نبوت کو پارہ پارہ کرتے ہیں ؎

تجھے اے بلبلِ رنگیں نوا سوجھی ہے گانے کی
مگر مجھ کو پڑی ہے فکر تیرے آشیانے کی

اہل سنت کا ایمان

الحمدللہ ہمارا ایمان ہے کہ وجود پاک سید لولاک کے ساتھ کسی ناپاک و نجس چیز کا کوئی جوڑ نہیں، وجودِ اقدس سے جو چیز بھی وابستہ ہوگی یقیناً مقدس و مطہر ہوگی۔ نہ صرف ظاہراً بلکہ باطناً بھی یا نہ تو نعلین شریفین کے ساتھ ظاہری غلاظت وابستہ رہ سکتی ہے۔ اور نہ ہی کفر و نفاق کی باطنی نجاست قدوم میمنت لزوم کے قریب پھٹک سکتی ہے۔

۳۔ تطہیر ازواجؓ النبیؐ

وجود اقدس ازلی و ابدی پاک اور مطہر ہے اب جس چیز کا بھی وجود با جود سے اتصال والحاق ہوگا۔ وہ پاک ہوگی۔ وجود اقدس سے قریب تر لباس ہے۔ اتنا قریب! کہ ہر وقت جسم سے لگا رہتا ہے۔ جدا نہیں ہوتا! اس لئے سب سے اول اس کی تطہیر کا حکم فرمایا۔

لباس کے بعد سب سے زیادہ انسان کے قریب و نزدیک اس کی ازواج[1] ہیں۔ اس قدر قریب و نزدیک کہ انہیں بھی لباس سے تعبیر فرمایا۔ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن[2] — وہ (عورتیں) تمہارا (مردوں کا) لباس ہیں اور تم ان کا لباس!

جس طرح لباس بدن سے لگا اور جڑا رہتا ہے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرد اور عورت کا آپس میں اتصال و ارتباط

---

[1] اولاد و احفاد کا درجہ ازواج کے بعد ہے۔ ازواج اصل ہیں اور اولاد فرع! اگر ازواج نہ ہوں تو اولاد کہاں سے آئے۔ ارشاد خداوندی ہے اَنّٰی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبۃ (پارہ ۷ سورہ انعام ع ۱۳) جس کی بیوی نہیں اس کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے۔ [2] پارہ ۲ سورہ بقرہ ع ۲۳۔

ہوتا ہے۔ انفصال نہیں ہوتا۔ اسی غایت اتصال کی بنا، پر انہیں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا۔

قرآن کریم نے اُدھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں کی تطہیر فرمائی۔ اِدھر ازواج مطہراتؓ کو حضور کا لباس قرار دیا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ازواجِ رسول مطہر و مقدس ہیں۔ اقتضاء النص سے قطع نظر رب العزت نے صراحت النص سے بھی ازواج مطہراتؓ کی طہارت و تقدیس فرمائی اور تطہیر اہل بیتؓ کا مستقل حکم بھی صادر فرمایا:-

فرمایا:- انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پارہ ۲۲ سورہ احزاب)

۴۔ تطہیر اصحابؓ النبیؐ

گھر کی تطہیر کے بعد اب باہر کی تطہیر ہوتی ہے۔ اور اہل بیتؓ رسولؐ کے بعد اب اصحابؓ رسولؐ کا نمبر آتا ہے۔ فرمایا:-

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ط ولیحلفن ان اردنا الا الحسنٰی ط

(پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۳)

جب کفر نے اسلام سے چوٹ پر چوٹ کھائی۔ اور اہل باطل ہر میدان میں مغلوب و مہزوم ہوئے، تو منافقین نے اپنے غلبہ کی ایک نئی تجویز سوچی جس کی بنیاد تفریق بین المسلمین اور اہل حق کی بنیان مرصوص میں رخنہ اندازی پر تھی!
انہوں نے "مسجد" ضرار تعمیر کی، قسمیں کھا کھا کر کہا کہ اس تعمیر کا منشا نیکی اور بھلائی ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اس کا افتتاح فرما دیں، ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اس طرح ہم بعض مسلمانوں کو اس "مسجد" میں لاکر اپنی ریشہ دوانیوں سے ان کو اپنے ساتھ گانٹھ لیں گے، اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قسموں پر اعتماد کر کے ان کی درخواست منظور فرمالی اور فرمایا کہ میں انشاء اللہ غزوہ تبوک سے واپس آکر پہلے اس میں نماز پڑھادوں گا، پھر شہر میں داخل ہوں گا۔
حضور تبوک سے واپس لوٹے، ابھی مدینہ طیبہ نہیں پہنچے تھے، ایک منزل باہر تھے کہ خدائے علیم و خبیر نے وحی بھیج کر اس خفیہ سازش کا انکشاف فرما دیا اور منافقین کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ فرمایا:-
واللہ یشھد انھم لکذبون ۰ لا تقم فیہ ابداً ۰

لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ ط فیہ رجال یحبون ان یتطہروا ط واللہ یحب المطہرین ٥

(اے میرے محبوب و معصوم رسول! آپ ان منافقین کی قسموں پر نہ جائیے!) میں خود گواہی دیتا ہوں۔ کہ یہ بلاشبہ دروغ باف ہیں، آپ اس مسجد میں (نماز کے لئے) کبھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد روز اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ وہ زیادہ مستحق ہے۔ کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ (کیونکہ) اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو محبوب رکھتے ہیں، اور اللہ تعالے پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

جب حضور کو ارشاد ربانی سے حقیقت حال کا علم ہوگیا تو آپ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہ پڑھی بلکہ صحابہ کرام رض کو بھیج کر اس کو نذر آتش کر دیا ؎

یارب زسیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بت خانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

اس کلام ربانی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ مسجد نبوی کے جمیع نمازی ظاہری و باطنی نجاستوں سے طہارت و پاکیزگی کا خاص اہتمام رکھتے ہیں، اور وہی نفوس قدسیہ نہ صرف رسول خدا کی معیت و رفاقت اور قرب و مصاحبت کے

مستحق ہیں بلکہ محبوبانِ خدا بھی ہیں۔

کتاب اللہ سے یہ حقیقت منکشف و مبرہن ہو گئی کہ صرف اہل بیت نبیؐ ہی پاک نہیں بلکہ اصحابِ نبیؐ بھی پاک ہیں۔ صرف پاک ہی نہیں بلکہ محبوب خدا بھی!

جس طرح بیتِ رسول کی تطہیر ہوئی، اسی طرح مجلس نبوی اور مسجد نبوی کی تطہیر بھی عمل میں آ گئی۔ اور جمیع متعلقین رسول مطہر و مقدس ہو گئے! صلی اللہ علیہ وسلم

چند قابلِ غور نکات

جو لوگ اصحابِ رسولؐ کی طہارت باطنی و تزکیۂ نفسی کے قائل نہیں انہیں سوچنا چاہئے کہ:۔

۱۔ جو خدا خود گواہی دے کر دو چار دشمنانِ رسول و بداندیشانِ دین کا پردہ چاک اور راز فاش کر دیتا ہے وہ ان اصحابؓ کا معاذ اللہ اگر یہ بھی دشمنِ خدا و رسول تھے، پردہ چاک اور راز فاش کیوں نہیں کرتا۔ اور ان کے فساد قلبی کو اپنی شہادت سے بے نقاب کیوں نہیں فرماتا۔؟

۲۔ جب اللہ تعالےٰ کو یہ گوارا نہیں کہ ان کا محبوب خاص منافقین و کاذبین کے ساتھ ایک منٹ رہے تو وہ خدائے پاک اپنے محبوب کریم کو قیامت تک روضہ اقدس میں معاذ اللہ ان کے آغوش میں کیسے سُلا سکتا ہے۔؟

۳۔ جو غیرت ربانی اپنے محبوب و معصوم رسول کو چند منٹ کے لئے منافقین کے ساتھ اپنی عبادت کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ وہ غیرت خداوندی رسول اپنے محبوبؐ کو ان حضرات کے ساتھ رات دن رہتا سہتا رشتے ناطے کرتا کیسے دیکھ سکتی ہے!

۴۔ اگر رسولؐ منافقین کی "مسجد" میں جانے کا وعدہ کرتا ہے تو اللہ میاں خود ان کے کفر و نفاق کی شہادت دیتے ہیں، اور جبریلؑ امین کو بھیج کر قرآن کریمؐ کے ذریعے اس وعدہ کے ایفا سے باز رکھتے ہیں۔ لیکن جب رسولؐ ان لوگوں کو اپنی بیٹیاں دیتے ہیں یا ان سے بیٹیاں لیتے ہیں تو معاذ اللہ! اللہ میاں خاموش رہتے ہیں اور اپنے رسول کو عقد و نکاح سے نہیں روکتے حضور براتیں لے کر ان کے گھر جاتے ہیں۔ وہ براتیں لے کر حضور کے گھر آتے ہیں، مگر اللہ میاں العیاذ باللہ بیٹھے تماشہ دیکھتے رہتے ہیں اور حضورؐ کو شادی بیاہ سے منع نہیں فرماتے!

اگر معاذ اللہ یہ لوگ دشمن خدا و رسول ہیں تو (العیاذ باللہ) یہ اللہ میاں کیسے اللہ میاں ہیں؟ اگر تم اصحابؓ رسولؐ کے گھر میں کچھ نہیں چھوڑتے تو معاذ اللہ نہ خدا کے

گھر میں کچھ رہتا ہے نہ رسول کے گھر میں! ؎

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کے لئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

۵ - رسول کریم خدا کی نماز کے لیے ناپاک مصلیٰ پر دو منٹ کے لئے آئیں تو اللہ نہ آنے دیں۔ لیکن اپنی خانگی زندگی میں برسوں (معاذ اللہ) غیر مطہر بستر پر استراحت فرمائیں تو فرماتے رہیں۔

غیور خدا کی غیرت اپنے محبوب رسولؐ کے بستر مقدس کی (العیاذ باللہ) ناپاکی کب برداشت کرسکتی ہے جبکہ ایک محبِ رسول انسان کی محبت بھی اس کا تحمل نہیں کرسکتی!

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کا جذبۂ محبت و احترام رسولؐ

"ابوسفیان مدینہ منورہ میں آیا۔ اپنی بیٹی (ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ) سے ملنے گیا، ابوسفیان بستر پر بیٹھنے لگا۔ تو انہوں (حضرت ام حبیبہؓ) نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا، بیٹی! میں نہیں سمجھا۔ کہ تو بستر کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ یا مجھے بستر سے! ام المؤمنینؓ نے فرمایا اے باپ! یہ بستر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

تو مشرک ہے۔ اس پر نہیں بیٹھ سکتا"[1]

اللہ اللہ! عشق و احترام رسول کے بادۂ طہور سے قلب مومن کس درجہ لبریز و معمور ہے کہ حضرت ام المؤمنین اپنے باپ کو جو نور محبت پدری سے مجبور ہو کر سالہا سال کے بعد اپنی نور دیدہ سے ملنے آیا ہے۔ محض اس لئے حضورؐ کے بستر اقدس پر ایک سیکنڈ کے لئے نہیں بیٹھنے دیتیں، فوراً اٹھا دیتی ہیں کہ وہ مشرک ہے اور مشرک باطنی اعتبار سے نجس و ناپاک ہے۔ اللہ اکبر! جب ایک انسان کے جذبات عقیدت حضورؐ کے بستر کو چشم زدن کے لئے آلائش شرک سے آلودہ نہیں دیکھ سکتے، تو اللہ تعالےٰ ——

جنہیں اپنا معصوم رسولؐ سب سے زیادہ محبوب ہے — مدت العمر معاذ اسرا سے کب ملوث دیکھ سکتے ہیں۔

۶۔ اللہ میاں اپنے حبیب کریمؐ کو دو چار منافقین کے ساتھ "مسجد" ضرار میں تو ایک دن کے لئے دو رکعت پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور ابھی رسول کریمؐ مدینہ سے باہر ہوتے ہیں کہ رب العزت آپ کو اس میں قدم

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد ۲ ذکر ام المؤمنین ام حبیبہؓ بحوالہ ابن اسحاق ج، منقول از جلاء الافہام لابن قیم رح

تک نہ رکھنے کا حکم بھیج دیتے ہیں، لیکن یہی رسول کریم برسول سفر و حضر میں (العیاذ باللہ) انہی "منافقین" کے ساتھ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور اللہ میاں نہیں روکتے۔

شاید اس لئے کہ وہ دو چار یا پانچ سات تھے اور یہ سینکڑوں ہزاروں! یا وہ بچارے بے کس و بے نوا تھے اور ان میں رسولؐ کے خسر اور داماد تھے! معاذ اللہ!

آخر یہ کیا تماشہ ہے کہ اگر "مسجد" ضرار میں چند منافقین "نماز" کا اہتمام کریں تو اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیا جائے۔ اور مسجد نبوی میں العیاذ باللہ اسی قبیل کے صدہا لوگ نمازیں پڑھتے رہیں۔ تو یہ مسجد قیامت تک ثابت و برقرار رہے۔ اگر یہ لوگ بھی معاذ اللہ دشمن دین و ایمان تھے تو پھر یہ مسجد کیوں نہ زمیں بوس ہوئی۔؟

حقیقت یہ ہے کہ "مسجد" ضرار والے منافقین و اعدائے دین تھے ان کے پاس اللہ نے اپنے محبوب کو ایک سیکنڈ کے لئے نہ جانے دیا۔ اور مسجد نبوی والے، اصحابؓ رسولؐ فدایانِ نبیؐ و پروانگانِ شمع رسالت تھے۔ ان کی تعریف و توصیف فرمائی گئی۔ مسجد نبوی کے بانیاں و مؤسسین کے خلوصِ نیت اور تقویٰ کی شہادت رب العزت نے دی اور اللہ تعالےٰ نے ان کو فضیلت تطہیر سے مشرف فرما کر

انہیں اپنی محبوبیت کی بشارتِ عظمیٰ بھی سنائی۔ رضی اللہ عنہم

مسجد نبوی کی زمین حضرت صدیق اکبرؓ کے روپیہ سے خریدی گئی

اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد مقدس کے بانی اور نمازی کون حضرات ہیں۔؟

یہ حقیقت کس سے مخفی و مکنون ہے کہ :-

۱- اس مسجد کی زمین حضرت ابوبکر کے روپیہ سے خریدی گئی[1]

۲- اس کی تعمیر میں حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظم رضؓ عثمان غنی رضؓ۔ علی مرتضیٰ رضؓ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] ۲ء اس (مسجد نبوی) کے لئے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی گو ان کے اولیاء و اقرباء بلاقیمت پیش کرنے پر مصر تھے۔ تاہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت دلوادی (فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۳)

اسی طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبر رضؓ ہی کے ابرِ کرم نے اسلام کے لئے جود و سخا کی بارش کی۔ قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ پیرِ مرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا" (خلفائے راشدین، شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ ص ۲۵)

۳ء رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۲۵۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر شریک کار رہے۔

۳۔ یہ حضرات نہ صرف دس برس نبیؐ کے پیچھے اسی مسجد مقدس میں نماز پڑھتے رہے، بلکہ پچیس برس تک علیؓ کے آگے یہیں نماز پڑھاتے بھی رہے۔

عہدِ رسالت میں امامت کا تاج صدیق اکبرؓ کے سر پر

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی نہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورِ اکرمؐ کی حیاتِ مقدسہ میں بھی حضورؐ کی عدم موجودگی میں امامت فرماتے تھے[1]

۵۔ حضورؐ کی علالت کے ایام میں حضرت صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کے حکم و اصرار سے حضورؐ کے مصلّے مبارک پر کھڑے ہو کر اسی مسجد مقدس میں سترہ[2] نمازیں حضرت علی و عباس

---

[1] "ابوبکر صدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی میں امام ہوتے تھے" (سیرۃ النبی حصہ دوم ص ۹۷ بحوالہ صحیح بخاری)

[2] "بخاری باب الامامۃ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت صلعم نے نماز نہیں پڑھائی۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے آپکی قائم مقامی کی، اس قائم مقامی کا آغاز شب جمعہ کی نماز عشاء سے ہے (بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ) اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا (بخاری باب من رجع القہقریٰ فی الصلوٰۃ) کل تین دن میں ۱۷ وقت کی نمازیں ہیں۔ ابن سعد نے واقدی سے بعینہٖ یہی روایتیں کی ہیں ایک میں ہے کہ ۳ دن امامت کی دوسری میں ہے کہ ۱۷ وقت کی (سیرۃ النبی حصہ دوم ص ۱۷۴ حاشیہ)

اور جمیع صحابہ رضؓ کو پڑھائیں، رضی اللہ عنہم اجمعین!

ایک خاص نکتہ! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امامت کے فرائض صدیق اکبرؓ انجام دیتے ہیں۔ تو حضورؐ کے بعد ان کے مقابلے میں کسی اور بزرگ کے استحقاق خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!

ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات مقدسہ میں تو امامت کا تاج صدیق اکبرؓ کے سر اقدس پر رکھا جائے۔ لیکن حضور کی وفات کے بعد ان کی خلافت پر اعتبار نہ کیا جائے۔

جب امام المرسلینؐ کی موجودگی میں حضور کے حکم و اصرار سے حتیٰ کہ مصلیٰ پر حضور کی نشست کے باوجود ملت کی امامت صدیق اکبرؓ فرما رہے ہیں[1] تو حضورؐ کے بعد کون ہے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کی امامت کے لئے اصرار کے ساتھ حکم دیا اس خدمت حضرت ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے ایک روز حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود انکے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حضرت ابوبکر حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر مسکرائے تو حضرت ابوبکر اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کیلئے تشریف لا رہے ہیں پیچھے ہٹنا چاہا لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری ادا کرو اور پھر پردہ گرا دیا (خلفائے راشدین ص ۳ بحوالہ بخاری)

جو خلافت و امامت میں ان کا حریف ہو؟ اور جب حضورؐ امامت صدیقؓ پر اطمینان و انبساط کا اظہار فرما رہے ہیں، مسکرا رہے ہیں تو کون ہے جو اس سے انحراف و سرتابی کرے۔؟

جب ساقیٔ کوثر کی چشم انتخاب حضرت ابوبکرؓ کو منتخب فرما کر اپنی جگہ کھڑا کر دے تو اب کون ہے جو ان کے مقابلے میں کھڑا ہو سکے خواہ وہ محاسن و کمالات کے اعتبار سے اپنی جگہ کتنا ہی بلند مقام اور عالی مرتبہ کا مالک کیوں نہ ہو ؎

یوں تو میخانے میں جو ہے مست ہے مدہوش ہے
آنکھ ساقی کی ملے جس سے وہی مے نوش ہے

لاریب خلافت و امارت کوئی آسمانی منصب ہے نہ خلیفہ و امیر مامور من اللہ!

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیق اکبرؓ کو حضورؐ نے اپنے مقام پر خود قائم فرمایا۔ تو جب صدیق اکبرؓ حضورؐ کی حیات طیبہ میں حضور کے قائم مقام جانشین اور خلیفہ ہیں۔ تو حضور کی وفات پر کیسے حضورؐ کے خلیفہ نہیں ہوں گے، اور کون ہے جو انہیں منصب امامت سے ہٹا اور مسندِ خلافت سے اٹھا سکے۔

باقی خلفائے کرام کو یقیناً رسول نے مقام خلافت پر کھڑا نہیں کیا۔ لیکن صدیق اکبرؓ کو تو حضورؐ نے خود اپنے

سامنے اپنے مصلّٰی پر کھڑا فرما دیا، ؎

چشمِ ساقی سے مجھے مستیٔ جاوید ملی
مری مدہوشیاں مرہونِ مے وجام نہیں

ان حقائق کے بعد اور اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں جمیع صحابہ کرام رضؓ اور خصوصاً حضرات خلفائے ثلاثہ رضؓ کی صداقت وامامت اور طہارت وتقدیس میں کسی انسان کو شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں! جو حضرات کلام اللہ ہی کی صداقتوں کے قائل نہ ہوں وہ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال ازواجؓ واولادؓ رسوؐل کے بعد جمیع اصحابؓ رسول کی تطہیر بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ والحمد للہ حمداً کثیراً

۵۔ تطہیر مدینۃ النبیؐ

اب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شہر مقدس مدینہ طیبہ کی تطہیر ہوتی ہے۔ فرمایا:۔

لئن لم ینتہ المنفقون والذین فی قلوبھم
مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم
ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلاہ ملعونین
اینما ثقفوآ اُخذوا وقتلوا تقتیلاہ سنۃ
اللہ فی الذین خلوا من قبل ج ولن تجد

لسنۃ اللہ تبدیلا ہ (پارہ ۲۲ سورہ احزاب ع ۸)

منافق اور فاسد القلب اور مدینہ (طیبہ) میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے اگر باز نہ آئے تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ آپ کے ہمسایہ نہیں رہیں گے۔ مگر تھوڑے دن! پھٹکارے ہوئے! جہاں کہیں ملیں گے، پکڑے جائیں گے، اور قتل کئے جائیں گے۔

اور جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی سنت اللہ یہی ہے۔ اور آپ سنت اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے!

یہ اٹل قانونِ قدرت اور غیر مبدل سنت اللہ ہے کہ اعدائے انبیاء و رسل، حضرات انبیا و رسل کے ساتھ آباد و شاد نہیں رہتے بلکہ وہ ملعون و مردود بالآخر ہلاک و برباد کر دئے جاتے ہیں۔

اس سنت مستمرہ کے موافق مدینہ طیبہ میں کوئی ناپاک انسان رہنے نہیں پائے گا۔ ع

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

اگر کوئی دو چار دن رہے گا تو کہیں چھپ چھپا کر، حاکم و خلیفہ بن کر نہیں، ملعون و مردود بن کر! عزت و عظمت اور قیادت و سیادت سے سرفراز ہو کر نہیں لعنت و پھٹکار

اور ذلت و رسوائی سے دوچار ہو کر! جہاں ملے گا، پکڑ کر کتے کی موت مار دیا جائے گا! ادھر یارانِ رسولؐ اور اصحاب ثلاثہؓ نہ صرف مدینہ طیبہ میں برسول جوارِ رسول میں رہے۔ بلکہ قیامت تک مدینہ طیبہ کے اندر جنت البقیع میں زیرِ سایۂ رسولؐ آباد ہیں اور حضرات شیخینؓ تو حضور کے مدینہ ہی میں نہیں حضور کے جوارِ رحمت ہی میں نہیں! خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین و قرین اور قیامت تک روضۂ رسولؐ کے اندر ہم آغوشِ رسولؐ ہیں، اور اسلامیانِ عالم دامنِ رسولؐ سے رسول کریمؐ کے ساتھ شب و روز درود و سلام کے تحائف و ہدایا وصول کرتے ہیں ؎

تا ابد اندر برِ خواجہ ہیں صدیقؓ و عمرؓ
مظہرِ شانِ دِلا ہے خوابگاہِ مصطفیٰ

مزاراتِ صدیقؓ و فاروقؓ پر نزولِ رحمت

؎ رحمتوں کے پھول شوق کیوں برسیں نہ تادن
روضۂ صلّ علیٰ ہے خوابگاہِ مصطفیٰ

جہاں کہیں جب کسی نے رسول اکرمؐ پر ہدیۂ درود و سلام بھیجا، ملائکۃ اللہ اسے حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ مزارِ پُر انوار سید الابرار پر رحمت الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوئی، اور اس سے حضرات صدیقؓ و فاروقؓ کے مزار مقدس بھی سیراب ہو گئے کیا تم نہیں دیکھتے جب دریاؤں

میں طوفان آتا ہے۔ تو ان کا پانی میلوں تک قرب و جوار کو سیراب کر دیتا ہے۔ ایک معمولی دریا کا پانی ہزاروں ایکڑ زمین پر چڑھ جاتا ہے۔ نشیب و فراز نہیں دیکھتا، تو جب تم خود درود پڑھ کر رحمتِ باری کو دعوت دیتے ہو، خود دریائے رحمت میں طوفان و تلاطم پیدا کرتے ہو۔ مزار رسولؐ پر اس کی رحمتوں کا طوفان اُمڈ آتا ہے۔ تو کیا وہ صرف مزار نبی کو سیراب کرے گا، اور اس سے آگے ایک انچ بھی نہیں بڑھے گا۔؟

ایک معمولی دریا تو میلوں تک چڑھا چلا جائے۔ مگر دریائے رحمتِ باری قبر نبوی سے ایک فٹ بھی آگے نہ بڑھے ستلج، راوی، چناب، جہلم، سندھ کا سیلاب تو لاکھوں مربع میل کو گل و گلزار اور رشکِ بہار بنا دے، لیکن رحمتِ پروردگار کا طوفان روضۂ رسولؐ کے اندر بھی قبورِ شیخین رضؔ کو سدا بہار رحمت بکنار، غیرتِ باغِ جناں اور رو کشِ فردوس نہ بنا سکے

ان ھٰذا لشی عجاب!

کسی کی شام بھی رشکِ سحر ہے، سنتے ہیں!
ہماری صبح بھی صورت طرازِ شام ہوئی

ہمارا ایمان ہے کہ نزولِ آیت کے بعد قیامت تک کوئی بے ایمان روضۂ رسولؐ کے قریب تو کیا حرم نبوی

کے اندر قدم نہیں رکھ سکتا۔

کس قدر ایمان افروز اور بصیرت آموز تھی وہ خبر جو اخبارات میں آئی تھی کہ مسجد نبوی اور روضۂ رسولؐ کی مرمت کے سلسلہ میں اٹلی سے جو انجینیر آئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے۔ حکومت نے بیرونِ حرم ان کی رہائش کا انتظام کیا۔ اور وہ حرم نبوی سے باہر رہ کر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ تو اس آیت کے نزول کے بعد اگر کوئی غیر مسلم روضۂ رسولؐ کی خدمت کے سلسلہ میں بھی آئے گا تو بھی روضۂ رسول کے قریب نہیں پھٹک سکے گا دور دور رہے گا!

لطیفہ اعدائے خدا و رسولؐ تو بجائے خود! یہ طرفہ تماشہ ملاحظہ ہو کہ آج دشمنِ صحابہؓ تک کو توفیق نہیں ہوتی، کہ وہ جوارِ رسول میں قدم رکھ سکیں۔ صدیقؓ و فاروقؓ کا کوئی دشمن عموماً روضۂ رسولؐ پر حاضر نہیں ہو سکتا فاعتبروا یا اولی الابصار!

قربان جاؤں ان دلدادگانِ حسنِ نبوت و مشتاقانِ جمالِ رسالت کے! جنہیں بعد وفات بھی رب العزت نے اپنے محبوب سے جدا نہیں کیا، دیارِ حبیب ہی میں نہیں، جوارِ حضور ہی میں نہیں، روضۂ رسول کے اندر جگہ دی! اور عالمِ برزخ میں بھی ان تشنگانِ دیدار کو دیدارِ یار سے محروم نہ فرمایا۔ اور

مشتاقانِ وصل کو ہم کنارِ یار وہم آغوشِ محبوب بنا دیا،
رضی اللہ عنہم!

جس طرح یہ خوش نصیب و نیک بخت حضرات عالم برزخ میں اپنے یار سے ہم کنار رہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی جنت الفردوس کے اندر اپنے محبوب کے ساتھ رہیں گے، جس طرح قبر کے اندر اپنے محبوب کے ساتھ ہیں یہ قبر سے نکلیں گے تو اسی طرح اپنے محبوب کے ساتھ ہوں گے اور جنت الفردوس میں داخل ہوں گے تو بھی اپنے محبوب، کے ساتھ!

محبوب وفادار ہے اور محب مشتاقِ دیدار! لہذا جدائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب محمد کریمؐ کسی سے دامن چھڑانے والے نہیں اور یہ حضرات دامن چھوڑنے والے نہیں، تو دوری ومہجوری کیسے ہو؟ حضور کی شان تو یہ ہے کہ دشمنوں کے پیچھے بھاگ کر، ان کا دامن پکڑ پکڑ کر، انہیں جہنم سے گھسیٹ کر جنت میں داخل کر رہے ہیں۔ یہ رحمتِ عالم رحمۃ اللعالمین دوستوں کو کیسے بھلا سکتے ہیں ؎

دوستاں را کجا کنی محروم!
تو کہ با دشمناں نظر داری

لمحۂ فکریہ! ۱۔ منافقین واعدائے دین مدینۃ النبی اور وطن

رسول میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے ایک منٹ کے لئے تو باعزت و وقار قرار نہیں پا سکتے مگر (معاذ اللہ) اسی مدینہ میں تقریباً پچیس سال[1] تک امیر و حاکم اور خلیفہ و امام رہ سکتے ہیں۔

۲۔ بد اندیشانِ رسول مدینہ طیبہ کے اندر تو جوارِ رسولؐ میں نہیں رہ سکتے، البتہ روضۂ مبارک کے اندر آغوشِ رسولؐ میں سو سکتے ہیں (معاذ اللہ!)

۳۔ خبیث و فاسد عناصر فانی زندگی اور حیاتِ ناپائیدار کے چار دن تو حضورؐ کے ہمسایہ نہیں رہ سکتے، ہاں! عالمِ برزخ میں قیامت تک ہم آغوش رسولؐ ہو سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

۷۔ تطہیر مولد النبیؐ

مدینۃ النبی کی تطہیر کے بعد اب مولد رسول مکہ معظمہ کی تطہیر ہوتی ہے ارشاد فرمایا:۔

یاایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس
فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا

(پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۴)

---

[1] ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ وفات رسولؐ سے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ وفات عثمانؓ تک ۲۴ سال ۹ ماہ ۶ دن

اے ایمان والو! مشرکین نرے ناپاک ہیں۔ سو یہ اس سال کے بعد مسجد الحرام کے قریب (بھی) نہ پھٹکیں۔

بعونہٖ و بفضلہ تعالیٰ ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا، فتح مکہ کے بعد نصرت الٰہی سے اشاعت اسلام کا باب کھل گیا، اور قبائل عرب جوق در جوق داخل دین ہونے لگے!

اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ۝ ورایت الناس

یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا ۝ ـــــــــ

ہر طرف اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا، تب ۹ھ ہجری میں سرزمین مکہ، حرم بیت اللہ میں کفار و مشرکین کا داخلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا، ان کے قلوب نجاست کفر و شرک سے آلودہ و ملوث ہیں اور ارض حرم مقدس و محترم! مقدس و مطہر مرکز توحید و اسلام کے اندر تو اندر! اس کے قریب بھی نجس و ناپاک انسانوں کو آنے کی اجازت نہیں حج و عمرہ کے لئے کوئی کافر داخل حرم نہیں ہو سکتا۔

بحمداللہ وہ دن ہے اور آج کا دن! کسی غیر مسلم کو حرم بیت اللہ میں داخل ہوتے چشم فلک نے نہیں دیکھا نہ انشاء اللہ قیامت تک دیکھے گی!

یہ پاک زمین پاک لوگوں کا مسکن ہے یہاں کوئی ناپاک انسان قدم نہیں رکھ سکتا، ادھر یاران رسول تا مدت العمر

اسی حرم اطہر کے سُکّان رہے اور کعبۃ اللہ کے طوّاف رہے اور خلفائے ثلاثہ رضہ اس کے خادم و نگران! اور اس مسجد حرام کے والی و امام رہے لہذا ان کی تقدیس و تطہیر میں کسی انسان کو ذرہ بھر شبہ نہیں ہو سکتا، وہ انسان جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔

۸۔ تطہیرِ اَرضُ النّبیؐ

ارض مقدس کے مراکز مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کی تطہیر کے بعد اب پورے وطنِ رسول جزیرۃ العرب کی تطہیر ہوتی ہے فرمایا:۔

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین ہ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر واعلموآ انکم غیر معجزی اللہ لا وان اللہ مخزی الکفرین ہ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریٓء من المشرکین ہ ورسولہ ط فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ ط وبشر الذین کفروا بعذاب الیم ہ (پارہ ۱۰ آغاز سورہ توبہ)

(ماضی میں) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کر رکھا تھا (اب) ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے صاف جواب ہے۔ سو (ان مشرکین سے کہہ دو کہ:-) تم اس سرزمین (عرب) میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور جان لو کہ تم اللہ تعالےٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور بلاشبہ اللہ تعالےٰ کفار کو رسوا کرنے والا ہے۔ پھر مکرر بتاکید فرمایا:-
اور اللہ اور رسول کی طرف سے عام لوگوں کے سامنے حج اکبر کے دن اعلان (کیا جاتا) ہے۔ کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری (دبیزار) ہیں پس اگر تم کفر سے توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم خدا کو ہرگز عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے!

حج کے دن علی رؤس الاشہاد اعلان عام کر دیا گیا۔ کہ:-
کفار و مشرکین سے آئندہ کوئی معاہدہ نہیں ہوگا۔ چار مہینوں کی مہلت دی جاتی ہے خواہ کفر و بغاوت اور عناد و شرارت سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لو۔ خواہ جزیرۃ العرب کو اپنے نجس و ناپاک وجود سے پاک کر دو۔ لیکن یاد رکھو اگر تم نے خدا اور رسول کی اطاعت نہ کی تو تم دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر ہو گے۔

اور اللہ کے سامنے تمہاری کچھ پیش نہ جائے گی۔

سنہ ۹ ہجری میں اپنے قائم مقام

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اسی اثنا میں سورۂ براۃ نازل ہوئی .. .. چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورت کو سنائیں اور اعلان عام کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد ہے وہ مدت معینہ تک باقی رہے گا[1]"

الحمد للہ کہ سارے جزیرۃ العرب کو کفار و مشرکین سے پاک صاف کرنے کا اعلان ہو گیا، اور رسول پاک کا وطن ہمیشہ کے لئے پاک ہو گیا۔ جابر و قاہر کفار و مشرکین کا خرمن حیات جل کر کف خاکستر بن گیا۔ اور اہل حق کا بول بالا ہو گیا۔

ادھر یاران رسول نے نہ صرف ساری عمر اس پاک

---

[1] "خلفائے راشدین" ص ۶۴ بحوالہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲ — ۳۴۳

سرزمین پر بسر کی۔ بلکہ اس پر حاکم و آمر رہے۔ جابر و ظالم کفار و مشرکین مر مٹ گئے اور مجبور و مظلوم و صابر و شاکر اصحاب رسول کا سرزمین عرب پہ جھنڈا لہراتا تھا۔ اور عجم پہ بھی! ؎

جبر کی تلوار چلتے چلتے آخر گر گئی
صبر کا ہتھیار کام آیا ہے آخر کار دیکھ
تو نے جلتے دیکھ لی ہے حق فروشوں کی دکاں
سرفروشوں کی بھی آکر گرمی بازار دیکھ

ان حقائق و واقعات کے پیش نظر اصحاب رسول کی صداقت و خلافت میں کسی آدمی کو ادنیٰ سا تامل بھی نہیں ہو سکتا۔

اور جن لوگوں کو اس میں تامل ہے وہ ذرا غور تو فرمائیں کہ:۔

۱ــــ یہ کیا تماشہ ہے کہ جس مقام پر

• ــــ علی رضؓ کی زبان حق ترجمان!
• ــــ خدا کا قرآن ــــ پڑھ کر
• ــــ نبیؐ کی طرف سے اعلان ــــ فرمارہی ہے کہ:۔

آج کے بعد یہاں کوئی بے ایمان نہیں آسکے گا،

اسی جگہ اس کے بعد ایک دو دفعہ نہیں پورے چوبیس سال وہ لوگ حج پڑھ ہی نہیں رہے پڑھا رہے ہیں خطبۂ حج دے رہے ہیں۔ اسلامیان عالم کی قیادت و امامت کر رہے جن کے ایمان میں معاذ اللہ شبہ ہے، اور حضرت علیؓ کے سامنے!

- ——حضرت علیؓ جیسا مردِ میدان
- —— اپنے —— بیان
- —— رسولؐ کے اعلان
- —— اور اللہ کے قرآن

کی یہ توہین کب برداشت کر سکتا ہے؟

کیا اس روحِ غیرت و جانِ ایمان کے رُو برو خدا اور رسولِ خدا کے احکامات و اعلانات کا یہ حشر ہو سکتا ہے؟ اور جہاں کل خود حضرت علیؓ کھڑے اعلان فرما رہے تھے کہ یہاں آج کے بعد کفر نہیں آئے گا۔ کل وہیں معاذاللہ دشمنِ خدا و رسول کھڑے خطبۂ حج دے رہے ہیں، اور حضرت علیؓ بیٹھے سُن رہے ہیں کیا حضرت علیؓ دین کی اس مجبوری کتاب اللہ کی بے توقیری، رسول کی اس مظلومی اور خود اپنے اعلان و بیان کی اس پامالی کو دیکھ سکتے ہیں۔!

حق و صداقت کی تمام قدریں ایک ایک کر کے مٹ رہی ہیں اور معاذاللہ حضرت علیؓ ایسے حق و صداقت کے علمبردار و محافظ حجرہ نشین و عزلت گزین ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں!

ایک پیکر حسن و رعنائی اور سراپا جمال و زیبائی کی

اس سے زیادہ بُری تصویر اور کون کھینچ سکتا ہے! ؎

بلبل ہمہ تن خون شد و گل ہمہ تن پاک
اے وائے بہارے اگر این است بہارے

خلاصہ۔ اس سارے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ حضورؐ خود معصوم اور پاک ہیں اور وجودِ پاک سے جو چیز بھی وابستہ و متعلق ہے وہ پاک ہے کسی ناپاک چیز کا وجودِ پاک سے کوئی رشتہ و علاقہ ہو ہی نہیں سکتا۔

۲۔ اِدھر ا۔ امہات المومنین حضور کی محبوب ازواج مطہرات ہیں وہ آپ کا لباس ہیں اور آپ ان کا لباس صرف وہ دنیا میں حضورؐ کے گھر نہیں رہیں بلکہ حضور قیامت تک ان کے[1] گھر میں استراحت فرما ہیں

ب۔ اصحابؓ رسولؐ رفقائے رسول ہیں۔ سفر و حضر میں ہر جگہ حضور کے ساتھ ہیں۔ رشتہ دار ہیں سسرال ہیں۔ داماد ہیں۔ قلب ہیں۔ جگر ہیں پھر صرف دنیا کے ساتھی نہیں قبر حشر کے ساتھی ہیں۔ عالمِ برزخ

---

[1] قولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن ۔۔ واذکرن فی بیوتکن۔ ترجمہ۔ اے ازواج رسولؐ! تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ ۔۔ اور تم اپنے گھروں میں ذکر کرو۔

میں بھی حضورؐ کے قرین و قریب ہیں، اور وہاں بھی حضورؐ کے ہم نشین ہیں جہاں کوئی بھی کسی کا ہم نشین نہیں!

نوجوان اکلوتا بیٹا مرجائے ماتا کی ماری ماں قبر سے لپٹ لپٹ کر روئے گی اور رو دھو کر واپس آجائے گی۔ تاریخ انسانی میں آج تک کوئی محب کسی محبوب کے ساتھ گوشۂ لحد میں نہیں گیا۔ اگر مزار پرُ انوار میں بھی ساتھ نہیں چھوڑا تو صدیق رضؓ و فاروق رضؓ نے! رضی اللہ عنہما!

ان حقائق و واقعات اور قرآنی تعلیمات سے یہ نتیجہ صاف برآمد ہوتا ہے کہ جمیع وابستگان دامن رسالت پاک و مطہر ہیں اور ازواج رضؓ مطہرات و اصحابؓ رسولؐ کی صداقت و امانت ہر قسم کے ریب و شک سے بالاتر ہے۔ بشرطیکہ خدا ہمیں اپنے کلام پاک کو سمجھنے اور اس میں غور و تدبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے ؏
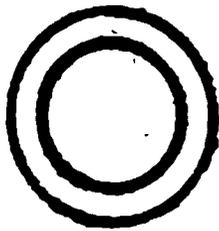
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰

کتاب اللہ کی دسویں شہادت

حضورؐ کی شانِ عصمت

ترے پائے تقدس میں تزلزل کس طرح آئے
ترا ڈیرا تعالیٰ اللہ جب ہے چشمِ ربانی

جب چشم ربانی دیکھتی انوارِ قدرت رخسارِ نبوت پر کھیلتے اور جلوہ ہائے رب العزت جبینِ رسالت پر تڑپتے ہیں نبی کی ذات وجودِ واجب الوجود کی عکاس اور رسول کا چہرہ توحید باری تعالے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

جمالِ قدرت کا ستر و حجاب

اللہ تعالے مخفی و مستور اور محجوب و مکنون ہیں انہوں نے

لاتدرک الابصار، کا ایسا بھاری پردہ اور گہرا نقاب اوڑھ رکھا ہے جو کسی سے نہیں اٹھ سکتا۔ جو کلیم سے نہیں اٹھ سکا وہ کسی اور سے کیا اُٹھے گا۔ کوہِ طور پر دیدارِ الٰہی کی کوشش کی۔ بڑی ہمت سے ہزاروں پردوں میں سے ایک اٹھایا تھا کہ مدہوش ہو کر گر پڑے۔ خرّ موسٰی صعقا ؎

کلیم غش میں ہے اور جل رہا ہے دامنِ طور!
ابھی تو حسن کا پہلا ہی پردہ اٹھا ہے

ظرفِ نبوت یہاں ذرا نبوت کی عالی ظرفی کا اندازہ تو کرو کہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا، اور حضرت موسٰی علیہ السلام دو منٹ کے لئے گر کر کھڑے ہو گئے۔ پہاڑ کے پرخچے اُڑ گئے۔ لیکن نبی پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی اور بس!

تو جب تک مجالِ نظر ہے وہ نظر نہیں آتے اور جب نظر آتے ہیں تو مجالِ نظر کہاں؟ ؎

اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
بہر حال وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتے۔

رخسارِ نبوت آئینۂ اسرارِ احدیت ہیں وہ خود تو کسی کو نظر نہیں آتے، مگر رخسارِ رسول پر مسکراتے ضرور ہیں۔ اب اگر کسی کو ان سے ملنا ہے تو

اسے رسول کے قدموں میں آنا ہوگا۔ بس یہی ایک طریقہ ہے جس پر کر انسان خدا کو مل سکتا ہے، صرف نبی ایک ایسا وسیلہ ہے، جو واصل بخدا کر سکتا ہے۔ اگر نبی کو درمیان سے نکال دیا جائے تو خدا کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا کوئی ذریعہ اور عرفانِ باری تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں!

تو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انوار الٰہی جھلکتے ہیں ان کے چہرۂ مبارک سے قطع نظر اللہ کی دید کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اور نہ تجلیاتِ ذات کے انعکاس کا اور کوئی محل ہے!

فلسفۂ عصمت انبیاء جب حضرات انبیاء و رسل انوار و تجلیات ذات کے آئینہ ہیں۔ تو ان کا میل کچیل گرد و غبار سے پاک ہونا لازمی ہے۔ قدرت اپنے آئینوں کو اپنے دستِ رحمت سے خود مصفیٰ و مجلیٰ کرے گی، انہیں ہر قسم کے داغ دھبوں سے محفوظ اور پاک صاف رکھے گی، کیونکہ اگر آئینہ داغ ہوا ہے تو حسن محبوب داغ دار ہو جائے گا۔ جمالِ حبیب کی جھلک میں قصور و فتور پیدا ہو جائے گا،

جب ہر محبوب اپنے حسن کی دید اور اپنے جمال کی نمود کے لئے اپنے آئینہ کو صاف ستھرا اور بے داغ رکھتا ہے تو ربّ العزت اپنے آئینوں ——— حضرات انبیاء و رسل

کو کیسے بے داغ اور مصفّٰی نہیں رکھیں گے! ضرور مصفّٰی و مجلّٰی رکھیں گے ایسا مصفّٰی و مجلّٰی! جس میں ان کے حسن و جمال کے انوار و تجلّیات جھلک سکیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہے۔ ان چہروں میں صاف صاف دیکھ سکے!

جب ربّ العزّت نے ستر و حجاب تان رکھے ہیں۔ اور بذاتِ خود کسی کو نظر نہیں آتے۔ جیسے نظر آتے ہیں چہرۂ رسالت پہ نظر آتے ہیں۔ اب اگر رسول کی ذات بے داغ نہیں۔ تو ان کی زبان پہ کون اعتبار کرے گا! اگر ان کا کردار منور نہیں اگر ان کی سیرت مقدس نہیں اگر ان کی حیات طیّبہ منزہ و مطہر نہیں تو ان کو دیکھ کر ان دیکھے خدا کو کوئی کیونکر مانیگا! اور ان کی زبان پاک کے سوا کسی کو جلوۂ خدا کہاں نظر آئے گا؟

تو اللہ کی توحید کا راز عصمت رسول میں مضمر ہے۔ اگر رسول معصوم نہیں تو کوئی انسان قیامت تک اللہ کی ذات اور توحید کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

رسول کی بے داغ سیرت اور غیر ملوث کردار ہی ایک ایسی قوت ہے۔ جس کے سامنے دشمن ہتھیار ڈال دیتے ہیں گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ نبی کی عصمت و پاک بازی اور ایک بشر کی ملکوتی صفت و پاک دامنی ہی کے رعب سے مرعوب ہو کر

انسان اپنے دیدہ "خداؤں" کو اٹھا کر گندی نالیوں میں پھینکنے اور نادیدہ خدا کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اگر عام آدمیوں کی طرح نبی کی ردائے کردار داغ دار ہو۔ اور سیرۃ طیبہ معصیت سے ملوث! تو وہ اول تو اتنی بڑی انقلابی دعوت پوری قوت سے دے ہی نہیں سکے گا اور اگر وہ دے بھی! تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے رب العزت اپنے رسول کی سیرت پاک کو اس حد تک پاکیزہ اور ان کی حیات مقدسہ کے ہر گوشے کونے کو اس درجہ معصوم رکھتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کی پوری زندگی کے کسی لمحہ پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔

قدرت نبی کی انگلی پکڑ کر آگے آگے چلتی ہے

گلی بازار میں کیلے کے چھلکے پڑے ہیں معصوم بچہ ہے۔ دو قدم بھی نہیں چلے گا کہ پاؤں پھسلے گا اور منہ کے بل گر جائے گا۔ لیکن اگر اس کی انگلی باپ کے ہاتھ میں ہے تو یہ کبھی نہیں گر سکتا۔ ذرہ پاؤں میں لغزش آئی انگلی میں لرزش پیدا ہوئی باپ کو پتہ چل گیا اس نے مضبوطی سے تھام لیا بچہ گرنے سے بچ گیا۔

اسی طرح نبی کی مقدس انگلی خود ذات پاک پروردگار کے ہاتھ میں ہوتی ہے خدا خود اپنے رسول کی انگلی پکڑ کر آگے آگے

چلتا ہے اور رسول پیچھے پیچھے! پھر نبی کا قدم جادۂ حق سے کس طرح متزلزل ہو سکتا ہے؟

انسان پھر بھی انسان ہے باپ کے ہاتھ میں بیٹے کی انگلی ہے ممکن ہے باپ غافل ہو جائے پتہ نہ لگے اور بیٹا گر جائے۔ لیکن نبی کی انگلی اس خدائے علیم و خبیر کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جہاں غفلت کا شائبہ بھی نہیں الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم

جب یہ حقیقت ہے تو نبی سے معصیت کا صدور ناممکن ہے نبی کا قدم تو تب ڈگمگائے جب خدا کی آنکھ لگ جائے معاذاللہ خدا غافل ہو جائے تو نبی گنہ گار ہو سکتا ہے اور اگر خدا سے غفلت ممکن نہیں تو نبی سے بھی معصیت ممکن نہیں خدا علیم و خبیر ہے تو رسول معصوم ہے یقیناً معصوم! اس سے معصیت ہو ہی نہیں سکتی! خواہ کتنی ہی لغزشیں لغزشوں پر لغزشیں درپیش کیوں نہ ہوں۔

حضرت یوسفؑ کا جمالِ عصمت

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی مشکلات کا اندازہ تو کیجئے، مشکل پر مشکل منزل ہے، اور لغزش پر لغزش کا موقع! مگر دیکھئے اللہ تعالے کس طرح انہیں بچاتے ہیں۔

ا- شباب

سب سے پہلی مزلۃ الاقدام چیز جوانی ہے۔ جوانی! الامان! جوانی دیوانی ہے، شاعر نے

حقیقت کی کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

بے نے مست جوانی آئی دریا میں طغیانی آئی
سندر صورت دیکھی کوئی عقل و دل کی پونجی کھوئی

سب سے پہلی پھسلن جوانی ہے جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئی فرمایا ولما بلغ اشدہٗ ـــــ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہونچ گئے۔

۲۔ غربت و مجبوری

دوسری مشکل غربت و مجبوری ہے ارشاد فرمایا:۔

وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہٖ ، اور جس عورت کے گھر میں یوسف (علیہ السلام) رہتے تھے۔ وہ (ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے) ان کو بہلانے پھسلانے لگی،

حضرت یوسف علیہ السلام غریب الدیار ہیں۔ اپنے وطن سے دُور گھر سے بے گھر، اور جس گھر میں رہتے ہیں اس گھروالی جان کی، جان ہی کی نہیں دین وایمان کی لاگو ہے۔

یہ جو سیدنا یوسف پر ڈورے ڈالنے لگی ہے۔ یہ کوئی عام عورت نہیں! حسن وجمال یوسف پر جو فریفتہ و مفتون ہوگئی ہے تو امراۃ العزیز! جس کے گھر میں حضرت یوسفؑ رہتے ہیں۔ جس کے ہاتھوں میں پلتے رہیں۔ جو پیار و محبت سے رکھتی ہے۔ جس کی آغوشِ محبت میں آپ عالم طفلی سے عنفوان

شباب تک پہنچے ہیں۔ آپ کی نورانی شکل و صورت پر ریجھنے والی زلیخا ہے، جس نے اعزاز واکرام سے پالا پوسا ہے، جب جوان ہوئے ہیں تو دل دے بیٹھی ہے، اب حضرت یوسف علیہ السلام کی مجبوری ملاحظہ ہو کہ مربی دشمن ناموس ہے۔ محافظ، قزاق! اور آغوش شفقت میں جگہ دینے والی جوہر عصمت لوٹنے پر تیار!

ع جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کب ہو زندگی!
کون رہبر ہو سکے جب خضر بہکانے لگے؟

۳۔ عالم خلوت تیسرا مزلۃ الاقدام مقام عالم خلوت ہے خلوت ایک آفت ہے بہت بڑی آفت! خدا کی پناہ! جہاں مرد و عورت دو فرد ہوں وہاں تیسرا شیطان ضرور ہوتا ہے۔

زلیخا نے گھر کے سب دروازے بند کر دیئے ہیں وغَلَّقَتِ الابواب۔ بنگلے کا دروازہ بند، زنان خانے کا دروازہ بند، ہال کے دروازے بند۔ کمرے کے دروازے بند۔ غرض سب ابواب مسدود و مغلق ہیں، تاکہ کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔ اور نہ ہی کوئی غیر آنے پائے۔ بالکل تنہا ہیں۔ یا حضرت یوسفؑ ہیں اور یا زلیخا! تیسرا نہ تو کوئی موجود ہے اور نہ ہی کسی کے آنے کا امکان ہے۔

۴۔ دعوتِ عیش و نشاط

چوتھی مُزِلۃ الاقدام منزل زلیخا کی عریاں دعوت عشرت ہے۔

ذرا اندازہ تو کرو امراۃ العزیز جیسی عیار و پرکار عورت نے گردو پیش کی آرائش و تزئین میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہو گی عیش و اسباب میں کوئی کمی کی ہو گی! اشتعال انگیز اور جذبات میں طوفان و تلاطم پیدا کرنے والا ماحول تیار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہو گا؟ اپنے سنوار سنگار، اپنے حسن و جمال کے نکھار میں کوئی کوتاہی کی ہو گی؟ قطعاً نہیں! اپنی تحسین و تزئین اپنی زیب و زینت اپنی رعنائی و دل ربائی میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہو گی؟ بالکل نہیں!

اس حسین و رنگین ماحول کی ہر چیز کسی کی ہوس و طلب کا راز افشا کر رہی تھی، امراۃ العزیز کا بال بال حقیقتِ حال کا غماز و کشاف تھا اور اس کی نظر نظر میں دردِ دل کے طوفان امنڈ رہے تھے ؎

کوئی سخن شناس نہیں ورنہ دردِ دل
اپنی نظر نظر سے بیاں کر رہا ہوں میں

مگر ایک اللہ کے محبوب رسول تھے جو بالکل بے خبر تھے، ان کے وہم و گمان اور فہم و فکر میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ یہ سارے جال ان ہی کا طائر قلب پھنسانے کے لئے

بچھائے گئے ہیں۔

جب عیاشی کی یہ ساری خاموش دعوتیں اور زبان بے زبانی سے ہم آغوشی کی سب درخواستیں و التجائیں ٹھکرادی گئیں، متاعِ عصمت کو لوٹنے کے یہ سارے حربے ناکام ہو گئے اور سیدنا یوسف علیہ السلام یہ سمجھ بھی نہ سکے کہ ماحول کی اس رنگینی اور گرد و پیش کی اس دلآویزی سے مقصد و مطلب کیا ہے اور یہ ساری تیاری کس لئے ہے، جب یہ سارا ہوش رُبا ماحول، دلکش و حسین منظر، ہیجان جذبات و کیف انگیز گرد و پیش عصمت مآب حضرت یوسفؑ کو قطعاً متاثر اور زلیخا کی طرف متوجہ و ملتفت نہ کر سکا تو اب اس عورت ذات نے نسوانی شرم و حیا کا پردہ پھاڑ، ضبط و صبر کی صنفی روایات کو بالائے طاق رکھ اور حجاب و تکلف کے تمام تقاضوں کو نظر انداز و پامال کر کے زبان کھولی اور انتہائی بے باکی و عریانی کے ساتھ کہنے لگی "لو آجاؤ" وقالت هيت لك، اور (زلیخا) بولی آجاؤ! تم ہی سے (تو) کہتی ہوں! ادھر ادھر کیا دیکھتے ہو کسی اور سے نہیں تم ہی سے تو کہہ رہی ہوں، یہ ساری کائنات تیرے ہی لئے تو سجا رکھی ہے، یہ رنگ و نور اور شراب و شباب کی بساط آپ ہی کے لئے تو بچھا رکھی ہے، بس آؤ اور آکر میرے دل

میں سما جاؤ ؎

سبزہ بھی کلی بھی غنچے بھی موسم بھی گھٹا بھی جام بھی ہے
ایسے میں تم اے کاش آ جاؤ ایسے میں تمہارا کام بھی ہے

یہ سارا مسحور کن ماحول یہ سارا سامان عیش و نشاط یہ جذبات میں ہیجان و تلاطم برپا کرنے والے اسباب یہ تمام دواعیٔ فسق و فجور، یہ میرا مرقع گھر یہ میرا مزین وجود، یہ بناؤ یہ سنگار یہ تجمل یہ تبرج! یہ سب کچھ تیرے ہی لئے تو ہے، بس اب آ جاؤ اور جلدی آ جاؤ اب دیر کا ہے کی ہے؟

مقام نبوت

اب یہاں ذرا مقام نبوت کی بلندی اور رسالت کی پاکیزگی و طہارت کردار کا اندازہ تو کیجئے۔

ضبط نفس و تحفظ عصمت کے تمام اسباب بکلی منقطع اور جنسی آوارگی و نفسی خواہشات کی راہ سے تمام موانعات یکسر مرتفع ہیں، سفلی جذبات میں اشتعال اور نفسانی شہوات کی تسکین کے تمام ذرائع موجود ہیں۔ پھر حسن عریاں الفاظ میں برملا دعوت عیش و عشرت دیتا ہے اور رنگ رلیاں منانے پر مصر نظر آتا ہے۔ مگر یہ جبل عصمت ذرا بھی تو اپنے مقام سے نہیں ہلتا۔ اللہ تعالےٰ ان کا دامن عفت بھام لیتے ہیں اور ان کے پائے ثبات میں ذرہ بھر جنبش اور قدم مقدس

میں تھوڑی سی لغزش بھی تو پیدا نہیں ہوتی.

قال معاذ الله ! کہا خدا کی پناہ !

آپ نے معاذ اللہ کہا اور ایک کلمہ تعوذ سے شیطانی جال کے تمام حلقے توڑ ڈالے۔

۵۔ تعاقب و دست درازی

پھر اسی پر بس نہیں جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس کی عریاں دعوت بھی ٹھکرا دی اور حسن کی دریوزہ گری کو مسترد فرما دیا ہے

حسن، اور عشق کے دربار میں دریوزہ گری
عشق صادق ہو تو ایسے بھی مقام آتے ہیں

حضرت یوسف کا قلب عشقِ صادق سے معمور اور انکی آنکھیں بادۂ عشق ربانی سے مست و مخمور تھیں، انہوں نے زلیخا کے حسن و جمال اور اس کی آرائش و نمائش کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی تو نہ دیکھا، اور اس کی دعوتِ معصیت کو ٹھکرا کر اس متعفن ماحول سے نکلنے کے لئے دروازہ کی طرف لپکے۔

امراۃ العزیز اپنی اس توہین پر مشتعل ہو گئی اور بدحواس ہو کر دست درازی پر اتر آئی۔ سیدنا یوسف معصیت کے تعفن سے گھبرا کر بھاگے آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے زلیخا وہ اس مسلک کی پابند نہیں تھی ہے

چوں دست ما بہ دامن وصلش نمے رسد
پائے طلب شکستہ بداماں نشستہ ایم

اس کا مذہب یہ تھا ؎

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

ظالمہ نے جوشِ فریفتگی میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السّلام کا تعاقب کیا، اور عالم وارفتگی میں پیچھے سے آپ کا قمیص پکڑ لیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کا دامن کسی اور کے ہاتھ میں بھی ہے۔ جو سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے اس نے آپے سے باہر ہو کر کُرتے کا دامن پکڑ لیا اس کا خیالِ خام اور زعمِ باطل یہ تھا کہ اب شکار اس کے جال میں پھنس گیا ہے۔ اب اس کی گرفت سے حضرت یوسف علیہ السّلام آزاد نہیں ہو سکتے۔ مگر کیا دیکھتی ہے کہ قمیص کی دھجیاں تو اس کے ہاتھ میں ہیں اور یوسفؑ اُن کے ہاتھ میں!

واستبقا الباب وقدّت قمیصہ من دبر —
اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے۔
اور اس عورت نے (حضرت) یوسف علیہ السّلام کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا دیوانی نے پیچھے سے قمیص پکڑ کر کھینچا

اس کھینچا تانی میں قمیص تو پھٹ گیا مگر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام صاف بچ کر نکل گئے ؎

چمٹتی ہی رہی خاکِ شہیداں   سمٹتا ہی رہا دامن کسی کا

اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو صاف بچا لیا۔ اور دشمن کے بُرے عزائم سے آپ کو محفوظ و مصئون رکھا۔

كذالك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين۔

یوں ہی ہُوا تا کہ ہم یوسف (علیہ السلام) سے بُرائی اور گناہوں کو ہٹائیں، بلا شبہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔

نکتہ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو بُرائی سے ہٹا اور بچا لیا۔ بلکہ فرمایا ہم نے برائی کو ان سے ہٹا لیا، بُرائی کی نسبت بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف نہ فرما کر ان کے کمالِ عصمت و جمالِ عفت کا مظاہرہ فرمایا۔

پھر انه من عبادنا المخلصين فرما کر اس حقیقت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ رب العزت اپنے ہر برگزیدہ بندے کی حفاظت کرتے اور ہر رسول کی عصمت کا تکفل فرماتے ہیں۔

دیکھئے کتنی سخت سے سخت لغزشیں حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئیں اور کتنی سنگین سے سنگین مزلۃ الاقدام منزلوں سے انہیں گزرنا پڑا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے انکا دامن بچائے اور ان کی ذات کو تھامے رکھا اور مشکل وقت میں بھی ان کو عصمت و عفت پر ثابت قدم رکھا اور کسی کا داؤ ان پر نہ چلنے دیا۔

ذرا خیال فرمایئے! اور ساری سرگزشت پر ایک نظر پھر ڈالئے ترغیبات کی تہرسامانیاں، طلب والحاح اور آہ وزاریاں! عالم خلوت، کوئی پردہ و حجاب حائل نہیں، موانعات کا فقدان کوئی آنکھ دیکھنے والی نہیں، پھر مجنونانہ تعاقب، بھلا بتلایئے توسوائے کوہ عصمت کے کون ہے جو ان تیرو تند آندھیوں اور خشم گین طوفانوں میں اپنی جگہ پر قائم رہ سکے؛ اداؤں کا مظاہرہ اور برملا دعوت معصیت مگر اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول معصوم کی ردائے کردار کو بے داغ رکھا۔

درس بصیرت سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قرآنی قصہ میں عالم انسانیت کے لئے بہت بڑا حصہ ہے۔ حسن عمل اور نیکی و پاکبازی کا یہ شاہکار اور اس کی پاداش میں صبر آزما مظلومیت و

مصیبت کی سرگزشت مسلمان نوجوانوں کے لئے درس بصیرت سبق عبرت اور سراپا پند و موعظت ہے، اللہ کے محبوب رسول نے اپنی بے داغ سیرت اور تابدار کردار سے بتلا دیا کہ برائی کے آگے کبھی ہتھیار نہ ڈالو کسی بھی حالت میں طہارتِ روح کو لذتِ نفس پر قربان نہ کرو۔ الٹا ہمیشہ لطف عشرت کو کیف عصمت کی بھینٹ چڑھا دو۔ اور یاد رکھو کہ ؎

عشرتِ بے ثبات کی لَو میں جسم ہنستا ہے رُوح جلتی ہے

اور کبھی نہ بھولو کہ ؎

راحتِ عصیاں سے بڑھ کر رنج عالم میں نہیں
وہ جلن اس عیش میں ہے جو جہنم میں نہیں

آپ نے برسوں قید و بند کے جاں گسل مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا لیکن جوہر عصمت کو غبار آلود نہ ہونے دیا اپنے اس طرز عمل سے آپ نے بتلا دیا کہ ؎

آبعیت آبرو کہ نہ آید بہ جوئے باز ازتشنگی بمیر د مریز آبروئے خویش

۲- دوسرا سبق آپ کی سیرتِ طیبہ سے یہ ملتا ہے کہ حالات جتنے نامساعد و ناسازگار بلکہ مخالف اور پُرآشوب ہوں اور ماحول جتنا تیز و تند اور وقت جتنا غضب آلود و خشم گین ہو اتنا پرواز میں بلندی اور ہمت میں علو ہونا چاہیئے ؎

تیزیٔ بادِ مخالف سے نہ ہو حیراں عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

حالات کے آگے ہتھیار ڈال دینا اور سیلاب کے بہاؤ میں بہہ جانا خس و خاشاک کا کام ہے۔ عالم پاک کا نہیں۔

۳۔ تیسرا سبق اس سرگزشت پاک سے یہ ملتا ہے کہ آخری فتح ہمیشہ حق و صداقت کی ہوتی ہے ظلم و باطل مآل کار حق کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے۔ عصمت و پاک بازی اور عفت و پاک دامنی فسق و فجور اور معصیت و بدکرداری کے مقابلے میں جیت جاتی ہے۔ میدان میں سربلند و سرخرو ہوتی ہے، اور سیاہ کاری و عصیاں کے چہرے پر سیاہی ہی سیاہی نظر آتی ہے۔ اَلْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ......!

حضورؐ کے جمال عصمت کی رعنائیاں

آپ نے سیدنا یوسف علیہ السّلام کے جمال عصمت کا روح آفریں مظاہرہ دیکھ لیا۔ اب ذرا سیّدالانبیا و امام المرسلین کے کمال عفت کا ایمان افروز نظارہ کیجئے!

ارشاد فرمایا

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (آخر سورۂ طور پارہ ۲۷)

(اے محبوب رسولؐ!) بلاشبہ آپ ہماری آنکھوں میں ہیں۔ حضورؐ ہر وقت اللہ تعالےٰ کی آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔ یعنی آپ کی ذات پاک پر ہر وقت ذات پاک رب العزت کی نگاہ پاک لگی رہتی ہے۔ آپ خدا کی حفاظت ونگرانی میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کے محافظ و نگہبان ہیں۔ اور ہر وقت نگہداشت و پاسبانی فرماتے رہتے ہیں۔

قعود پر پہرہ فرمایا:۔

واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ ط واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین ہ (پارہ ۷ سورۂ انعام ع ۸)

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں (فضول اور معاندانہ) بحث کر رہے ہیں تو آپ ان سے کنارہ کش ہو جائیے! یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں۔ اور اگر آپ کو شیطان (ہمارا یہ حکم) بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھئے!

شیطانی مجالس و محافل میں شرکت جہاں آیات اللہ یا مذہب حقہ یا

اہل حق پر طعن و تشنیع، استہزاء و تمسخر اور نکتہ چینی وعیب جوئی ہو رہی ہو اس مجلس میں بیٹھنا اور ان ظالم لوگوں سے خلط ملط اور راہ و رسم رکھنا مومن کا کام نہیں۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ بھول کر بھی اس قسم کی شیطانی مجالس کے قریب تک نہ پھٹکے۔ یہ مجالست ممنوع و حرام ہے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور ظالمین کے ساتھ مجالست کا سلسلہ جاری رکھا تو:-

انکم اذا مثلہم ان اللہ جامع المنفقین
والکافرین فی جہنم جمیعاً (پارہ ۵ سورہ نساء ع ۲۰)

(جس وقت تم ان کے ساتھ بیٹھو گے) بلاشبہ اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے، یقیناً اللہ تعالےٰ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ اہل کفرو باطل کی کفریات وغیر اسلامی حرکات کے وقت مجالست بالرضا کفر ہے۔ اور اس کفر صریح کے بعد دعوے اسلام عین منافقت ہے ؎

ہر گزم باور نمی آید زروئے اعتقاد
این ہمہ با کردن و دین پیمبر داشتن

اگر کسی مجالس میں ——— "حب اہل بیتؓ" کے نام پر بغض صحابہؓ کا مظاہرہ کیا جاتا ہو، حضرات شہداء کربلا

رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے مصائب کے عنوان سے صحابہ کرامؓ پر مطاعن کی بارش ہوتی ہو اور آل رسولؐ پر کئے گئے مظالم بیان کرتے ہوئے اصحابؓ رسولؐ پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہوں ——— توجو لوگ ان میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ ان آیات قرآنی و ارشادات ربانی کی روشنی میں اپنا مقام خود تلاش کرلیں ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے ذوق نہ کر نور میں آمیزشِ ظلمت ۔ کیا کام تبرے کو محبت میں علیؓ کی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر کیا خوب لکھا ہے :۔

"اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھا سنا کرے اگرچہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے [1]"

قیام پہ پہرہ

تعوذ کے بعد اب قیام پر رب العزت کی نگہداشت ملاحظہ ہو ارشاد فرمایا :۔

ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدًا ولا تقم علیٰ

---

[1] حاشیہ قرآن کریم مترجم بترجمہ شیخ الہندؒ۔

قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون ۰

(پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۱)

اور (اے رسول مقبول) آپ ان میں سے کسی پر جو مرجائے کبھی نماز (جنازہ) نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے! (کیونکہ) انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالتِ (کفر و) فسق ہی میں مر گئے ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے اس آیت کا شانِ نزول جو منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین مرگیا، تو اس کے بیٹے (وہ صحابی تھے) کی درخواست پر حضور نے کفن کے لئے اپنا قمیص مبارک دے دیا اور نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ فرمایا، حضرت عمرؓ آڑے آئے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت اسلام سے غداری کی ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا۔

حضرت عمرؓ کی غیرتِ ایمانی میں جوش و تلاطم کی یہ کیفیت تھی کہ حضورؐ کا دامن مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں کیا اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ نہیں فرمایا استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم۔

آپ نے ارشاد فرمایا عمر! مجھے اللہ تعالیٰ نے استغفار کرنے سے منع نہیں کیا۔ اختیار دیا ہے استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے ان کو معاف نہ فرمائے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہوسکتی ہے تو میں ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کرتا"

تو معلوم ہوا کہ حضور بھی حضرت عمرؓ کی طرح دعا و استغفار کو اس لعین کے حق میں غیر مفید سمجھتے تھے۔ بات یہ ہے کہ آپؐ پر رحمت کا غلبہ تھا اور آپ رحمت و شفقت کا عام مظاہرہ فرمارہے تھے۔ حضرت عمرؓ مجسم غیرت تھے اور حضورؐ رحمت مجسم، وہ غیرتِ حق کا پیکر تھے اور آپ سراپا رحمت! رحمۃ للعالمین!! وہ دینی غیرت کے جوش وجذبہ سے مغلوب ہوکر ایک دشمنِ دین شقی ازلی کے حق میں دعا و استغفار سے حضورؐ کو روک رہے ہیں۔ اور حضورؐ وفور رحمت اور جوش شفقت کے باعث ایک مردود وملعون کے لئے دعائے استغفار فرما رہے ہیں۔

اللہ اللہ! کیا شان ہے رحمتِ عالمؐ کی رحمت کی! کہ عمر بھر کے دشمن و بدخواہ اور شدید ترین معاند و بداندیش کی مغفرت کے لئے مضطرب ہیں۔ اور کیا شان ہے فاروق اعظمؓ

کی غیرت کی! کہ امام الانبیاء سید المرسلین کا دامنِ مبارک تھام تھام کر عرض کر رہے تھے کہ حضور ایسا نہ کیجئے! اس بے ایمان کا جنازہ نہ پڑھایئے، آخر کار رحمت غیرت پر غالب آ گئی۔ نبوت نے امامت کی درخواست مسترد فرما دی۔ اور حضورؐ نے نمازِ جنازہ شروع کر دی۔

ایمانِ عمرؓ کا سخت امتحان

اَب دیکھئے حضرت عمرؓ کا ایمان! دینی جذبات و احساسات کچلے گئے ہیں، مگر پرواہ نہیں۔ عرض کیا۔ حضورؐ نے منظور نہیں فرمایا تو اب مقابلہ و مجادلہ اور مقاطعہ و معارضہ وغیرہ کچھ بھی نہیں، سرِ تسلیم خم ہے۔ اور سب سے پہلے صف میں کھڑے ہیں۔

خدا لگتی کہئے! اس سے زیادہ سخت امتحان کسی کے ایمان کا ہوا؟ قطعاً نہیں! اشد شدید آزمائش تھی جس میں حضرت عمر مبتلا ہوئے۔ اور بفضلہٖ تعالےٰ سولہ آنے پورے اترے رضی اللہ عنہ وعنہم!

بہر حال آپؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالےٰ یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے ان کی رائے تو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی لیکن حضور کی نبوت کا احترام و اعزاز بھی ملحوظ تھا۔ اس لئے اس دوران میں خاموش رہے اور رئیس المنافقین کا

جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔

مقام نبوت نبوت سب کی مطاع ہوتی ہے، کسی کی مطیع نہیں ہوتی مطیع ہوتی ہے تو ایک خدا کی! عمرؓ کا روکنا گو حق بجانب ہو مگر عمرؓ کو کیا حق ہے کہ حضور کو روکے۔

اللہ میاں نے نبوت کے اس مقام کا احترام فرمایا۔ جب نبوت کے تقاضے پورے ہو گئے اور جو کچھ حضورؐ چاہتے تھے کر گزرے، نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ تو اب وحی نازل ہوئی جبرئیل امین آئے اور اللہ کا پیغام لائے۔ ولاتصل علیٰ احد منهم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبره انهم کفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون (پارہ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۱۱)

وحیٔ ربانی نے غیرت فاروقی کی حمایت اور حضرت عمرؓ کی رائے سے موافقت فرمائی اور آئندہ منافقین کا جنازہ پڑھنے اور کفن دفن میں حصہ لینے سے صریح ممانعت فرمادی۔ اس کے بعد حضور نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

قیام علی القبر رب العزت نے صرف کفار و منافقین کی میت پر قیام و صلوۃ ہی کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ ان کی قبور پر قیام کی بھی ممانعت فرمادی اس کے بعد حضور کسی بے ایمان کی قبر کے باہر نہیں کھڑے ہو سکتے۔

ایک نکتہ

باہر تو کھڑے نہیں ہو سکتے ہاں اندر سو سکتے ہیں۔ قبر سے پانچ فٹ دور باہر تو ایک منٹ کے لئے قیام نہیں فرما سکتے۔ مگر روضۂ اقدس کے اندر پہلو بہ پہلو قیامت تک استراحت فرما سکتے ہیں۔ فتدبرا!

سوچنے کا مقام ہے کہ جس خدا کی غیرت حضور کی ذات پاک کو اعدائے دین کی قبر کے قریب باہر کھڑا نہیں دیکھ سکتی وہ خدا قیامت تک آپ کی ذات پاک کو معاذاللہ ان کے پہلو میں کس طرح آرام فرما دیکھ سکتا ہے؟

حضرت علیؓ کی ذمہ داری

اگر معاذاللہ حضرات شیخینؓ تقدس مآب نہ ہوتے تو حضرت علیؓ ان کو روضۂ رسول میں کبھی دفن نہ فرماتے آپ کا فرض تھا کہ ان کی ذات پاک کو آغوش رسالت میں دفن نہ ہونے دیتے۔

جب سیدنا حضرت علیؓ اپنے مبارک کندھوں پر ان حضرات کے جنازے اٹھا اٹھا اور اپنے ہاتھ سے قبر کھود کھود کر انہیں دفن فرما رہے ہیں۔ تو ان کی عظمت وتقدیس اور صداقت و امامت میں ادنیٰ سے شک وشبہ کی بھی گنجائش کہاں!

اگر کہا جائے کہ ان حضرات کی تدفین میں حضرت علیؓ کی کوئی ذمہ داری نہیں اور یہ ان کی رائے عالی کے خلاف پہلوئے نبوت

میں دفن کئے گئے تھے تو:۔

۱۔ کیا شان ہے جلالت صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کی! کہ بعد وفات بھی زندہ علی رضؓ پہ غالب ہیں۔ جب یہ نعوذ باللہ "مردہ" ہو کر بھی زندہ علی رضؓ بلکہ زندہ نبی اور زندہ خدا پر غالب ہیں تو ان کا کلمہ پڑھنا چاہئے نہ کہ اُلٹا ان سے تبرا کرنا چاہیئے!

۲۔ آخر یہ کیسے اسد اللہ الغالب ہیں جو شیخین رضؓ کی حیات مقدسہ میں بھی معاذ اللہ "مقہور و مغلوب" رہتے ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی ان سے مغلوب رہتے ہیں۔ اور وہ ان کی رضا کے خلاف روضۂ رسول میں دفن ہو جاتے ہیں۔

۳۔ چلو! تدفین صدیق رضؓ کے وقت تو خلافت فاروق اعظم رضؓ کی تھی اور تدفین فاروق رضؓ کے وقت عثمان رضؓ ذی النورین کی! اور سیدنا علی رضؓ مجبور و مظلوم اور بے اختیار تھے، مگر کبھی آپ کے ہاتھ میں زمام اختیار آئی بھی؟ اگر کبھی اللہ تعالے نے آپ کو بھی اقتدار عطا فرمایا تو اس وقت؟ پھر اس وقت اس "غضب عظیم" کی اصلاح کیوں نہیں فرمائی؟

۴۔ جب دوسرے لوگ اپنے زور اقتدار سے ناجائز طور پر ان حضرات کو دفن کر سکتے ہیں تو حضرت علی رضؓ اپنے عہد اقتدار میں جائز طور پر انہیں نکال کیوں نہیں سکتے؟

بعض "شرفا" کہتے ہیں کہ روضۂ رسول میں دفن ہونا حضرات شیخین رض کے لئے باعثِ فضیلت نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کعبۃ اللہ میں بت موجود رہے ،

سوال یہ ہے کہ :۔

۵۔ بُت موجود تھے یا ہیں ؟

ا۔ بت کعبۃ اللہ میں تھے اور یہ حضرات روضۂ رسول میں ہیں

ب۔ بت حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے کعبہ میں مکین تھے اور یہ حضرات حضورؐ کے تشریف لے جانے کے بعد قیامت تک روضۂ اقدس میں جاگزیں ہیں۔

ج۔ بتوں کو حضرت علی رض نے پاؤں کی ٹھوکر سے حرم کعبہ سے باہر نکال پھینکا اور ان حضرات کو اپنے کندھوں پہ اٹھا کر حریمِ نبوت کے اندر جگہ دی۔

۶۔ اگر ـــــ خاکم بدہن گستاخ ـــــ یہ حضرات بھی "بت" تھے تو سیدنا حضرت علی رض نے اللہ کے گھر کو تو بتوں سے پاک کیا۔ مگر اپنے محسن اور محبوب رسولؐ ـــــ جنہوں نے آپ کو اللہ سے روشناس کیا ـــــ کے گھر کو معاذ اللہ ان بتوں سے صاف نہ کیا ؟

۷۔ کعبۃ اللہ کو تو اس وقت پاک صاف کیا۔ جبکہ ان کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار نہ تھی اور کاشانۂ رسالت کو اس وقت

بھی معاف نہ کیا جب کہ آپ کو اقتدار حاصل تھا اور حضورؐ ہی کے صدقہ میں!

۸۔ جہاں اللہ تعالیٰ بیٹھے نہیں وہاں سے تو بت نکال کر گندی نالیوں میں پھینک دئے اور جہاں اللہ کے رسول قیامت تک لیٹے ہیں وہاں الٹا اپنے کاندھوں پہ لا لا کر دفن فرما دئے۔ انّ ہذا لشیٔ عجیب۔

خلاصہ۔ یہ کہ اگر حضرات شیخین رضؓ کی ذات پاک کو ہدف مطاعن بنایا گیا تو پھر لازمی طور پہ حضرت علی رضؓ کا طرز عمل بھی زیر بحث آئے گا، اور حیدر کرار بھی آپ کے نشانۂ جور و جفا بنیں گے اور تیر بیداد سے کوئی بھی بچ کر نہیں رہ سکے گا۔

ع۔ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

آپ ان حضرات کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا اور ان کی راہ میں چشم ہائے محبت بچھا دیجئے آپ ان کے قدوم تقدس لزوم پر جبین عقیدت رکھ دیجئے۔ پھر نہ کوئی الجھن پیش آئے گی نہ مشکل! ہر ایک چیز مشین کے پرزوں کی طرح اپنی اپنی جگہ پہ فٹ ہوتی چلی جائے گی۔ ع

تمہی ہر ادا میں بل ہے تری ہر نگہ میں الجھن مری آرزو میں لیکن کوئی پیچ ہے نہ خم ہے

نظر پر پہرہ قیام وقعود اور صحبت و مجالست کے بعد اب نظر پر پاسبانی ملاحظہ ہو۔ ارشاد فرمایا:۔ ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنہم فیہ ورزق ربک خیر وابقٰی۔

(پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ آخری رکوع)

اور آپ ان چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے مختلف کفار کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے۔ دنیوی زندگی کی رونق (زینت و آرائش) کی چیزیں! اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق بدرجہا بہتر ہے۔ اور بہت دیر پا ہے۔

حضور تو کفار کے مال و متاع اور ساز و سامان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتے۔

دل پر پہرہ نظر اقدس کے بعد اب قلب اطہر پر پہرہ کی کیفیت ملاحظہ ہو ارشاد فرمایا:۔

وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذا لاتخذوک خلیلا ۰ ولولا ان ثبتنٰک لقد کدت ترکن الیہم شیئا قلیلا ۰ اذا لاذقنٰک ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا ۰ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۷)

اور واقعی (کافر) لوگ قریب تھے کہ آپ کو اس چیز سے بہکا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ تاکہ آپ اس وحی کے سوا ہم پر بہتان باندھ لیں۔ اور اس وقت وہ ضرور آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو بالیقین آپ ان کی طرف ذرہ بھر جھکنے کے قریب جا پہنچتے (خدانخواستہ اگر ایسا ہوتا تو) اس وقت ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد وفات (معاذ اللہ) دوہرا عذاب چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار بھی نہ پاتے۔

تَرکَنُ رکون سے ہے۔ رکون ادنیٰ جھکاؤ اور خفیف ترین میلان قلب کو کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ شیئاً پھر قَلِیلاً فرمایا گیا۔ تو اس میں مزید قلت وخفت پیدا ہو گئی۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ ترین قلبی رجحان رہ گیا۔ مگر اس کا بھی وقوع عمل میں نہیں آیا۔ کِدْتَّ فرما کر قلب وصدر کے اس ادنیٰ ترین رجحان و میلان تک کے وقوع و صدور کو بھی ختم فرما دیا، سبحان اللہ!

حضور کی پاکیزگی فطرت اور نفسی طہارت کا انتہائے کمال

اب تو آپ اللہ کے معصوم پیمبر ہیں، پروردگار خود آپ کی عصمت کا کفیل ہے۔ فضل ربانی زلات بشری سے آپ کی

نگہبانی کرتا ہے۔ اور قدوم معصوم میں ادنیٰ سے ادنیٰ لغزش بھی نہیں آسکتی۔ اب تو معصیت کا تصور اور کفار کی طرف توجہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن فرض کرو اگر یہ نہ ہوتا۔ اللہ میاں آپ کی حفاظت و نگہبانی نہ فرماتے اور آپ کی ذات پاک کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر نہ بھی رکھتے تو کیا ہوتا؟

کیا پھر حضور کفار و مشرکین کو اپنا یار غار بنا لیتے؟ اعدائے دین سے محبت و مودت اور الفت و پیار فرماتے؟ ان کو اپنے اعتماد میں لیتے؟ انہیں اپنا رفیق و خلیل اور وزیر و مشیر بنا لیتے؟ ان سے رشتے ناطے کرتے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

کچھ بھی نہیں! اب تو رب العزۃ نے آپ کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ اب تو آپ سے ادنیٰ سی لغزش بھی ممکن نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ حضور کی عصمت کا تکفل نہ بھی فرماتے اور آپ کی عفت و طہارت کے ذمہ دار نہ ہوتے تو بھی حضور کفار و مشرکین سے مودت و محبت کے تعلقات نہ رکھتے آپ کی طبعی پاکیزگی اور نفسی شرافت کا اقتضا یہ تھا کہ آپ ان کی طرف گوشۂ چشم التفات بھی مبذول و منعطف نہ فرماتے آپ کی فطرتی طہارت

دیا کیزگی کبھی آپ کو منافقین و دشمنانِ دین کی طرف ایک قدم جانے کی اجازت نہ دیتی زیادہ سے زیادہ ہوتا تو یہی کہ حضورم کا اقل قلیل اور ادنیٰ ترین قلبی میلان و رجحان ان کی طرف ہو نہ جاتا ہونے کے قریب ہو جاتا۔ حضور کی ذات پاک کے ان اشقیا کی طرف بہت ہی تھوڑا برائے نام جھکاؤ کا سوال نہیں قلب اقدس کا خفیف سا جھکاؤ ان عیار و فریب کار کفار و اشرار کی طرف ہوتا، وہ بھی ہوتا نہ، ہونے کے قریب ہو جاتا۔

اللہ اللہ! خلعتِ عصمت کے انعامِ ربانی و عطیہ صمدانی سے قطع نظر! اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو تقویٰ و طہارت کے کس بلند ترین مقام پر فائز فرمایا تھا اور آپ کی فطری پاکبازی و ذاتی پاکیزگی کا کیا کمال تھا کہ اقتدار و حکومت کا کوئی لالچ، حسن و دولت کا کوئی چکمہ اور دوستی و خلعت کی کوئی پیشکش آپ کو اپنے مقام سے متزلزل نہ کر سکی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی ترغیب آپ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش و تزلزل پیدا نہ کر سکی۔ نہ ہی ترہیب و تخویف کی کوئی تیز و تند آندھی یا کف بدہن سیلاب کوہ عصمت و جبل عفت کو اپنی جگہ سے ہلا اور ذرہ بھر جنبش میں لا سکا رؤسائے قریش نے ابو طالب کو درمیان میں ڈال کر

حضورؐ کو عرب کے تختِ حکومت زر و جواہر کے خزانہ اور حسین عورتوں کا لالچ دیا آپ نے حسن و دولت اور حکومت کی پیشکش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور ابوطالب سے آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدایا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا[1]

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

اللہ اللہ! کہاں حضور کا یہ جمالِ سیرت و کمالِ طہارت! کہ اگر قدرت اپنے فضل خصوصی سے آپ کی خاص حفاظت اور تکفلِ عصمت نہ بھی فرماتی تو آپ اپنی پاکیزگی فطرت اور نیک ذاتی و شرافت کے اقتضاء سے اعدائے دین کی طرف ذرہ بھر توجہ و التفات اور خفیف سے خفیف میلان قلب بھی انہ فرماتے اور کہاں! حضور کی نام نہاد امت کا یہ الزام! کہ حضور عمر بھر معاذ اللہ منافقین میں گھرے رہے آپ کے یار دوست احباب اصحاب وزیر مشیر اعزہ و اقارب سسرال، داماد اور ازواج مطہرات تک سب

نقل کفر کفر نہ باشد ——— دشمن دین د

---

[1] سیرۃ النبیؐ حصہ اول صفحہ ۲۰۵ بحوالہ ابن ہشام صفحہ ۸۹

ایمان تھے ـــــــ العیاذ باللہ!

کہاں تو حضور محبوب خدا کی یہ عظمتِ شان و جلالت قدر اور بارگاہِ قادرِ مطلق میں یہ قدر و منزلت کہ بفرض محال اگر قلب اقدس کے کسی بعید سے بعید گوشے میں بھی اعدائے دین کی طرف برائے نام جھکاؤ اور میلان موجود ہو، موجود ہو نہ ا ہونے کے قریب ہو، تو خدانخواستہ اس وقت آپ اس کے مقابلے میں بے یار و مددگار ہو کر رہ جائیں اور اللہ تعالے آپ کو نعوذ باللہ دنیا و آخرت میں پکڑ لیں۔

اور کہاں حضور کی شان میں یہ تقصیر! کہ آپ کا سارا ماحول عیاذاً باللہ کفر و نفاق سے معمور اور حضور کا پیمانۂ صحبت ظلم و معصیت اور فسق و ظلمت سے لبریز ہے نہ آپ کے گھر والے حق پرست ہیں اور نہ مجلس والے نہ سسرال اہل ایمان ہیں نہ داماد، نہ ازواج مخلص و باصفا ہیں نہ اصحاب، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایک نکتہ آپ سارے قرآن میں غور و خوض اور دقت نظر سے کام لیں گے تو اللہ تعالے کا حضور سے اس درجہ سخت اندازِ کلام و اسلوب بیان

اور اس قدر عتاب آلود طور و طرز خطاب کہیں نہیں پائیں گے
کیوں؟

اس لئے کہ یہاں سوال کفار سے دوستی و خلت اور ان سے روابط و تعلقات کا ہے۔

اللہ تعالے کو اپنے محبوب بہت محبوب ہیں۔ اس قدر محبوب! کہ اس قدر محبوب کسی محب کو کوئی محبوب نہ ہوگا۔ اسی محبت و شفقت اور رحمت و رافت بالنبی کا تقاضہ اور نتیجہ ہے کہ اللہ میاں جب یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی کافر آپ کو اپنی طرف مائل کر رہا ہے یا کوئی بیدین و بے ایمان آپ کے قلبِ اطہر و اقدس پر ڈورے ڈال رہا ہے تو غیرت حق جوش میں آجاتی ہے اور آپ اپنے محبوب کی کڑی سے کڑی نگرانی آپ کی شدید سے شدید نگہبانی شروع کر دیتے ہیں اور حضور کو بھی ذرا سخت انداز میں انتباہ فرما دیتے ہیں۔ جو بظاہر سخت اور عتاب آمیز نظر آتا ہے۔ حالانکہ در اصل اس کا منشا محبتا در چاہت ہوتی ہے۔ اس کا لفظ لفظ حضور کی شان محبوبیت و عظمت کا مظہر و آئینہ دار ہوتا ہے۔

اللہ اللہ! اللہ تعالے کے قلب میں حضور کی کس قدر محبت ہے۔ کہ وہ اس میں اپنے کسی دشمن کی شرکت

کے تصور کو بھی گوارا نہیں فرماتے۔ جہاں کہیں انہیں کوئی
کافر و منافق اس شرکت کی کوشش میں مصروف نظر آتا
ہے آپ فوراً اپنے محبوب کریم کو زوردار الفاظ میں تنبیہ فرما
دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ تو کسی بے دین و بے ایمان کو حضورؐ
کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے" ان کی غیرت کو یہ قطعاً گوارا نہیں کہ
ان کے محبوب ہوں اور کفار کی آغوش ہو! وہ اپنے
حبیب کریم کو ہمیشہ اپنی آنکھوں میں رکھنا اور اپنے مسلمان
بندوں کی آغوشِ محبت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔
"اور ہمارے کرم فرما ہیں کہ یہ حضور کے ساتھ کسی مخلص ایماندار
کو نہیں دیکھ سکتے ان کی "ایمانی غیرت" کو قطعاً یہ گوارا نہیں
کہ اللہ کے محبوب ہوں اور صدیق رضؓ وصدیقہ رضؓ کی آغوش
ہو بایں ساری عمر حضور کو کفار و منافقین کے جھرمٹ میں
دیکھنا چاہتے ہیں۔
کیا یہ رب العزۃ کی کھلی بغاوت اور کتاب اللہ
کی صریح مخالفت تو نہیں؟ ہمارے "مہربانوں" کو اس پر
غور فرمالینا چاہیئے!

اعلانِ نبوت سے پیشتر دنیا تو حضور کی مجلس و
صحبت میں عہدِ رسالت
کے اندر العیاذ باللہ دشمنانِ دین کو جگہ دیتی ہے اور

معاندینِ حق کو حضور کے پہلو بہ پہلو بتلاتی ہے اور
اللہ تعالیٰ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی حضور کے ساتھ
کفر و ظلمت کو برداشت نہیں فرماتے۔ اور ایامِ طفولیت
ہی میں اپنے محبوب کی نگہداشت و پاسبانی شروع
فرما دیتے ہیں۔

عالمِ طفولیت میں پہرہ

ابھی حضور چار پانچ سال کے
ہیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا
کے ہاں رہتے ہیں۔ بچپن کا زمانہ ہے۔ شرعاً آپ مکلف
نہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہیں کہ اس وقت بھی نگرانی و نگہبانی
فرما رہے ہیں۔

ایک روز آپ کے رضاعی بھائیوں نے آپ کو
کفار کے مجمع میں اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ ان کے گھر کے
قریب سرِ شام رقص و سرود کی محفل لگتی اور عیش و نشاط
کی مجلس جمتی تھی۔ کبابوں کے لئے اونٹ کٹتے تھے شراب
کے دور چلتے تھے، عرب کی رنگین دنیا حسین رات اور
سہانی شام! کیا کہنا!

آپ نے صاف انکار فرما دیا۔ مگر وہ زبردستی پکڑ کر
اپنے ساتھ لے چلے، آپ نے ہزارہا کہا کہ مجھے کوئی جانے
نہیں دیتا۔ مگر وہ معصوم کب مانتے تھے۔ ابھی راستے ہی

میں تھے کہ اللہ میاں آ گئے، فرمایا انہیں کہاں لے چلے ہو؟
یہ تمہارے ہی تو نہیں، کچھ ہمارے بھی تو ہیں۔ اگر تم
آج انہیں گندی مجلس اور بُری محفل میں لے گئے،
اور کل فاران کی چوٹی پر ہمارے محبوب نے ہماری
توحید کی دعوت دی اور ابوجہل یا ابولہب نے کہہ
دیا کہ "رہنے بھی دو" تم وہی تو ہو جو کل ایسی ایسی
مجالس میں شریک تھے آج "لگے ہو باتیں بنانے"، تو؟
—— بتلاؤ پھر ہماری توحید کا کیا بنے گا؟ تمہارا اور
تمہارے بھائی کا تو کچھ "نہیں بگڑے گا ہمیں قیامت
تک کوئی مانے ہی گا نہیں۔ تم انہیں ساتھ کیا لئے جا
رہے ہو۔ گویا قیامت تک ہماری توحید کے
دروازے بند کئے جا رہے ہو ہماری معرفت پر
تالے ڈالے جا رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ خیر الماکرین نے تدبیر سے اپنے
محبوب کو ان سے چھڑا بچا کر راستے سے
ایک طرف کر کے ایک وادی میں سلا دیا۔ ہوا
رات بھر پنکھا کرتی رہی۔ آپ آرام سے
سوتے رہے۔ صبح سورج نے رخسار مبارک کو
تپا کر آپ کو جگایا۔ اور آپ اٹھ کر گھر تشریف

لائے۔

بھائی وہاں بزم طرب میں جاکر شریک ہوتے ہیں۔ گانا باجا شروع ہوتا ہے رباب بجتا ہے، شباب ناچتا ہے، کباب تڑپتے ہیں، شراب امڈتی ہے، اچھلتی ہے، بھائی اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں مگر کیا دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کہیں نظر ہی نہیں آتے۔

گھر جاتے ہیں تو مار پڑتی ہے۔ حضرت حلیمہ رضؓ کے ہاتھ سے حلم و ضبط اور صبر و شکیب کا دامن چھوٹا جاتا ہے، آخر دن ہوتا ہے تو حضورؐ تشریف لاتے ہیں۔ ماں چمٹ جاتی ہیں، بھائی خوش ہو ہو کر پوچھتے ہیں بھائی شام کو چلے تو ہمارے ساتھ تھے پھر کہاں چلے گئے تھے! رات کہاں تھے؟ زبانِ عصمت بولتی ہے۔

ہم وہاں تھے جہاں سے ہم کو بھی۔خود ہماری خبر نہیں آتی

تو مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بچپن میں بھی حضورؐ کی نگہبانی فرماتے ہیں۔ کیا مجال کہ آپ گندی صحبتوں اور بری مجلسوں میں ایک

سیکنڈ کے لئے بھی شریک ہو سکیں۔

تعمیر کعبہ کے وقت

ابھی آپ کا بچپن ہے۔ کعبہ کی تعمیر و مرمت ہوتی ہے آپ اپنے شفیق چچا حضرت عباس رض کے ساتھ اس خدمت میں شریک ہیں سر پر پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں۔ مہربان چچا کو دکھ ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں محمد ص! تیرے سر پر بوجھ پڑتا ہے تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ تم اس طرح کرو۔ اپنا تہ بند اتار لو اور اسے سر پر رکھ لو تاکہ پتھروں کی زد سے تمہیں بچا لے آپ کے بدن پر اور کوئی کپڑا نہیں۔ بس یہی ایک تہ بند ہے۔ آپ اسے اتارنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی، اور زمین پر گر گئے۔

حضرت جابر رض بن عبداللہ سے روایت ہے کعبتہ اللہ کی تعمیر کے موقع پر حضور ص اور حضرت عباس رض پتھر لا رہے تھے حضرت عباس رض نے حضور ص سے کہا اجعل ازارك على رقبتك يقيك من الحجارة ٥

تم اپنے تہ بند کو اپنی گردن پر رکھ لو تاکہ پتھروں کی زد سے تمہیں بچا لے حضورؐ نے اس پر عمل کیا ہی تھا فخر الی الارض وطمحت عیناہ الی السماء ثم افاق فقال ازاری ازاری فشد علیہ ازارہ۔

(بخاری باب بنیان الکعبہ)

آپ زمین پر گر گئے۔ اور آپ کی آنکھیں آسمان پر گڑی کی گڑی رہ گئیں، جب افاقہ ہوا تو فرمایا میرا تہ بند۔ میرا تہ بند! چنانچہ آپ کو تہ بند باندھ دیا گیا۔

غور فرمائیے! قدرت کس شدت سے آپ کی پاسبانی فرما رہی ہے، ماحول کا حال یہ کہ مرد ننگے ہوکر کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور فریضہ "عبادت" بجا لاتے ہیں۔ مگر ایک آئینہ توحید رب العزت ہیں کہ عالم طفولیت میں بھی ایک سیکنڈ کے لئے عریاں نہیں ہوتے۔ مبادا کل جب مکے کے بازار میں آپ درس توحید دے رہے ہوں اور کوئی متمرد کہہ دے کہ چھوڑو جی! یہ وہی تو ہیں جو کل حریم کعبہ میں ننگے پھر رہے تھے۔ اور معرفت ربانی کی

راہ مسدود ہو کر رہ جائے۔

تو اللہ تعالے بچپن ہی سے اپنے محبوب کی
کیا اپنی توحید و معرفت کی حفاظت فرماتے ہیں
تاکہ کل کوئی انگلی حضورؐ کی ذات پاک پر نہ اٹھ
سکے۔ اور دعوتِ توحید کی راہ میں کوئی روڑا نہ
اٹکایا جاسکے۔

خلاصہ ——— اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ اللہ تعالے حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی عصمت کا خود تکفل فرماتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالے حضورؐ کی ہر ادا کی نگرانی اور ہر
حالت میں پاسبانی فرماتے ہیں حتی کہ عالم طفلی
میں بھی آپ اللہ کی آنکھوں میں رہتے ہیں۔

۳۔ اللہ کی حفاظت سے قطع نظر! حضورؐ کی ذاتی
شرافت، نفسی طہارت اور فطرتی تقویٰ و
پاک بازی کا یہ حال اور اوج کمال ہے کہ
آپ کفار و مشرکین اور اعدائے دین کی طرف
برائے نام ادنیٰ سے ادنیٰ خیال بھی نہیں
فرماتے۔

ان حقائق و واقعات اور قرآنی آیات کی

روشنی میں صحابہ کرام رضہ کی عظمت شان اور علو منزلت میں کسی مسلمان کو ذرا بھی تو شک وشبہ نہیں رہتا، رفقائے نبوت اور اصحاب رسالت کی صداقت و طہارت نہایت اُجاگر ہو جاتی ہے اور ان کی امامت و خلافت میں بھی کسی تردد و تامل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ورنہ ہمیں بتلایا جائے کہ:——

۱۔ جو قدرت آپ کو چار پانچ سال کی عمر میں گندے لوگوں کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی وہ ساری عمر معاذ اللہ آپ کو گندی صحبت میں کس طرح دیکھتی رہتی ہے۔
جو چشم قدرت عالم طفولیت میں آپ کی نگہبانی و پاسبانی کرتی ہے وہ اعلان نبوت کے بعد کہاں سو جاتی ہے؟ معاذ اللہ!

۲۔ اللہ تعالےٰ حضورم کے قعود و قیام، مجلس و مسجد اور قلب و نظر ہر چیز پر کڑی نگرانی بھی رکھتے ہیں مگر آپ کے عمر بھر کے (رفیق) صبح و مسا اور سفر و حضر کے ساتھی معاذ اللہ اکثر

د بیشتر بلکہ تمام تر دشمن خدا و رسول ہیں،
یہ کیسی نگرانی ہے ؟

۳۔ اگر اللہ کی حفاظت اور شان عصمت کے
معاذ اللہ بر خلاف آپ ساری عمر غلیظ
ماحول اور ناپاک صحبت میں بسر کر ڈالتے
ہیں تو کیا پھر بھی آپ اللہ کے معصوم رسول
رہتے ہیں ؟ العیاذ باللہ !

۴۔ جو خدا اپنے یوسف کریمؑ کو ایک سیکنڈ کے
لئے گندے بستر پر لیٹا نہیں دیکھ سکتے
وہ خدا اپنے محمد کریمؐ کو عمر بھر عیاذاً باللہ
ناپاک بستروں پر کیسے دیکھ سکتے ہیں ؟

۵۔ جب حضورؐ کی فطرتی پاک بازی و صلاحیت
اور ذاتی تقویٰ و طہارت کا یہ حال ہے کہ
آپ اعدائے دین کی طرف ادنیٰ سا التفات
بھی نہیں فرماتے تو پھر عمر بھر بلکہ عالم برزخ
میں بھی ——— نقل کفر کفر نباشد ———
ان کو کیسے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں ؟ کس
طرح ان سے رشتے ناطے کرتے ہیں ؟

المختصر اگر یاران رسول اور ازواج نبی کی طہارت

و تقدس، عظمت و کرامت اور صداقت
و امامت میں شک و شبہ ہے تو پھر نہ رسول
کی عصمت و رسالت بچتی ہے نہ خدا کی قدرت
و توحید!

اگر کوئی ازواج مطہرات یا اصحاب رسول
کے خلاف زبانِ طعن و اعتراض دراز کرتا
ہے تو اسے پہلے رسولؐ کی رسالت اور خدا
کی ذات کو ہدفِ ناوکِ بیداد اور نشانۂ جور و
جفا بنانا پڑے گا۔

تم صحابۂ کرامؓ پر جی کھول کر ظلم و ستم کرو،
خوب تیر انگنی کرو مگر پہلے یہ جان لو کہ تمہارا
ہر تیر جان و جگر خدا و رسولؐ کو زخمی کرے گا
اب۔ ے

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
جان کس کی ہے مری جان! جگر کس کا ہے

اگر تم یارانِ نبی پر مشق ستم گاری و جفا کاری سے
باز نہیں آتے تو نہ آؤ مگر یہ جان لو کہ تمہاری
آتش ظلم و ستم سے اسلام کا گھر کا گھر بھسم
ہو رہا ہے۔ آہ! ے کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کے لئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا!

جناب ملک شبیر محمد خاں صاحب اعوان (سابق) صدر بلدیہ کالاباغ

ہ

" لاہور سنٹرل جیل، سے جب میں نے "الاصحاب فی الکتاب " کے مسودہ کی کاپیاں دفتر " تنظیم" میں بھیجیں تو اتفاق سے جناب ملک صاحب دفتر میں تشریف فرما تھے۔ وہ کاپیاں آپ کی نظر سے گذریں جب میں جیل سے باہر آیا تو آپ نے اپنے تاثرات سے مجھے مطلع کرکے کتاب پر تبصرہ کی پیشکش فرمائی، جسے میں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا"

(بخاری)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت (ایک روایت کے مطابق) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رض کرام

لے محترم ملک صاحب کا یہ تبصرہ اس کتاب کی پہلی اشاعت پر کیا گیا ہے جو ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی (بخاری)

موجود تھے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کسی پیغمبر، کسی ہادی اور کسی مصلح کی تعلیم نے اتنی بڑی جماعت کو اپنے رنگ میں نہیں رنگا۔ جتنی بڑی جماعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں رنگ دیا تھا۔

جس طرح درخت اپنے پھل، شیخ اپنے مرید، استاد اپنے شاگرد اور معالج اپنے مرض سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ہادی و رہنما کی تعلیم کا حال اس کے پیروؤں کے عقائد و اعمال سے معلوم ہوتا ہے۔ جو براہِ راست اس سے متاثر ہوئے ہوں۔

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد ورگر امن ہماں خاکم کہ ہستم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عدالت میں کوئی دعوٰے بغیر دلیل کے مسموع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس اصول کے حسب منشاء اسلام کی صداقت کے دعوی کے ثبوت میں یثرب کے دارالشفا میں قرآن کے نسخہ سے شفایاب ہونے والوں (صحابہ کرام رض) کو بطور شاہد پیش کیا ہے۔ آج بھی اسلام کے لئے صحابہ کرام رض کی سیرت بیان کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیونکہ صحابہ کی اخوت، مساوات حریت، دیانت، صداقت، عدالت، استقامت، اطاعت رسول، اتفاق، ایثار اور عبادت گذاری کے عملی واقعات

بیان کئے بغیر اسلام کے چہرۂ روشن کی نقاب کشائی نہیں کی جا سکتی۔

ہمیں صحابہ کرام رض سے بلا واسطہ تعلق نہیں۔ بلکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے تعلق ہے۔ وہ حضور پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے اقامت دین کی جدوجہد میں حضورؐ کے زیر سایہ کفار قریش کے ہاتھوں بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں، فاقے کئے تلواروں کے زخم کھائے، بیگانوں اور یگانوں کے طعنے سُنے۔ مال کا ایثار کیا۔ مگر ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ حضور نے ان کو اپنی آغوش صحبت میں تربیت بخشی۔ ان کو کتاب و حکمت سکھائی۔ ان کے نفوس کا تزکیہ و تصفیہ کیا۔ انہیں بہترین اخلاق و آداب سے اس حد تک آراستہ و پیراستہ کیا۔ کہ عرب کے غیر مہذب بادیہ نشین کلمہ طیبہ پڑھتے ہی ایسے دانا و بینا اور مہذب و شائستہ بن گئے کہ دنیا نے انہیں اپنا معلم اخلاق تسلیم کر لیا۔

حضور کے فیضان صحبت سے اگر ایک طرف خالدؓ بن ولید، ابو عبیدہؓ بن الجراح، سعدؓ بن وقاص اور عمروؓ بن عاص جیسے "جہانگیر و جہاندار و جہاں آرا" پیدا ہوئے جنہوں نے عظیم بالشان حکومتوں کے تختے الٹ دیئے۔ تو دوسری جانب

صدیق اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان رضؓ غنی اور امیر معاویہؓ جیسے اعلیٰ
مدبّر اور منتظم جہاں بان بنے، اگر ایک طرف ابوذر غفاریؓ
اور عبد اللہؓ ابن عمرؓ جیسے زہاد و عباد بنے۔ دوسری جانب
حکیم بن حزام رضؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف جیسے متمول تاجر تیار
ہوئے، اگر ایک طرف علی المرتضیٰؓ، زیدؓ بن ثابت اور
عبداللہؓ بن عباسؓ جیسے اعلیٰ مقنّن اور منصف پیدا ہوئے
تو دوسری طرف ابوہریرہؓ۔ انسؓ بن مالک اور عبداللہؓ بن
مسعود جیسے جیّد اساتذہ تیار ہوئے۔

حضور کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے حضور کے
پیغام کو روم کے قصروں، ایران کے آتش کدوں، افریقہ
کے تپتے ہوئے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں تک پہنچایا
ان کے زمانہ خلافت میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں ان کے
مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں۔ جہاں کہیں مقابلہ ہوا وہ
غالب رہے۔ قیاصرۂ روم اور اکاسرۂ ایران ان کے نام
سے رعشہ براندام تھے۔ انہوں نے ایسے عدل و انصاف
کے ساتھ جہاں بانی کی کہ اس وقت کی غیر مسلم اقوام بے
اختیار کہہ اٹھیں:۔

"خدا کی قسم ارض و سما ان کے انصاف کے بل پر قائم ہیں
جہاں کہیں وہ فاتح بن کر مسندِ اقتدار پر متمکن ہوئے

وہاں دوست دشمن ہر ایک نے محسوس کیا کہ زندگی کے سارے مسائل کی چولیں ٹھیک اپنی جگہ پر بیٹھ گئی ہیں۔ اور توازن اور عدل زندگی کے ہر گوشے میں کارفرما ہو گیا ہے۔ ان کے اوصاف حمیدہ اور اعمال ستودہ سے متاثر ہو کر اقوام عالم فوجاً فوجاً اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئیں۔ اور اقل قلیل مدت میں بحر اٹلانٹک کے مشرقی ساحل سے لے کر بحر الکاہل کے مغربی ساحل اور ان کے جزائر تک پرچم اسلام لہرانے لگا۔ اور باوجودیکہ حضور اکرم ؐ کی وفات کے وقت مسلمانوں کا شمار چار لاکھ سے زائد نظر نہیں آتا۔ مگر بقول "نیویارک ٹائمز" آج دنیا میں ستر کروڑ مسلمان موجود ہیں!

صحابہ کرام رضؓ کی سیرت کی نشر و اشاعت سے اہل سنت کا مقصودِ نظریہ ہے کہ دنیا پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ جس معلم کے تلامذہ ایسے باکمال تھے۔ خود اس کی شخصیت کس قدر جامع کمالات ہو گی۔ جس ہادی نے ایسے بلند کردار پیدا کئے۔ خود اس ہادی کی عظمت و جلالت کا کیا مقام ہو گا۔

اگر کوئی گستاخ صحابہ رضؓ کے فضائل و کمالات کا منکر ہے۔ اور وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ (معاذ اللہ) پانچ افراد (۱) علی رضؓ (۲) مقداد رضؓ (۳) ابوذر رضؓ (۴) سلمان فارسی رضؓ (۵) عمار بن یاسرؓ

کے علاوہ سب صحابہ منافق تھے۔ اور وہ حضور کی وفات کے
معاً بعد گمراہ ہو گئے تھے، تو اس عقیدہ کی سب سے زیادہ
ضرب معاذاللہ خود صاحبِ رسالت و نبوت کی ذات گرامی
پر پڑتی ہے کہ آپ نے تیئیس سال تبلیغ کی۔ آپؐ کے مواعظ
حسنہ میں اس قدر بھی اثر نہ تھا کہ شب و روز کے مصاحب
سفر و حضر کے رفقاء کما حقہٗ مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ اور
آپؐ کی تعلیم سے ان کا تزکیۂ نفس ہو جائے۔ بہ الفاظِ دیگر قرآن
میں جو فرمایا گیا ہے " ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" وہ
غلط ثابت ہوا۔ اور آپ کو اپنے مشن میں کامیابی حاصل نہ ہوئی
اور پانچ افراد کے سوا کسی کو مسلمان نہ بنا سکے!

صحابۂ کرام نے جن نازک حالات میں خلافت کا کام سنبھالا
دین اسلام کی اشاعت کی۔ اور جس عدل و انصاف کے ساتھ
حکمرانی کی غیر مسلموں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

ع :- الفضل ما شہدت بہ الاعداء

اس سلسلے میں مجھے برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کا ایک
ایسا واقعہ یاد آتا ہے جس کا حوالہ دیئے بغیر میں نہیں رہ سکتا
۱۹۳۷ء میں جب برطانوی ہندوستان کے متعدد صوبوں میں
کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں۔ اس وقت ان وزارتوں کو ہندو
قوم کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی نے عجیب و غریب

مشورہ دیا۔ گاندھی جی کا مشورہ یہ تھا کہ ،، کانگرسی وزارتیں صوبوں کے سیاسی انتظام میں حضرت عمرؓ کے قائم کئے ہوئے بلند نمونے کی تقلید کریں" مجھے اس سے بحث نہیں کہ کانگرسی وزارتوں نے گاندھی جی کے اس مشورے پہ عمل کرنے کی کوشش کی یا نہ کی۔ لیکن یہ مشورہ ہمارے لئے مقام عبرت ضرور ہے ؎

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

جب غیروں کو ہمارے گھر کی شمعوں کی روشنی یوں نظر آتی ہے۔ اور وہ اس سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ تو پھر ہم اپنے اس تاریخی حق سے فائدہ اٹھانے کے لئے کیوں مضطرب نہ ہوں،

صحابہؓ کرام کی توصیف میں غیر مسلموں نے جو کچھ لکھا ہے اگر میں وہ تمام دکمال جمع کردوں۔ تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوجائے گی۔ اس لئے بخوف طوالت صرف دو اقتباسات درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ع۔ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

یورپ کا ایک متعصب نصرانی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے مسائل نے وہ نشر دین آپ کے پیرووں میں
پیدا کیا۔ جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش
کرنا بے فائدہ ہے، جب عیسیٰ کو سولی پر لے
گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ انکا نشر دین
جاتا رہا۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں
گرفتار چھوڑ کر چل دئے۔ برعکس اس کے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے
گرد آئے۔ اور آپ سے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے
میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔"
(اپالوجی گاڈفری ہیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶، ۶۷)

سر ولیم میور لکھتا ہے:۔
"ابوبکرؓ کی قوت کا راز وہ ایمان راسخ تھا۔ جو آپ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے تھے۔ ہمیشہ آپ
کے پیش نظر یہی سوال رہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کا حکم کیا تھا۔ یا اس وقت وہ ہوتے تو کیا
کرتے۔ اس سوال کے جواب پر عمل کرتے وقت
وہ اپنے معیار سے سرمو تجاوز نہ کرتے اس طرح
آپ نے شرک اور بت پرستی کو پامال کر دیا۔
اور اسلام کی بنیاد استوار کی۔

آپ کا عہد مختصر تھا، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا۔ جس کا اسلام کو آپ سے زیادہ ممنون اور مرہون احسان رہنا چاہئے کیونکہ ابوبکر رض کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا۔ اور یہی عقیدہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص اور صداقت کی ایک زبردست شہادت ہے"

(لائف آف محمدؐ)

قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ صحابہ کرام کے ایمان واخلاص اور عظمت و تقدیس کی مدح وثنا پر مشتمل ہے، جن لوگوں کا مداح خود رب العرش ہے، ان کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانا آیاتِ قرآن کو جھٹلانا ہے

حضرات شیخین رض کے عہد خلافت تک کوئی چیز مختلف فیہ نہ تھی۔ انکارِ صحابہ کا فتنہ زمانۂ شیخین رض سے بعد کی سیاسی الجھنوں، منافقین کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کی پیداوار ہے۔

ضرورت تھی کہ صحابہ کرام رض کا مقام بلند قرآن حکیم کی روشنی میں پیش کیا جاتا۔ انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری ناظم تنظیم اہلسنۃ پاکستان نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے کامیاب سعی فرمائی ہے۔

اور ایک معرکہ آرا کتاب الموسوم بہ "الاصحابُ فی الکتاب" لکھ کر ملتِ اسلامیہ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔

شاہ صاحب کی عظیم شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی ذات وقت کی بہت مغتنم ہستیوں میں ہے۔ علماً بھی عملاً بھی، فکر و نظر کی رسائیوں کے لحاظ سے بھی اخلاص و ایثار کی گہرائیوں کے اعتبار سے بھی! آپ جہاں ایک آتش نوا خطیب ہیں۔ وہاں ایک سلجھے ہوئے صحافی اور منجھے ہوئے ادیب بھی ہیں۔ آپ سنہ ۱۹۵۳ء میں سیفٹی ایکٹ کے ماتحت پابند سلاسل کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے منٹگمری اور لاہور جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر یہ کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب میں آپ نے صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس قرآن حکیم کی روشنی میں بیان کی ہے۔ آپ نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے تعلیمات قرآن کو معیار قرار دیتے ہوئے ایسے براہین قاطع اور دلائل ساطع پیش کئے ہیں۔ جن کا جواب مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

یہ اپنے موضوع پر پہلی محققانہ تالیف ہے اس سے پہلے اردو کا ذکر ہی کیا عربی میں بھی اس موضوع پہ کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی خاکسار:۔ شیر محمد، کالا باغ